باردہم ۱۰۰۰ کاپیاں ۲۰۰۳ء قیمت مکمل سیٹ ۴ جلد :-/450

فہرست

مرثیہ و رباعیات وسلام میر انیس جلد دوم

من قال فینا بیتا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ
ذریعہ اشاعت مراثی معصومین وسیلہ حصولِ حسنات بعزاداران ائمہ طاہرین مجموعہ نفیس
یعنی
مراثی میر انیس مرحوم
جلد دوم
از کلام ملک الفصحا سرآمد مرثیہ گویان نامی و شاعران گرامی
میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ ۱

فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ
حقا کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ
اکلیلِ سرِ عرشِ معظم ہے محمدؐ
آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرارِ احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

۲

مختارِ زمیں باعثِ افلاک نبیؐ ہے
مصباحِ حریمِ حرمِ پاک نبیؐ ہے
والا گہرِ قلزمِ لولاک نبیؐ ہے
شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

۳

آدم ہے وجودِ شہِ لولاک سے آدم
سر رشتۂ دہر اس کا اگر ہوتا نہ محکم
عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
تو ہوتے نہ اضداد و عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایاتِ محمدؐ
ہے باعثِ ایجادِ جہاں ذاتِ محمدؐ

۴

وہ پیشرو و خیلِ رسولانِ سلف ہے
یہ دُرِّ یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے
آدم کو اسی نورِ الٰہی سے شرف ہے
کرتا ہے پدر فخر زہے شانِ خلف ہے
پیغمبرِ برحق کی ہو کیا نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجادِ نبیؐ سے

۵

جز ذاتِ خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالمِ امکاں
اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پہ سبھی مہماں
تھا خلقِ دو عالم سے وہی مقصدِ یزداں
باطن میں بھی فیض اس کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اول بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے

۶

معراج سے جو اس کو ملا رتبۂ اعلا
اللہ سے جو قرب محمدؐ تھا کہوں کیا
یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ
جبریلِ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی
یا احمدِ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

۷

اللہ نے دی تھی اسے کونین کی شاہی
دی سنگ نے اُس شہ کی رسالت پہ گواہی
اُمّی تھے پہ تھا دل میں ہر اک رازِ الٰہی
اشجار بھی اعجاز سے اُن کے ہوئے راہی
دی مُردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو
دو کر دیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

۸

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ہے
ہے کون عدیل اُس کا کہ وہ سایۂ رب ہے
پیشِ عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ہے
دُنیا میں کسی سائے کا سایہ کہو کب ہے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے یہ جاں کی طرح سایہ کہاں تھا

۹

پہلے کیا اللہ نے جس چیز کو پیدا
دس سو برس اس دن سے وہ نورِ شہِ والا
لکھا ہے کہ وہ نورِ جنابِ نبوی تھا
استادہ رہا روبروئے خالقِ یکتا
گہہ حمد و ثنا گہہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

۱۰

اس نور سے فرماتا تھا یہ حضرتِ معبود
عزت کی قسم اپنی جو تو ہوتا نہ موجود
ہے خلق سے تو میری مراد اور مرا مقصود
تو رہتی بنا عالمِ ایجاد کی نابود
پیدا کبھی کرتا نہ زمیں کو نہ فلک کو
دوزخ کو، نہ جنت کو، نہ آدم، نہ ملک کو

۱۱

جو تیرا محب ہے ہمیں اُس سے ہے محبت
دی ہم نے تجھے سارے رسولوں سے فضیلت
جو تیرا عدو ہے ہمیں اس سے ہے عداوت
ہر ایک کی اُمت سے ہے بہتر تری اُمت
نائب کسی مرسل کا نہیں تیرے وصی سا
بیٹی تجھے دی فاطمہ سی خویش علیؑ سا

۱۲

سبطین وہ بخشے تجھے جو ہم کو ہیں پیارے
ہیں عرشِ معلیٰ کے وہ تابندہ ستارے
ہم ان کی رضا جو وہ رضا جو ہیں ہمارے
بخشائیں گے اُمت کے ترے جرم وہ سارے
جو مرتبے تیرے ہیں وہ اوروں کے کہاں ہیں
وہ ختمِ رسل ہیں وہ شفیعِ دو جہاں ہیں

۱۳

اک بار یہ سن کر سخنِ خالقِ اکرم
بالا کیا سجدے سے سرِ پاک کو جس دم
سجدے کے لیے جھک گیا وہ نورِ مجسم
پیشانی سے تب نور کے قطرے گرے باہم
اس نور کے قطروں سے پیمبر ہوئے پیدا
دریائے نبوت سے یہ گوہر ہوئے پیدا

۱۴

ان سب سے جنابِ احدی نے یہ ندا کی
پہلے سبھوں سے نورِ محمدؐ نے صدا دی
پہچانتے ہو منزلت و قدر کو میری
لا ریب ہے تو خالق و معبودِ حقیقی
سجدہ تجھے واجب ہے کہ تجھ سا نہیں کوئی
تو رب ہے ہمارا ترا ہمتا نہیں کوئی

۱۵

تب کرسی و لوح و قلم و عرشِ معلّا
غمام و سحر و ظلمت و ضو جنت و دنیا
نجم و مہ و مہر و ملک و گنبدِ خضرا
اللہ نے سب نورِ نبی سے کیے پیدا
حق یہ ہے کہ باعث ہے وہ عالم کی بنا کا
کیا رتبہ ہے کیا فیض ہے محبوبِ خدا کا

۱۶

اس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمد و حیدر
اور پھر کیے ہر حصے کے دو حصے مکرر
پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطین پیمبر
زہرا کو پھر اس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتن پاک کا نقشہ کیا پیدا

۱۷

انساں سے بھلا ہو سکے ایسوں کی ثنا کد
واللہ علیؑ سے ہیں علیؑ تک سبھی امجد
اک نور محمدؐ سے ہیں یہ تا بہ محمدؐ
لند ایک سے ایک ان میں سے ہے صاحب مسند
سمجھے نہ کوئی یہ کہ محمدؐ سے جدا ہیں
اک سیب کے ٹکڑے ہیں یہ سب نور خدا ہیں

۱۸

آدم کو کیا نوح ملائک نے جو سجدا
ہے یوسفؑ یعقوبؑ کے جو حسن کا شہرا
یہ نور محمدؐ کا فقط پاس ادب تھا
تھا داؤں بھی فقط نور محمدؐ ہی کا جلوا
اک صاعقہ گرتے ہوئے جو دور سے دیکھا
موسیٰ نے اسی نور کو تھا طور سے دیکھا

۱۹

یہ ظلم ہوا کون سے مرسل کے حرم پر
اور کس کی نواسی پھری بلوے میں کھلے سر
گھر جل گیا چھینا گیا کس کا زر و زیور
تا شام گئی راہ میں بے مقنعہ و چادر
اس پر بھی رہائی نہ ملی رنج و محن سے
گردن کو جو کھولا تو بندھے ہاتھ رسن سے

۲۰

بیٹی کو کہو کون سے مرسل کی ستایا
داماد کا حق کون سے مرسل کے مٹایا
کس کے شکم پاک پہ دروازہ گرایا
گردن میں رسن باندھ کے کس کو ہے پھرایا
مقتول کہو کس کا نواسا ہوا سم سے
کس پیاسے کا کاٹا ہے گلا تیغ ستم سے

۲۱

اللہ نے رتبے تو محمدؐ کو یہ بخشے
ہر چند کہ سب مورد آفات و بلا تھے
ہیں سارے رسولوں سے زیادہ شرف ان کے
پر ایسے مصائب بھی کسی نے نہیں دیکھے
کیا کیا نہ دیے رنج انھیں اہل جفا نے
آرام نہ پایا کبھی محبوب خدا نے

۲۲

حق یہ ہے کہ ہوتی ہے جسے حق سے محبت
نیکوں کے لیے خلق میں کیا کیا ہے اذیت
جتنے ہیں وہ درد و الم و رنج و مصیبت
منھ پر ہے کھلا ان کے در محنت و حسرت
خاصان خدا ممتحن جور و جفا ہیں
ارباب ولا جو ہیں وہ پابند بلا ہیں

۲۳

پہلے تو مصیبت یہ ہے شاہ دوسرا کی
جس دم چھ برس کے ہوئے قدرت سے خدا کی
تھے بطن میں مادر کے کہ والد نے قضا کی
مادر نے بھی لی راہ گلستان بقا کی
دو صدمے ہوئے دُرِّ یتیمی کے جگر پر
دادا کے سوا کوئی نہ باقی رہا سر پر

۲۴

بن باپ کے فرزند کا تھا پالنا مشکل
جب آٹھ برس کا ہوا وہ سرور عادل
دادا ور اہل حرم میں ہو سکے کام کفیل
دادا کو بھی درپیش ہوئی گور کی منزل
پھر راحت و آرام کی صورت کہو کیا تھی
تنہائی کی آفت تھی یتیمی کی بلا تھی

۲۵

جز ذاتِ خدا کوئی نہ تھا یار و مددگار
بابا کا تو دیکھا بھی نہ تھا آپ نے دیدار
مادر نہ تھی جو چھاتی سے لپٹا کے کرے پیار
رو دیتے تھے دادا کے لئے دن میں کئی بار
بیکس پہ عجب حادثہ طفلی میں پڑا تھا
آنسو بھی کوئی پونچھنے والا نہ رہا تھا

۲۶

وہ صغرِ سن اور آہ وہ تنہائی کی آفت
کفار سے رہتا تھا زبس خوفِ اذیت
تھا اک دلِ نازک پہ وفورِ غم و محنت
چھپ چھپ کے کیا کرتے تھے خالق کی عبادت
مظلوم کی طاعت کی ثنا کرتے تھے قدسی
احمدؐ کی یتیمی پہ بکا کرتے تھے قدسی

۲۷

کرتا تھا فرشتوں کو ندا خالقِ اکبر
ہر آن حفاظت کے لئے میں تو ہوں سر پر
محبوب مرا گرچہ ہے بے والد و مادر
بھیجو صلوات اور سلام اس پہ مکرر
حاجت ہے محمدؐ کو نہ مادر نہ پدر کی
ہوتی ہے یتیمی سے فزوں قدر گہر کی

۲۸

خالق کو یہ توقیر تھی جس شاہ کی منظور
جب حق نے کیا دعوتِ اسلام پہ مامور
چالیس برس ان کو ستاتے رہے مقہور
بس دشمنِ جاں ہو گئے سب کافر و مغرور
راحت نہ ملی بادشہِ جن و بشر کو
ہر اک نے کسا قتل محمدؐ پہ کمر کو

۲۹

جن لوگوں سے فرماتے تھے یہ احمدِ مختار
جز حق کے نہیں کوئی پرستش کا سزاوار
اے قوم نہ اصنام کو سجدہ کرو زنہار
قائل ہو خدا کے کلمہ کا کرو اقرار
وہ کہتے تھے ساحر ہے جواب اس کا نہ دو تم
کذّاب ہے کاذب کی نصیحت نہ سنو تم

۳۰

تھا خار کوئی راہ میں اس گل کے بچھاتا
دانائے زماں کو کوئی دیوانہ بتاتا
اور سنگ دلی سے کوئی پتھر تھا لگاتا
اس چاند پہ کوٹھے سے کوئی خاک گراتا
پُر خوں نظر آتا تھا سرِ روئے مبارک
بھر جاتے تھے سب خاک میں گیسوئے مبارک

۳۱

کفارِ قریش آپ کے تھے درپئے ایذا
گردن میں ردا ڈال کے اس زور سے کھینچا
دو بار بہم ہو کے سبھوں نے کیا نرغا
جو صدمے سے دم گھٹ گیا محبوبِ خدا کا
یاں تک تو عداوت تھی ابوجہلِ لعیں کو
مجروح کیا سنگ سے حضرت کی جبیں کو

۳۲

تنگ آن کے اس شاہ نے کی کعبہ سے ہجرت
ہشتاد و سہ بار اُن سے لڑے اہلِ شقاوت
تو بھی نہ ملی ہاتھ سے ملعونوں کے راحت
منظور تھا کر دیجئے گُل شمعِ رسالت
بے دینوں نے کی سخت بدی شاہِ اُمم سے
توڑا درِ دندانِ نبی سنگِ ستم سے

۳۳

جس شمع کی ہو روشنی اللہ کو منظور
جوں جوں ہوئے جویائے رواں اُن کے وہ مقہور
ہوتا ہے فروغ اس کا زمانے سے کہیں دور
ہوتا گیا خورشیدِ ہدایت کا فزوں نور
پانی جو دیا آبِ دمِ تیغِ علیؑ سے
سرسبز کیا گلشنِ اسلام نبیؐ نے

۳۴

جس وقت ہوا کفر و ضلالت سے جہاں پاک
رونے کی ہے جا سینے میں ہوتا ہے جگر چاک
اور دور ہوا گلشنِ دیں سے خس و خاشاک
بیمار مدینے میں ہوئے سیّدِ لولاک
اک بار خزاں آگئی بستی کے چمن میں
طاقت نہ رہی بیٹھنے اٹھنے کی بدن میں

۳۵

تھی شدتِ تپ دم بہ دم اور ضعف تھا طاری
چھاتی سے لگا بیٹی کو باگریہ و زاری
تھے فاطمہؑ کے حال پہ اشک آنکھوں سے جاری
فرماتے تھے میں تجھ پہ فدا اے مری پیاری
اٹھنا مرا دنیا سے ترے حق میں ستم ہے
دشمن تجھے دکھ دیں گے جو غم ہے تو یہ غم ہے

۳۶

حیدرؑ کو کبھی دیکھ کے پاس اپنے بلاتے
پہلو میں کبھی دونوں نواسوں کو بٹھاتے
کس پیار سے داماد کو چھاتی سے لگاتے
کچھ سوچ کے منھ چومتے اور اشک بہاتے
فرماتے تھے دونوں پہ فدا جانِ محمدؐ
پژمردہ ابھی سے ہیں یہ ریحانِ محمدؐ

۳۷

افسوس مرے بعد ستم ہوئے گا اِن پر
مظلوم پہ کچھ رحم نہ کھائیں گے ستمگر
ہیہات مصیبت میں پڑیں گے مرے دلبر
آرام جہاں میں نہ ملے گا انھیں دم بھر
ناچار انھیں چھوڑتا ہوں آفتِ بد میں
ان کے لیے تڑپے گی مری روح لحد میں

۳۸

چھاتی پہ انھیں کون سلاوے گا مرے بعد
کون ان کے بجا ناز اٹھاوے گا مرے بعد
کاندھے پہ انھیں کون چڑھاوے گا مرے بعد
رو دیں گے پہ چین ان کو نہ آوے گا مرے بعد
ماں باپ کو تو ہوش نہ ہوگا مرے غم میں
کون ان کی خبر لیوے گا اس درد و الم میں

۳۹

یہ کہتے تھے اور تھی مرض الموت کی شدت
فرمایا ہوئی گھر میں جو اصحاب کی کثرت
تھی بستر آزار سے اٹھنے کی نہ طاقت
نزدیک ہے اب دارِ فنا سے مری رحلت
اندیشے کی جاگہ ہے یہ عبرت کا محل ہے
جو زندہ ہے اک دن اسے درپیش اجل ہے

۴۰

تم سے یہ وصیت ہے کہ حق سے نہ گزرنا
ہر دم غضب حضرتِ معبود سے ڈرنا
جو سنت و واجب ہو خلاف اس کے نہ کرنا
زنہار قدم راہِ ضلالت میں نہ دھرنا
واللہ فوائد ہیں بڑے حق کی رضا میں
مرتد ہے کرے گا جو خلل حکمِ خدا میں

۴۱

تم پاس ہوں میں چھوڑتا دو امرِ عظیم اب
ناجی ہے وہ ان دونوں سے رکھے گا جو مطلب
قرآن ہے اور عترتِ اطہار مری سب
جو ہوگا خلاف ان سے نہ بخشے گا اسے رب
ان میں سے ہر اک مصحفِ ایماں کا ورق ہے
تابع رہو ان کے یہ رضامندیِ حق ہے

۴۲

واللہ اگر ان کی رضامندی ہے درکار
آزار مجھے دوگے جو دوگے انھیں آزار
تم ان سے خصومت نہ کبھی کیجو خبردار
دونوں یہ جدا مجھ سے نہیں ہوویں گے زنہار
میں ساتھ تمھارے ہوں جو ساتھ ان کے رہوگے
مجھ سے اسی تقریب سے کوثر پہ ملوگے

۴۳

پھر یوں کہا حیدرؑ کی طرف کر کے اشارا
واللہ مرے بعد یہ رہبر ہے تمھارا
عاشق ہوں میں اس کا کہ خدا کا ہے یہ پیارا
رنج اس کو کوئی دے یہ نہیں مجھ کو گوارا
سمجھے نہ وصی جو اسے باعث ہے وہ شر کا
مختار ہے یہ احمدِ مختار کے گھر کا

۴۴

بھائی بھی یہ میرا ہے وصی بھی ہے یہ میرا
جو دَین ہے مجھ پر یہ ادا اس کو کرے گا
اک نور سے میں اور یہ ہوا خلق میں پیدا
جو وعدے ہیں میرے یہ کرے گا انھیں ایفا
یہ واقفِ گنجینۂ اسرارِ نہاں ہے
یہ حجتِ حق ہے یہ امامِ دو جہاں ہے

۴۵

جو دوست ہے اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
رتبے سے علیؑ کے میں تمھیں کرتا ہوں آگاہ
دشمن ہے جو اس کا مرا دشمن ہے وہ گمراہ
جو اس سے بغی ہووے گا کافر ہے وہ بدخواہ
جس کو کہ یقیں اس کی امامت کا نہیں ہے
قائل وہ محمدؐ کی رسالت کا نہیں ہے

۴۶

جو حکم علیؑ کا ہے وہی حکمِ خدا ہے
جو کام یہ کرتا ہے مناسب ہے بجا ہے
نہی اس کی جو ہے نہیِ رسولِؐ دوسرا ہے
ناحق کوئی حق اس کا جو چھینے تو خطا ہے
میں دشمنِ حیدرؑ سے رعایت نہ کروں گا
محشر میں کبھی اس کی شفاعت نہ کروں گا

۴۷

یہ وہ ہے رہِ راہِ خدا میں جو مجاہد
پیدا ہوا جب خلق میں اس کا ہوں میں شاہد
یہ سابق الایماں ہے یہ ہے عابد و زاہد
سجدہ نہ کیا اور کو جز خالقِ واحد
اک عشق ازل سے ہے اسے ذاتِ خدا سے
ہم نامِ خدا ہے یہ عنایاتِ خدا سے

۴۸

بےشک حق و باطل کو جدا اس نے کیا ہے
یہ صاحبِ لولاک کے کاندھے پہ چڑھا ہے
کعبے میں قدم مہرِ نبوت پہ دھرا ہے
خالق نے اسے رتبۂ معراج دیا ہے
یہ جرم گنہگاروں کا بخشائے گا رب سے
ہوگی مری امت کی نجات اس کے سبب سے

۴۹

زوجہ اسے زہراؑ سی ہے خالق نے عطا کی
ہے گو کہ وہ مخدومۂ عالم مری بیٹی
وہ میرا کلیجہ ہے تو یہ جان ہے میری
میں کرتا ہوں تعظیم یہ اس کی ہے بزرگی
اس نورِ نظر پر یہ مرے حق کا کرم ہے
باخطِ جلی عرش پہ نام اس کا رقم ہے

۵۰

واللہ ستانا مری بیٹی کا زبوں ہے
تسلیم کو اس کی فلکِ پیر نگوں ہے
وہ مریم و حوا سے بھی رتبے میں فزوں ہے
وہ پارۂ تن ہے مرا اور یہ مرا خوں ہے
جو بعد مرے نیک سلوک اس سے کرے گا
میں قبر میں آؤں گا وہ جس روز مرے گا

۵۱

شاد اس کو کیا جس نے مجھے اس نے کیا شاد
سمجھاتا ہوں حجت سے اسے دل سے رکھو یاد
بیداد ہوئی اس پہ تو مجھ پر ہوئی بیداد
برباد ہوا میں جو ہوئی فاطمہ برباد
جس شخص سے زہراؑ کا نہ کچھ زور چلے گا
وہ تابہ ابد آتشِ دوزخ میں جلے گا

۵۲

تم سب میری بیٹی کی تو عزت سے ہو آگاہ
زوج اس کا ہے اقلیم امامت کا شہنشاہ
وہ فاقہ کش و بیکس و مظلوم ہے واللہ
پر دولت دنیا سے ہے ان دونوں کو اکراہ
جز حق کے کسی سے نہیں کچھ کہتے ہیں دونوں
اک بوریے پہ فاقہ سے سو رہتے ہیں دونوں

۵۳

بچوں کا ہے ساتھ اور بضاعت ہے بہت کم
خالق کی عبادت میں گذرتا ہے ہر اک دم
مایہ نہیں کچھ گھر میں خدا اس کا ہے محرم
آزردہ زہرا کو نہ چھیڑے کوئی اظلم
ہر چند کہ حاصل تو فدک کا ہے وہ کیا ہے
پر اس کو بہت ہے کہ وہ خالق نے دیا ہے

۵۴

بیٹے ہیں جو اس کے وہ مرے لخت جگر ہیں
بحر بن میں زہرا و علیؑ اور وہ گہر ہیں
دونوں فلک عز و شرافت کے قمر ہیں
اللہ کے پیارے ہیں محمدؐ کے پسر ہیں
ناخوش کیا خالق کو اگر ان پہ جفا کی
کیجو نہ خیانت یہ امانت ہے خدا کی

۵۵

سن سن کے یہ کہنے لگے اصحاب موافق
کس پر نہیں روشن شرف مصحف ناطق
فرماتے ہیں وہ آپ جو ہے مرضیِ خالق
ان باتوں سے جل جل کے ہوئے خاک منافق
موذی تھے عداوت سے نہ باز آتے تھے ظالم
جوں مار سیہ طیش سے بل کھاتے تھے ظالم

۵۶

حال ان کا نظر آیا جو سلطان امم کو
تحریر تمہارے لئے کچھ کرنا ہے ہم کو
فرمایا کہ لے آؤ دوات اور قلم کو
تا راہ ضلالت سے رکھو باز قدم کو
واللہ عمل گر مرے لکھنے پہ کرو گے
پھر حشر تلک تم کبھی گمراہ نہ ہو گے

۵۷

اک شخص چلا لینے دوات اور قلم جب
پھر آ ہمیں تحریر نبیؐ سے نہیں مطلب
کہنے لگا از راہ عداوت یہ کوئی تب
قرآن ہی کافی ہے ہمارے لئے بس اب
کہتا ہو جو ہذیاں اسے کب ہوش و خرد ہے
اس وقت کی تقریر نہ تحریر سند ہے

۵۸

تکرار سے ان سب کی جو اک غل ہوا برپا
کیا ظلم ہے کیا قہر ہے وا حسرت و دردا
اس صدمے سے محبوب الٰہی کو غش آیا
تحریر وصیت کے بھی مانع ہوئے اعدا
کہنا ہذیاں کا کلمہ حق میں نبیؐ کے
محبوب خدا سے یہ سخن بے ادبی کے

۵۹

اے مومنو انصاف کی جا ہے وہ پیمبر
جو کچھ ہے کلام اس کا نہیں وحی سے باہر
جس کے لئے قرآں میں کہے خالق اکبر
ہذیاں کہے اس شخص کے حق میں وہ ستمگر
کونین میں لعن اس پہ نہ کیوں حشر تلک ہو
کافر ہے وہ خود کفر میں اس کے جسے شک ہو

۶۰

اصحاب سے فرمایا کہ اٹھ جاؤ بس اس دم
سب اٹھ کے گھر اپنے گئے صحبت ہوئی برہم
وہ سن چکا تم سے مجھے جس بات کا تھا غم
رویا کئے تا دیر شہنشاہ دو عالم
فرمائے سخن صبر کے حیدر کو بلا کے
زہرا کو بہت پیار کیا چھاتی سے لگا کے

۶۱

اس دن سے ہوئی اور فزوں شدتِ آزار
جبریلِ امیں نے یہ کہا آن کے اک بار
زہرا کبھی روتی تھیں کبھی حیدرِ کرار
خالق نے خبر پوچھی ہے یا احمدِ مختار
ہر چند عیاں اس پہ ہر اک رازِ نہاں ہے
تم پر مگر الطافِ خدائے دو جہاں ہے

۶۲

پوچھا ہے کہ کس طرح سے ہیں آپ کو پاتے
حضرت نے کہا غش پہ غش ہیں متصل آتے
کیا حال ہے جو سر نہیں تکیے سے اٹھاتے
الطافِ خدا کے ہیں بیاں کب کئے جاتے
ایذائے مرض سے نہیں گھبراتا ہوں جبریل!
پر آپ کو مغموم بہت پاتا ہوں جبریل!

۶۳

آ کر یہ صدا دی ملک الموت نے اس دم
جبریل نے کی عرض یہ با دیدۂ پرنم
دو اذن تجھے آنے کا اے سیدِ اکرم!
یہ قابضِ ارواح ہے اے قبلۂ عالم
اس نے کبھی رخصت نہیں مانگی ہے کسی سے
ہے اذن طلب حکمِ جنابِ احدی سے

۶۴

بعد آپ کے یہ آج سے لے تا بہ قیامت
یاں اس کو بلاؤں میں جو دیں آپ اجازت
آنے کی کسی شخص سے مانگے گا نہ رخصت
جبریل سے کہنے لگے اس وقت یہ حضرت
آنے دو اسے صابر و شاکر ہے محمدؐ
خالق نے بلایا ہے تو حاضر ہے محمدؐ

۶۵

یہ سن کے اسے روحِ امیں نے جو بلایا
تسلیم بجا لا کے سخن لب پہ یہ لایا
تب پاس محمدؐ کے وہ با صد ادب آیا
خادم نے شرف آ کے قدم بوسی سے پایا
یہ آپ کا اعلیٰ ہے مقام اے شہِ والا
فرمایا ہے خالق نے سلام اے شہِ والا

۶۶

فرمایا کہ گر ہو مرے محبوب کی مرضی
راضی نہ محمدؐ ہو تو پھر آئیو جلدی
تو جسم سے تو روح جدا کیجیو اس کی
جو اس کی خوشی ہو وہی خوشنودی ہے اپنی
وہ کیجیو جو حکمِ رسولِ مدنی ہو
محبوب کی میرے نہ کہیں دل شکنی

۶۷

فرمانے لگے اس سے یہ تب سیدِ ابرار
جان و تنِ احمدؐ کا ہے وہ مالک و مختار
بندے پہ ہے کیا کیا کرم ایزدِ غفار
ہر حال میں خالق کی خوشی ہے مجھے درکار
کر قبض مری روح کو مرنے سے خوشی ہوں
مشتاقِ ملاقاتِ جنابِ احدی ہوں

۶۸

جب یہ ملک الموت سے فرما چکے حضرت
رو کر کہا اے فاطمہ ہم ہوتے ہیں رخصت
زہرا کو بلا چھاتی لگایا بصد الفت
سر پیٹ کے رونے لگی خاتونِ قیامت
زہرا کو کبھی دیکھتے تھے گاہ علی کو
تر ریش تھی اشکوں سے یہ رقت تھی نبی کو

۶۹

پھر ہاتھ میں حیدر کے دیا فاطمہؑ کا ہاتھ
تا زیست یہ ماتم میں مرے روئے گی دن رات
فرمایا امانت ہے خدا کی یہ خوش اوقات
زہرا سے کوئی دل شکنی کی نہ کرے بات
مہماں ہے یہ اس پر الم و غم ہے جہاں میں
واللہ حیات اس کی بہت کم ہے جہاں میں

۶۰

پھر شبرؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
رو رو کے یہ پھر حیدرِ صفدرؑ کو سنایا
منھ چوما جبیں چومی کلیجے سے لگایا
اب اُٹھتا ہے ان دونوں کے سر سے مرا سایا
پیارے ہیں مرے پیار بہت کیجیو ان کو
جب روئیں تو چھاتی سے لگا لیجیو ان کو

۶۱

جس وقت نبیؐ نے یہ کہا شیرِ خدا سے
اشک ان کے کیے پاک محمدؐ نے عبا سے
رونے لگے چھاتی سے لپٹ دونوں نواسے
دونوں نے کہا رو کے رسولِ دوسرا سے
لے لو ہمیں ہمراہ جہاں جاتے ہو نانا
بے ساتھ لئے ہم کو کہاں جاتے ہو نانا

۶۲

رو رو کے پیمبرؐ نے کہا صدقے میں تم پر
غم میں مرے دے صبر تمھیں خالقِ اکبر
خالق نے بلایا ہے تامل کروں کیوں کر
ناچار ہے کیوں کر تمھیں لے جائے پیمبرؐ
فرزند تلک باپ کے کام آ نہیں سکتا
اس راہ میں ہمراہ کوئی جا نہیں سکتا

۶۳

سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا برپا
نزدیکِ محمدؐ ملک الموت بھی آیا
بستر پہ ہوئے راست شہِ یثرب و بطحا
فرمانِ خدا فوجِ ملائک کو یہ پہونچا
نزدیک سواری ہے رسولِؐ عربی کی
صف باندھ کے تعظیم کرو روحِ نبیؐ کی

۶۴

دوزخ کو بجھا دو کہ ہو رحمت مری ظاہر
حورانِ بہشتی ہوں مشکّل پہ جواہر
کھولو درِ افلاک مرے دوست کی خاطر
ہوں عرش کے ساکن درِ فردوس پہ حاضر
سلطانِ رسالت کی ہے آمد کوئی دم کو
پلکوں سے مصفا کرو گلزارِ ارم کو

۶۵

وہ آتا ہے جو عاشقِ صادق ہے ہمارا
وہ آتا ہے جو عرشِ معلےٰ کا ہے تارا
وہ آتا ہے جس کے لئے عالم کو سنوارا
وہ آتا ہے جو سب سے بہت ہم کو ہے پیارا
ہنگامِ تلطف ہے مدارات کا دن ہے
معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے

۶۶

یہ وہ ہے ستم جس نے سہے راہ میں میری
آئینہ ایماں کو پھر شکل جلا دی
وہ امر کیا اس نے جو کچھ تھی مری مرضی
اسلام کو رونق مرے محبوب نے بخشی
تا زیست نہ آرام ملا اہلِ ستم سے
پر کی نہیں امت کی شکایت کبھی ہم سے

۶۷

سکانِ سمٰوات کو واں پہونچا یہ احکام
بیت الشرفِ فاطمہؑ میں پڑ گیا کہرام
اور قابضِ ارواح نے یاں اپنا کیا کام
کانپ اٹھی زمیں ہل گئے مسجد کے در و بام
فریاد گئی عرش تلک شیرِ خدا کی
کونین میں غل تھا کہ محمدؐ نے قضا کی

۶۸

جبریلِ امیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
دنیا میں اب آنا ہوا موقوف ہمارا
سر پر سے پلٹ تاجِ تقرّب یہ پکارا
محبوبِ خدا گلشنِ ہستی سے سدھارا
رونق نہیں بے صاحبِ معراج جہاں کی
فریاد ہے اٹھی برکت آج جہاں کی

۷۹

اب کس کے لئے وحیِ خدا لائے گا جبرئیل
کیا شبرؑ و شبیرؑ کو سمجھائے گا جبرئیل
احکامِ رسالت کسے پہونچائے گا جبرئیل
اب کس کی خبر لینے کو یاں آئے گا جبرئیل
اب دوش پہ شفقت سے چڑھائے گا انھیں کون
اس پیار سے چھاتی پہ سلائے گا انھیں کون

۸۰

چلّاتی تھی یوں بنتِ نبیؐ کوٹ کے سینا
آرام کا میرے نہ رہا کوئی قرینا
میں لٹ گئی ہے ہے ہوا ویران مدینا
طوفاں میں پڑا آلِ محمدؐ کا سفینا
بیتاب میں ہوتی تھی جو ہوتے تھے سفر میں
اب حشر تلک آئیں گے بابا مرے گھر میں

۸۱

فاقوں میں مری کون خبر لیوے گا آ کر
کون اب کڑھے گا دیکھ کے کہنہ مری چادر
کون آن کے چھاتی سے لگاوے گا مرا سر
کون اب کہے گا فاطمہؑ قربان میں تجھ پر
مظلوم و یتیم آج مجھے کر گئے بابا
کیا قہر ہے زہراؑ نہ موئی مر گئے بابا

۸۲

میں چھوٹی تھی جب سر سے اٹھیں مادرِ غم خوار
میں سوتی تھی اور آپ رہا کرتے تھے بیدار
مادر سے زیادہ مجھے بابا نے کیا پیار
فرماتے تھے آپ آگے نہ رو اے مری دلدار
منھ پر ہے عبا بیٹی سے روپوش ہیں بابا
میں رو رو کے چلّاتی ہوں خاموش ہیں بابا

۸۳

ہے ہے مرے بچّے ہوئے اب بے کس و مظلوم
تا حشر رہے دولتِ دیدار سے محروم
نانا کسے اب کہہ کے پکاریں گے یہ معصوم
غمگین تو تھے اور بھی یہ ہوئیں گے مغموم
ان دونوں کی مظلومی و تنہائی کا غم ہے
مادر بھی تو یہاں ہے فقط باپ کا دم ہے

۸۴

رو رو کے بیاں کرتے تھے یہ حیدرِ کرّار
مرنے سے ہوا آپ کے میں بے کس و ناچار
مجبور مجھے کر گئے یا احمدِ مختارؐ
جز ذاتِ خدا کون ہے اب میرا مددگار
صابر رہا ایذا سہی گو فاقہ کشی کی
واللہ کمر ٹوٹ گئی آج علیؑ کی

۸۵

کن آنکھوں سے دیکھوں تمھیں ہے ہے مرے مولا
حضرت مجھے گاڑیں گے یہ تھی مجکو تمنّا
نزدیک مرے آج قیامت ہوئی برپا
سو آپ اٹھے خلق سے واحسرت و دردا
کیوں کر کفن و گور کی تدبیر کروں گا
کن ہاتھوں سے میں آپ کو مدفن میں دھروں گا

۸۶

حیدرؑ یہ بیاں کرتے تھے با نالۂ افغاں
سر ننگے تھے اور چاک تھے کرتوں کے گریباں
اور شبرؑ و شبیرؑ کا تھا حال پریشاں
تھے نانا کی میّت کے قریں خاک پہ غلطاں
منھ پر سے عبا کو کبھی سرکاتے تھے دونوں
رو کر کبھی چھاتی سے لپٹ جاتے تھے دونوں

۸۷

نانا کے کبھی چہرے سے چہروں کو ملاتے
خوابیدہ سمجھ کر کبھی بازو کو ہلاتے
ہاتھوں کو اٹھا کر کبھی آنکھوں سے لگاتے
کرتے کبھی فریاد کبھی اشک بہاتے
کہتے تھے کبھی آنکھیں نہیں کھولتے نانا
آزردہ ہیں ایسے کہ نہیں بولتے نانا

۸۸

سر پیٹ کے کہتی تھی یہ زہراؑ نہ جگاؤ
بس دیکھ چکے آؤ ردا منہ پہ اوڑھاؤ
اب ہاتھ سے تم نانا کے بازو نہ ہلاؤ
زاری کرو فریاد کرو خاک اڑاؤ
جیتے ہو تو دنیا میں تمہیں کیا نہ ملے گا
نانا سا مگر چاہنے والا نہ ملے گا

۸۹

یہ سن کے وہ سر دے دے پٹکتے تھے زمیں پر
غل مسجدِ جامع میں یہ تھا ہائے پیمبر
تھا نالہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر
منہ پیٹتے تھے ہاتھوں سے سلمان و ابوذر
ماتم تھا ملائک میں رسولِ عربیؐ کا
تھا قوم بنی جان میں غل سینہ زنی کا

۹۰

یاں غسل و کفن میں متوجہ ہوئے حیدرؑ
تھے سب تو شریک کفن و دفنِ پیمبرؐ
اصحابِ نبیؐ جمع ہوئے ڈیوڑھی پہ آکر
محروم سعادت سے رہے چند بداختر
پرسا بھی دیا آ کے نہ زہراؑ و علیؑ کو
بے چین کیا روحِ رسولِ عربیؐ کو

۹۱

کیا ظلم ہے کی جن کی پیمبرؐ نے سفارش
یہ دولتِ دنیا کے دنی کی ہوئی خواہش
ان سے وہ ستمگار ہوئے بر سرِ کاوش
سب بھولے پیمبرؐ کے کرم اور نوازش
بس دخترِ سلطانِ رسالتؐ سے بدی کی
کچھ عزت و توقیر نہ کی آلِ نبیؐ کی

۹۲

یہ حفظِ مراتب تھا کہ قرآں کو جلایا
کس ظلم سے کس جور سے زہرا کو ستایا
بے دینوں نے حق مصحفِ ناحق کو مٹایا
محروم وہیں باپ کا ورثہ بھی نہ پایا
جس خط پہ ہوئی مہر شہِ جنّ و ملک کی
کی چھین کے پرزے وہ سند باغِ فدک کی

۹۳

بے اذن جہاں تھی نہ فرشتے کی رسائی
تھی حمل سے محسن کے محمدؐ کی وہ جائی
اُس گھر کی یہ عزت کہ اُسے آگ لگائی
پہلو پہ گرا در تو یہ فریاد مچائی
ہے ہے مجھے غم اور دیا باپ کے غم میں
بے جان ہوا محسنؑ معصوم شکم میں

۹۴

ہیہات نہ اس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
مظلوم نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
کوڑا یہ ستم بازوئے زہراؑ پہ لگایا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
رسّی تو ادھر بندھی تھی گردن میں علیؑ کی
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

۹۵

جو احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کو ہوئی ایذا
ہو دیں گے کبھی ظالم و مظلوم بھی یکجا
جو ظلم و ستم شبرؑ و شبیرؑ پہ گزرا
اب جائے خموشی ہے انیسؔ آگے کہے کیا
جب حشر کو یہ دفترِ جاں سوز کھلے گا
اس ظلم کا بھی حال اُسی روز کھلے گا

رُباعی

دنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قربِ معراجِ رسولؐ
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

مرثیہ

خورشیدِ حقیقت رُخِ زیبائے علیؑ ہے
ایماں جسے کہتے ہیں تولّائے علیؑ ہے
معراجِ امامت قدِ بالائے علیؑ ہے
اکسیر جو ہے خاکِ کفِ پائے علیؑ ہے
ہے نام رقم عرش پہ ہم نامِ خدا کا
کیا مرتبہ ہے زوجِ بتولِؑ عذرا کا

۲
کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدر
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدر
خلوت گہِ خلّاقِ جہاں ہے دلِ حیدر
ہے نورِ خدا روشنیِ محفلِ حیدر
وہ حجتِ خالق ہے چراغِ رہِ دیں ہے
پروانہ اسی شمع کا جبریلِؑ امیں ہے

۳
وہ گل ہے کہ جس سے چمنِ دیں کو ہو رونق
شمشیر سے اس کی جگرِ کفر ہوا شق
معنیِ کلامِ حق اسی سے ہیں محقق
ہے بعد محمدؐ کے علیؑ ہادیِ برحق
اللہ رے شرف ختم ہے رتبہ یہ علیؑ پر
کعبے میں دھرا اس نے قدم دوشِ نبیؐ پر

۴
بے فصل وہی بعدِ نبیؐ صدر نشیں ہے
گنجینۂ اسرارِ الٰہی کا نگیں ہے
انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں ہے
وہ کعبۂ دیں، قبلۂ ارباب یقیں ہے
کرتے ہیں ملک فخر کراماتِ علیؑ پر
ہے عرشِ معلیٰ کو شرف ذاتِ علیؑ پر

۵
کرسی نے بھی پایا ہے اسی راہ سے پایا
اوصافِ علیؑ لکھنے کو جس وقت جھکایا
خورشید اسی کے رُخِ انور کا ہے سایا
سر لوح سے تا دیر قلم نے نہ اُٹھایا
لکھا کہ ہر اک سرِّ علی اس پہ خفی ہے
اللہ کا عاشق ہے محمدؐ کا وصی ہے

۶
تحقیق کہ وہ شاہ امامِ ازلی ہے
قرآں سے ہے ثابت کہ خدا کا وہ ولی ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
یہ اس کی بزرگی کے لئے نقشِ جلی ہے
پوشیدہ نہیں مرتبہ ظاہر ہے علیؑ کا
خارج ہے وہ ایماں سے جو منکر ہے علیؑ کا

۷
وہ مشرقِ ایماں ہے خورشیدِ درخشاں
اور رتبۂ احمدؐ کے لئے حجت و برہاں
ہے نورِ علی روشنیِ اینِ ایماں
تھا طور پہ وہ راہ بر موسیِ عمراں
اعجازِ عصا و یدِ بیضا جو وہاں تھا
وہ دستِ ید اللہ سے سر دست عیاں تھا

۸
عالم پہ شرف بیت مقدّس کا ہے مشہور
بے شبہ وہ ہے مولدِ شاہنشہِ جمہور
گر نور تھا کعبہ تو علیؑ نور علیٰ نور
فرق اس میں نہیں کچھ یہ تجلّی تھا وہ تھا طور
اس سے انھیں رتبہ ہے اسے ان سے شرف ہے
یہ گوہرِ یکتا ہے وہ پاکیزہ صدف ہے

۹
دی جس نے اذاں کعبہ میں پہلے بہ فصاحت
وہ حیدرِ صفدر ہے وہ ہے شاہِ ولایت
اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت
مصروفِ عبادت رہے تا روزِ شہادت
خود گرچہ گرفتار رہے رنج و بلا میں
بندے بہت آزاد کیے راہِ خدا میں

۱۰

مقبول یہ تھی پیشِ خدا طاعتِ حیدر
تھا ظہر کا وقت آئے جو ناگاہ پیمبر
آرام کیا زانو پہ سر بھائی کا رکھ کر
یاں تک کہ ہوئی شام چھپا مہرِ منور
احمد کو جگا تو نہ سکے پاسِ ادب سے
پر غم تھا کہ محروم رہے طاعتِ رب سے

۱۱

جب احمدِ مختار ہوئے خواب سے بیدار
یہ حکم فرشتوں کو خدا کا ہوا اک بار
معلوم ہے طاعت کے لیے حیدرِ کرار
ہاں جلد کرو مہر کو مغرب سے نمودار
لازم ہے کہ واجب جو علی پر ہو ادا ہو
منظور ہے ہم کو نہ نماز اس کی قضا ہو

۱۲

جس دم یہ فرشتوں کو ہوا حکم خدا کا
تب آہنی زنجیروں سے خورشید کو کھینچا
پنہاں ہوئی تاریکیٔ شب دن ہوا پیدا
مولا نے خوشی ہو کے کیا شکر کا سجدا
خالق کو یہ خاطر کسی مخلوق کی کب تھی
پڑھ کر جو نماز اٹھے مصلّے سے تو شب تھی

۱۳

واللہ کہ ہے حبِّ علیِ اعظمِ طاعات
مقبولِ خدا ہے وہ شہنشاہِ خوش اوقات
سلطانِ امم، ختمِ رسل، قبلۂ حاجات
امت کے لئے کرتے تھے جس وقت مناجات
معراج میں دیکھا تھا جو قرب اپنے نبیؐ کا
محبوبِ خدا واسطہ دیتے تھے علیؑ کا

۱۴

کیا اسمِ مقدس ہے میں اس نام کے قرباں
یہ نام تو ہے نامِ خدا رونقِ ایماں
کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہو انساں
جب نام علیؑ کا لیا مشکل ہوئی آساں
صحت میں توانا کی حفاظت کو دعا ہے
بیماری میں واللہ یہ تعویذِ شفا ہے

۱۵

یہ نام رہا حضرتِ آدم کا مددگار
اس نام ہی نے نوحؑ کے بیڑے کو کیا پار
آتش میں گرے جب کہ خلیلِ جگر افگار
تھا نام یہی لب پہ جو آتش ہوئی گلزار
یوسف کو نکال آئے علیؑ چاہِ الم سے
یونس کو رہا کر دیا ماہی کے شکم سے

۱۶

افلاک پہ اورادِ ملائک ہے یہی نام
انسان کو مشکل میں اسی نام سے ہے کام
یہ اسم جنوں کا ہے وظیفہ سحر و شام
اس کی برکت سے ہے خدائی کا سرانجام
اس نام سے دل جانوروں کے بھی قوی ہیں
مرغانِ برو بحر ہوا خواہِ علیؑ ہیں

۱۷

لکھتا ہے مناقب میں یہ راویِ دل آگاہ
گردوں سے ملک آن کے جبریلؑ کے ہمراہ
حلقہ درِ جنت کا ہلاتے تھے جو ناگاہ
آتی ہے صدا اس سے علیؑ ولیُ اللہ
خالی کوئی شے الفتِ حیدر سے نہیں ہے
اس نام کے سب خلقِ خدا زیرِ نگیں ہے

۱۸

انساں سے بیاں ہو سکے کیا رتبۂ حیدر
قرآں میں ثنا جس کی کرے خالقِ اکبر
تھا جمعہ کا دن بیٹھے تھے مسجد میں پیمبر
نازل ہوا جو روحِ امیں کھولے ہوئے پر
اک بازو پہ تو نامِ شہنشاہِ امم تھا
اور دوسرے پہ نامِ علیؑ صاف رقم تھا

۱۹

سلمان سے فرماتے تھے سلطانِ رسالت
ہے ذاتِ علی روشنیٔ شمعِ ہدایت
کیا تجھ سے کہوں مرتبۂ شاہِ ولایت
اللہ نے کھولا ہے یہ دروازۂ جنت
اس در میں جو ہے خلد میں اس شخص کا گھر ہے
باہر ہے جو اس سے نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے

۲۰

اے دوست مجھے خانۂ کعبہ کی قسم ہے
ناجی ہیں وہ اُن لوگوں پہ خالق کا کرم ہے
شیعہ ہیں جو ان کو نہیں کچھ حشر کا غم ہے
وہ لوگ ہیں اور سیرِ گلستانِ ارم ہے
دشمن جو علی کے ہیں وہ روئیں گے لحد میں
جو دوست ہیں آرام سے سوئیں گے لحد میں

۲۱

ضامن ہوں میں واللہ محبانِ علی کا
کیا خوف ہے کیا غم ہے جو دیکھا نہیں رستا
نہ سختیٔ مرگ ان کو ہے نہ قبر کی ایذا
لے جائے گا فردوس میں رہبر انہیں مجھ سا
ٹھہرے گا جو خورشید سوا نیزے پہ آکے
سایہ میں کھڑے ہوئیں گے وہ عرشِ خدا کے

۲۲

تھے زہد و ورع میں بھی وہ یکتائے دو عالم
تسبیح تھی، تکبیر تھی، تہلیل تھی باہم
فرصت نہ تھی قرآں کی تلاوت سے کوئی دم
صائم وہ نہ ہوں ایسا نہ ہوتا کوئی دن کم
فاقوں میں بھی احسانِ الٰہی کا بیاں تھا
ہر ایک مہینا انھیں ماہِ رمضاں تھا

۲۳

تھا تارکِ لذاتِ جہاں شاہِ ولایت
مسکینوں سے اُلفت تھی فقیروں سے محبت
جز نانِ جویں تھی نہ کسی کھانے پہ رغبت
اندھوں کی ضعیفوں کی کیا کرتے تھے خدمت
دے آنا کھلا آنا یہ کام آٹھ پہر تھے
رانڈوں کے تو وارث تھے یتیموں کے پدر تھے

۲۴

مغموموں کے مظلوموں کے گھر آپ تھے جاتے
سر دابتے شفقت سے کبھی پاؤں دباتے
اور ہاتھ سے اپنے انھیں کھانے تھے کھلاتے
آہستہ اٹھاتے انھیں آہستہ لٹاتے
عزت سے فقیروں کو کھلا آتے تھے اکثر
ننگوں کو ردا اپنی اُڑھا آتے تھے اکثر

۲۵

جو شہرِ علومِ شہِ لولاک کا ہے در
وہ قاتلِ عنتر ہے وہ ہے فاتحِ خیبر
واللہ وہ حیدر ہے وہ حیدر ہے وہ حیدر
قبضہ میں اسی شاہ کے ہے تیغِ دو پیکر
حاصل کبھی ہوتے جو نہ پر روحِ امیں کے
اک دم سے گذر جاتی وہ طبقہ سے زمیں کے

۲۶

تھی ضرب یہ اور زورِ خدا داد تھا ایسا
دو انگلی سے حلقہ درِ خیبر کا جو کھینچا
جنبش ہوئی سب قلعہ کو اور در کو گرایا
حضرت نے اٹھا کر طرفِ در اسے پھینکا
چالیس گز اس طرح گرا در تھا وہ جا کے
جس طرح سے پتا اُڑے جھونکوں سے ہوا کے

۲۷

خندق میں کیا وارِ سرِ عمرو پہ جس دم
ضربِ اسدِ حق سے ہوا دم میں وہ بے دم
احسنت کی آتی تھی صدا چرخ سے پیہم
کرتا تھا مباہات خدا نزدِ دو عالم
سرخی تھی خوشی سے رخِ انور پہ نبیؐ کے
جبریلؑ امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

۲۸

جس وقت اُحد میں ہوئے کفار صف آرا
جب حضرتِ حمزہ کو سیہ کاروں نے مارا
اصحابِ نبی کر گئے میداں سے کنارا
اسلام کا لشکر متفرق ہوا سارا
انصار و مہاجر بھی اس وقت جدا تھے
یا احمدؐ مختار تھے یا شیرِ خدا تھے

۲۹

کفار کا نرغہ تھا رسولِ عربی پر
تلوار لگاتا تھا کوئی اور کوئی پتھر
منظور ہر اک شخص کو تھا خونِ پیمبر
ٹوٹے دُرِ دنداں ہوئے پُرخوں لبِ اطہر
ہر غول پہ للکار کے جا پڑتے تھے حیدرؑ
احمدؐ کو بچا لیتے تھے اور لڑتے تھے حیدرؑ

۳۰

اک غول سے کرتے تھے وغا حیدرِ کرار
اس غول میں تھا ابنِ قمیصہ کوئی سردار
جو ٹوٹ پڑا دوسرا غول آن کے اک بار
تلوار کا اس نے سرِ احمدؐ پہ کیا وار
لیکن نہ لگا زخم سرِ سرورِ دیں پر
یہ ضرب سے غش کھا کے گرے روئے زمیں پر

۳۱

حافظ تھا محمدؐ کا بس حضرتِ یزداں
بے تاب ہو سکانِ سموات نے اُس آن
اس نور کو اعدا کی نظر سے کیا پنہاں
کی عرض یہ خالق سے کہ گر ہو ترا فرماں
امداد کو ہم جائیں رسولِ عربیؐ کی
تنہائی تو دیکھی نہیں جاتی ہے نبیؐ کی

۳۲

درگاہِ الٰہی سے صدا آئی یہ اس دم
محتاج مدد کا نہیں یہ سیدِ عالم
جو قصد کیا تم نے ہے اجر اس کا مقدم
ہم جس کی طرف ہوں اسے تنہائی کا کیا غم
موجود ہے واں صاحبِ شمشیر ہمارا
اس فوج کو کافی ہے فقط شیر ہمارا

۳۳

کرتے تھے ملک عالمِ بالا سے نظارا
ناگاہ یہ ابلیسِ جفا کار پکارا
اور فوج میں تھے شیرِ خدا معرکہ آرا
اے قوم مبارک ہو محمدؐ گیا مارا
پہونچی جو یہ پُر ہول صدا گوشِ علیؑ میں
طاقت نہ رہی صبر کی احمدؐ کے وصی میں

۳۴

پھر پھر کے لگے دیکھنے ہر سو شہِ صفدر
خود بیچ میں اور گرد ستمگاروں کا لشکر
نے فوجِ پیمبر نظر آئی نہ پیمبر
تلواریں نظر آتی تھیں یا نیزہ و خنجر
نظروں سے جو شاہنشہِ کونین نہاں تھے
دل سینے میں بیتاب تھا اور اشک رواں تھے

۳۵

مارے نہ گئے ہوں کہیں احمدؐ یہ تھا وسواس
احمدؐ سے جو تھے دور نہ تھا جان کا کچھ پاس
جھک جھک کے ہر اک لاش کو تکتے تھے بصد یاس
گھبرائے ہوئے ڈھونڈھتے پھرتے تھے چپ و راس
حملوں سے پراگندہ صفِ فوجِ ستم تھی
تھا منھ میں کف اور ہاتھ میں شمشیرِ علم تھی

۳۶

اس فوج میں ملتے جو نہ تھے سیدِ والا
دل فرطِ تعلق سے جو نہ جاتا تھا سنبھالا
کفار کے لشکر کو کیا تھا تہ و بالا
کہتے تھے اٹھا لے مجھے اللہ تعالیٰ
زندہ ترے محبوب کو پھر پاؤں گا کیوں کر
منھ فاطمہؑ کو جا کے میں دکھلاؤں گا کیوں کر

۳۷

وہ باپ کی عاشق ہے وہ ہے باپ کی شیدا
کیوں لائے نہ تشریف شہِ یثرب و بطحا
جب مجھ سے وہ پوچھیں گی کہاں ہے مرا بابا
کیا بنت پیمبر سے میں اس وقت کہوں گا
یارب نہ جدا ہوں میں رسولِ دوسرا سے
یارب نہ خجل کیجو بتولِ عذرا سے

۳۸

یارب تو اُسے باپ کے غم میں نہ رُلانا
محبوب ترا بیٹوں کے زہراؑ کا ہے نانا
یارب تو اُسے داغِ یتیمی سے بچانا
نانا کے الم میں انھیں روتے نہ دکھانا
نانا کے جو مرنے کی خبر پائیں گے دونوں
بچنے کے نہیں رو کے وہ مر جائیں گے دونوں

۳۹

ہے احمدِ مرسل مرا کس کام کا جینا
نزدیک ہے اب شق ہو قلق سے مرا سینہ
میں خلق میں ہوں اور نہ ہوں سلطانِ مدینہ
کوئی نظر آتا نہیں راحت کا قرینہ
بیتاب ہوں فرقت سے رسولِ مدنی کی
اب ہاتھ میں طاقت نہیں شمشیر زنی کی

۴۰

یہ کہتے تھے اور اڑتے تھے جوں شیرِ غضبناک
ہلتی تھی زمیں خوف سے تھرّاتے تھے افلاک
ہر حال میں کفار کی ہوتی تھیں صفیں چاک
اک غار میں ناگہ نظر آئے شہِ لولاک
جان آ گئی گویا تنِ بے جاں میں علیؑ کے
جلدی سے گرے دوڑ کے قدموں پہ نبیؐ کے

۴۱

دل جوش محبت سے محمدؐ کا بھر آیا
اور چوم کے پیشانیٔ انور یہ سنایا
رو رو کے گلے شوہرِ زہراؑ کو لگایا
صد شکر کہ تم نے مجھے میں نے تمھیں پایا
دیکھا مری ہمراہی سے منھ موڑ گئے سب
کفار کے نرغے میں مجھے چھوڑ گئے سب

۴۲

اِس عالمِ ایجاد میں پھر ہو گا نہ زنہار
زیبا ہے اگر فخر کرے احمدِ مختار
تجھ سا نہ جواں نے تری تلوار سی تلوار
خود آج ثنا خواں ہے ترا ایزدِ غفّار
آتی ہے یہ ہر بار صدا چرخِ بریں سے
پوچھے تری الفت کو کوئی روح امیں سے

۴۳

فرما کے یہ ناقے پہ چڑھے احمدِ مختار
پھر لشکرِ کفار میں یہ غل ہوا اک بار
اور تیغ بکف آگے بڑھے حیدرِ کرّار
جیتا ہے محمد نہیں مارا گیا زنہار
یاں نکلے پئے جنگ دلاور جو کوئی ہے
ناقہ ہے فقط آپ ہے اور آگے علیؑ ہے

۴۴

یہ سن کے بڑھی جنگ کو پھر فوجِ ستمگر
کھینچے بہ فلک نیزوں نے آتش کی طرح سر
تھا قلزمِ آتش کی طرح جوش پہ لشکر
ہنگامہ ہوا جب کہ چمکنے لگا خنجر
پھل تیغوں کے جوں برقِ درخشاں نظر آئے
چنگاریوں سے نیزوں کے پیکاں نظر آئے

۴۵

اس فوج میں ایک ایک نمودار جواں تھا
دیکھا جسے تولے ہوئے اک گرزِ گراں تھا
تھا بیلِ دماں کوئی، کوئی شیرِ ژیاں تھا
ہر شخص کے اسپِ دور کا یہ ترّاں تھا
ٹاپوں سے قدم کانپتے تھے گاوِ زمیں کے
غل نعروں کا جاتا تھا پرے چرخِ بریں کے

۴۶

پھر فوج نے سلطانِ رسالت کو لیا گھیر
فرمایا علیؑ سے کہ بچا مجھکو مرے شیر
سمجھے شہِ لولاک کہ مرنے میں نہیں دیر
یہ سنتے ہی کھینچی اسد اللہ نے شمشیر
پاس آ نہ سکا کوئی رسولِ عربی کے
پروانہ سے پھرتے تھے علی گردِ نبیؐ کے

۴۷

خالد بنِ سفیان تھا جو اس فوج میں سردار
غالب کوئی اس پر نہ ہوا تھا کبھی زنہار
مشہور تھا وہ خلق میں زور آور و جرّار
للکارا وہ حیدرؑ کو کہ آتا ہوں میں ہشیار
کیا منھ جو بشر کوئی دمِ حرب اُٹھا لے
طاقت ہے یہ کس کی جو مری ضرب اٹھالے

۴۸

یہ لافِ زنی سن کے بڑھے حیدرِ صفدر
خوں جوشِ غضب سے ہوئیں چشمانِ منوّر
کی دستِ مبارک میں علمِ تیغ دو پیکر
گویا تھا مجسّم غضبِ خالقِ اکبر
فرمایا کہ ہاں وار کر اب تیغ زن اپنا
تیغ اپنی چلے پہلے نہیں یہ چلن اپنا

۴۹

یہ سنتے ہی خالد نے کیا وار علیؑ پر
لے اب مری باری ہے خبردار ستم گر
اس ضرب کو رد کر کے یہ کہنے لگے حیدرؑ
سنبھلا بھی نہ تھا وہ کہ چلی تیغِ غضنفر
یہ غل ہوا صمصامِ ید اللہ کی چمک ہے
تلوار نہیں آئی قضا سر پہ فلک ہے

۵۰

بیٹھی سرِ دشمن پہ جو وہ صاعقہ کردار
سردار کو مارا تو چلی فوج سے تلوار
دو ہو کے چپ و راست گرے راکب و رہوار
لڑتے ہوئے لشکر میں دھنسے حیدرِ کرّار
دہشت سے تلاطم یہ ہوا فوجِ عدو میں
زندے بھی تڑپنے لگے کشتوں کے لہو میں

۵۱

ہر سو تھے علیؑ فوج میں لڑتے ہوئے جاتے
حملوں سے کبھی دور تک اعدا کو بھگاتے
ہر وار میں تھے لاش پہ وہ لاش گراتے
الفت سے کبھی پاس محمدؐ کے پھر آتے
سینہ تھا سپر ہاتھ میں شمشیرِ دو سر تھی
دل سوئے نبیؐ تھا طرفِ فوج نظر تھی

۵۲

جل جل گئے جب آتشِ شمشیر سے ناری
پھیری اسد اللہ نے میداں سے سواری
جمعیتِ کفار پریشاں ہوئی ساری
اس وقت ندا چرخ سے آئی کئی باری
تو ایسا ہی تھا جب تجھے رتبہ یہ دیا تھا
شاباش مرے شیر عجب کام کیا تھا

۵۳

آپہنچے بہ فتح و ظفر حیدرِ کرّار
حیدرؑ کو بہت چھاتی سے لپٹا کے کیا پیار
ناقے کو بٹھا کر دوڑے شاہِ خوش اطوار
فرمایا فدا تجھ پہ میں اے میرے مددگار
کس کو یہ محبت ہے رسولِ عربی سے
جو تو نے کیا آج یہ ہوتا نہ کسی سے

۵۴

کس منھ سے میں تعریف کروں اے مرے بھائی
تنہا کوئی کرتا نہیں یوں فتح لڑائی
آگہ ہے شجاعت سے تری ساری خدائی
واللہ یہ جرأت ترے حصہ میں ہے آئی
قبضہ میں ترے قبضۂ شمشیرِ خدا ہے
دشمن ترے روباہ ہیں تو شیرِ خدا ہے

۵۵

اے مومنو کچھ تم نے سنے رتبۂ حیدر
کیا بعد نبی ہو گئے ظلم و ستم اس پر
یہ لطفِ خدا جس پہ یہ الطافِ پیمبر
یوں سا بھی کسی نے نہ نبی کا دیا آکر
باطل کیا حق ظلم سے احمدؐ کے وصی کا
آئے بھی تو دروازہ جلانے کو علیؑ کا

۵۶

گمرہ ہوئے واللہ رہِ راست کو چھوڑا
جس جا بہ ادب قدسیوں نے ہاتھوں کو جوڑا
مائل بہ ضلالت ہوئے منہ دین سے موڑا
افسوس کہ وہ در لگدِ ظلم سے توڑا
اس در کے تلے دب گئی بیٹی جو نبیؐ کی
چلائی دہائی ہے رسولِ عربی کی

۵۷

تھی حمل سے محسن کے جو خاتونِ قیامت
غش آنے لگے اور نہ رہی رونے کی طاقت
پہلوئے مبارک پہ لگی چوٹ بہ شدت
بچے کی بھی زہرؑا کے شکم میں ہوئی رحلت
وہ سیدہ جس وقت تڑپتی تھی زمیں پر
سر پیٹتا تھا روحِ امیں عرشِ بریں پر

۵۸

ہیہات نہ اُس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
مظلومہ نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
کوڑا یہ ستم بازو سے زہرؑا پہ لگایا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
رسّی تو اِدھر بندھی تھی گردن میں علیؑ کی
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

۵۹

نزدیک تھا شق ہوئے مزارِ شہِ لولاک
فرزندوں نے کرتوں کے گریباں جو کیے چاک
پھٹ جائے زمیں گر پڑے یہ گنبدِ افلاک
تھے لوٹتے مادر کے برابر بہ سرِ خاک
جب کرتی تھی وہ آہ تو چلاتے تھے دونوں
رو رو کبھی مادر سے لپٹ جاتے تھے دونوں

۶۰

فرمایا جو تھا صبر کو شاہِ دوسرا نے
گردن میں بھی بندھوائی رسن عقدہ کشا نے
دم مارا نہ اِس ظلم پہ بھی شیرِ خدا نے
تلواریں بھی کیں سر پہ علم اہلِ جفا نے
کس شخص نے دستِ ستم اس پر نہ اٹھایا
اس صابر و شاکر نے مگر سر نہ اٹھایا

۶۱

ان میں سے اگر پوچھتا حضرت کا کوئی نام
ہر صبح کو جینے کا بھروسہ نہیں تا شام
فرماتے تھے گم نام ہوں بے نام سے کیا کام
آغاز مرا خاک ہے اور خاک ہے انجام
اے شخص بھلا نام و نسب کیا فقرا کا
درویش ہوں محتاج ہوں بندہ ہوں خدا کا

۶۲

طالب نہیں دنیا کا، خدا خوب ہے آگاہ
مسکین کو مسکین سے ہوتی ہے بہت راہ
تم لوگوں کی خدمت میں کیا کرتا ہوں واللہ
غربت زدہ ہوتا ہے غریبوں کا ہوا خواہ
آگاہ رہو حق سے کہ درویش ہوں میں بھی
درویش جو تم ہو تو جگر ریش ہوں میں بھی

۶۳

ہے ایک سا واللہ مرا باطن و ظاہر
جاں دینے کو موجود ہوں میں دوست کی خاطر
کام آوے مرا سر بھی تو واللہ ہے حاضر
رکھتا ہے بہت اُنس مسافر سے مسافر
ٹھہرو گے یہاں زیرِ زمیں جائیں گے ہم بھی
جانا ہے جہاں تم کو وہیں جائیں گے ہم بھی

۶۴
فاقوں میں جو کھانا کبھی آتا تھا میسّر
آدم ہوئے اس کے لئے جنت سے جو باہر
سائل کو کھلا دیتے تھے تب کھاتے تھے حیدرؑ
گندم کی نہ روٹی رکھی حضرت نے زباں پر
کیا صبر تھا قبضہ میں تو سب روئے زمیں تھی
تھا زور تو یہ اور غذا نانِ جویں تھی

۶۵
رہتا تھا سدا رخت کہن زیبِ تنِ پاک
تھا صاحبِ مسند وہ وصیِ شہِ لولاک
تھے اس میں بھی پیوند یہ تھی آپ کی پوشاک
آرام سے سو رہتے تھے لیکن بہ سرِ خاک
فرماتے تھے یوں کیا کروں پوشاک بنا کے
سب خاک ہے مرنے پہ سوا ذاتِ خدا کے

۶۶
اک روز کسی شخص نے کی عرض کہ مولا
واللہ کہ ہیں آپ شہِ یثرب و بطحا
یہ جامۂ بوسیدہ نہیں آپ کو زیبا
سب طرح کا اسباب ہے حضرت کو مہیا
آرام غلام آپ کے پاتے ہیں جہاں میں
اور آپ یہ تکلیف اٹھاتے ہیں جہاں میں

۶۷
سن کر یہ سخن رونے لگے حیدرِ کرار
نوش اس کا ہے نیش اور گل اس باغ کا ہے خار
فرمایا مجھے زینتِ دنیا نہیں درکار
راحت ہے زمانے کی مرے واسطے آزار
اک روز نہ جاں ہے نہ یہ ملبوس بدن ہے
گھر قبر ہے تن خاک ہے پوشاک کفن ہے

۶۸
ہے خوفِ خدا جسم کی کیوں کر کروں زینت
اک روز یقیں یہ ہے اجل دے گی نہ مہلت
محشر میں حساب آہ نہیں دینے کی طاقت
دنیا سے سبکبار ہی اٹھنا ہے غنیمت
کیا حکم ہو کیا جانے جنابِ احدی کا
تن کانپتا ہے خوفِ قیامت سے علیؑ کا

۶۹
پوشاک تکلف سببِ طولِ عمل ہے
غفلت نہیں خوب آچکے دن حشر بھی کل ہے
گر سیر شکم ہو تو عبادت میں خلل ہے
اور معرکۂ حشر تردد کا محل ہے
ہوگا عملِ نیک سببِ لطفِ خدا کا
واں مرتبہ یکساں ہے شہنشاہ و گدا کا

۷۰
کس زیست پہ اسبابِ جہاں کا ہوں میں پابند
سب نعمتِ دنیا کا میں مختار ہوں ہر چند
ہو جائے گا اک روز یہ تن خاک کا پیوند
پر نانِ جویں کھانے سے دل ہے مرا خورسند
بس تا بہ کجا گور کے مہمان کی خاطر
دو رخت نہیں چاہیئے اک جان کی خاطر

۷۱
واللہ بضاعت نہیں کچھ گھر میں ہمارے
پوشاک نہیں اور سوا ایک ردا کے
کرتی ہے سدا بنتِ نبیؐ فاقے پہ فاقے
بچے بھی مرے رو رو کے سو رہتے ہیں بھوکے
مالک تھا فدک کا فقط اسبابِ جہاں سے
سو چھن گیا اب قوت میسر ہو کہاں سے

۷۲
اعدا نے مرے حق کو کیا ظلم سے باطل
کیا کرتا ہے گر ملتا فدک کا مجھے حاصل
رازق ہے خدا صبر کچھ اتنا نہیں مشکل
حالانکہ ہے کل میرے لئے گور کی منزل
مرنا ہوا جب دولتِ دنیا ہوئی تو کیا
راحت ہوئی تو کیا اگر ایذا ہوئی تو کیا

	نمبر	
کیا فقر تھا، کیا صبر تھا اللہ ری قناعت	۷۳	تھی قاسمِ روزیِ دو عالم پہ یہ عسرت
دنیا کے خزانے کے تو مختار تھے حضرت		پر فاقے پہ فاقہ تھا مشقت پہ مشقت
دن آب کشی کر کے گذرتا تھا علیؑ کو		کام آسیہ گردانی سے تھا بنتِ نبیؐ کو
سید بن طاؤس سے ہے ایک روایت	۷۴	دو دن سے گرسنہ تھے شہنشاہِ ولایت
ہاتھ آئی تھی کچھ آب کشی کی بھی نہ اُجرت		مسجد سے گئے گھر میں تو تھا ضعف بہ شدت
لب خشک تھے اور زرد رُخِ شیرِ خدا تھا		فاقے سے شکم پشتِ مبارک سے لگا تھا
زہراؑ سے یہ فرمایا کہ اے بنتِ پیمبر	۷۵	طاقت نہیں غلبہ ہے بہت بھوک کا ہم پر
کچھ کھانے کو لے آؤ جو آیا ہو میسر		فرمانے لگیں فاطمہؑ اشک آنکھوں میں بھر کر
کیا لا کے کھلاؤں تمھیں ہے کیا مرے گھر میں		یہ تیسرا دن ہے کہ ہے فاقہ مرے گھر میں
بھیا بھوک کے مارے ہیں حسینؑ آج بلکتے	۷۶	ہر دم مرا منھ نرگسی آنکھوں سے ہیں تکتے
بستر سے نقاہت کے سبب اُٹھ نہیں سکتے		دیکھ ان کو مری آنکھوں سے آنسو ہیں ٹپکتے
دو دن تک انھیں جب نہ ملے پارۂ ناں تک		معصوم ہیں بچے ہیں کریں صبر کہاں تک
میں کیا کہوں ہوتا ہے جو اس دم مرا احوال	۷۷	جب چھوٹے سے ہاتھوں کو یہ گردن میں مرے ڈال
کہتے ہیں کہ یوں بھوکے نہ ہوں گے کبھی اطفال		اماں نہیں کھانے کو دو اب تو ہے بُرا حال
کون ایسا ہے جس شخص کے کھانا نہیں گھر میں		تم ایسی ہو نادار کہ دانا نہیں گھر میں
حیدرؑ نے سنی فاطمہؑ کی جب کہ یہ تقریر	۷۸	فرمایا کہ اے والدۂ شبر و شبیر
کچھ گھر میں اثاثہ بھی نہیں کیا کروں تدبیر		دو رہن کو یا اپنی ردا یا مری شمشیر
ناچار ہیں اب فاقے کی طاقت نہیں رکھتے		کچھ اس کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتے
زہراؑ نے کہا تیغ تو دوں رہن کو کیوں کر	۷۹	اعدا سے جہاد آپ کیا کرتے ہیں اکثر
لے جائیے حاضر ہے یہ سر کی مرے چادر		زہراؑ سے ردا لے کے چلے حیدرِ صفدر
فاقے سے نہ غمگیں تھے نہ عسرت کا گلا تھا		ہر گام پہ تسبیح تھی اور شکرِ خدا تھا
پوشیدہ گئے زیرِ عبا چادرِ زہرا	۸۰	پاس ایک یہودی کے گئے سیدِ والا
جب اس نے وصیِ شہِ لولاک کو دیکھا		مولائے دو عالم کی وہ تعظیم کو اٹھا
کی عرض کہ آپ آئیں یہ رتبہ مرا کب ہے		فرمایئے کیا آنے کا اس وقت سبب ہے
فرمانے لگے اس سے شہنشاہِ دو عالم	۸۱	ہر چند کہ سب خلق کے ہیں عقدہ کشا ہم
رغبت ہے مگر راحتِ دنیا سے بہت کم		ان روزوں کئی گذرے ہیں فاقے ہمیں پیہم
شاکی نہیں شرمندۂ احسانِ خدا ہیں		ایذا وہی سہتے ہیں جو خاصانِ خدا ہیں

۸۲

آرام کی جاگہ نہیں یہ دارِ مصیبت
انساں سے روا ہوتی ہے انساں کی حاجت
مومن کے لیے رنج ہے کافر کو ہے راحت
پاس اپنے تو رکھ چادرِ خاتونِ قیامت
حق راضی ہو خوش بنتِ رسولِ عربی ہو
جو دے مجھے اک صاع کہ فاقہ کشی ہو

۸۳

رکھ لی وہ یہودی نے ردا جَو دیے لاکر
طے کرچکے تھے راہ کچھ اک فاتحِ خیبر
دامن میں جوں ہی لے کے چلے حیدرِ صفدر
اک بار پکارا وہ کہ اے خویشِ پیمبر
تصدیع تو ہوگی پہ ادھر لائیے تشریف
سن لیجیے کچھ عرض تو لے جائیے تشریف

۸۴

پاس آئے یہودی کے شہِ یثرب و بطحا
فرمایا ابنِ عم اس طرح تمہارا
اس نے کہا یا شاہ تعجب کی یہ ہے جا
ہے حضرتِ آدم سے زیادہ مرا رتبا
میں خاصۂ خالق ہوں نبی محبوبِ خدا ہوں
رتبے میں رسولانِ سلف سے میں سوا ہوں

۸۵

جو قرب خدا سے مجھے وہ اور کو کب ہے
ہونا مرا پیدا شیِ عالم کا سبب ہے
جو کچھ مری مرضی ہے وہی خواہشِ رب ہے
عالم میں مرا صاحبِ لولاک لقب ہے
مختار ہوں جو چاہوں سو دوں راہِ خدا میں
مقبول دعا ہے مری درگاہِ خدا میں

۸۶

مقدور یہ جس کا ہو یہ کچھ جس کے ہوں رتبے
ہوں جس کے غلاموں کے لئے خلد کے حُلّے
افسوس وصی اس کا کرے فاقے پہ فاقے
پیوند پہ پیوند لگیں جامہ میں اس کے
محبوبِ خدا بادشہِ روئے زمیں ہو
کھانے کو میسر نہ تمھیں نانِ جویں ہو

۸۷

سنتا ہوں کہ ہے حضرتِ زہرا کا عجب حال
چکّی ہی انھیں پیستے کٹتا ہے مہ و سال
جز ایک ردا پاس ہے زیور نہ زر و مال
سبطینِ نبی کا نظر آتا ہے یہ احوال
کرتے کبھی ثابت نہیں دیکھے بدنوں میں
وہ چاند سے پھرتے ہیں پھٹے پیرہنوں میں

۸۸

ہے فیض دو عالم میں رسولِ عربی سے
جو دیوے نجات آپ کو اس فاقہ کشی سے
کیوں عرض نہیں کرتے جنابِ احدی سے
اور دور ہو افلاس کا غم بنتِ نبی سے
ہو جس کا لقب شیرِ خدا کون و مکاں میں
محتاج ہو وہ نانِ شبینہ کو جہاں میں

۸۹

یہ سن کے کہا اس سے شہِ عقدہ کشا نے
عسرت نہ سمجھ کیا کوئی اس راز کو جانے
سب نعمتیں اپنی ہمیں بخشی ہیں خدا نے
چاہیں تو ابھی خلد کے کھانے لگیں کھانے
رتبہ نہ سمجھ فاقے سے کم آلِ نبی کا
واللہ کہ یہ فقر تو ہے فخر، علیؑ کا

۹۰

یاں رنج ہے جس کے لئے راحت اُسے واں ہے
ہو طالبِ عقبیٰ یہی مومن کا نشاں ہے
دنیا سے جو بیزار ہے وہ اہلِ جناں ہے
پوشاکِ کہن پہنی تو کیا اس میں زیاں ہے
اک دن تہِ گور میں محتاج و غنی ہیں
یہ صورتیں سب خاک میں ملنے کو بنی ہیں

۹۱

یہ نعمت دنیا میں ملی کب ہے حلاوت
ان کپڑوں میں معبود نے بخشی ہے وہ عزّت
جس طرح کہ فاقوں میں نہیں ملتی ہے لذّت
بانٹیں گے محبّوں کو ہمیں خُلدِ جنّت
خالق کی عبادت کے سزاوار ہمیں ہیں
جنّت کے بھی کوثر کے بھی مختار ہمیں ہیں

۹۲

ہو کس سے بیاں وصف بزرگی کا خدا کی
معبود نے بندوں کو یہ طاقت ہے عطا کی
بخشا ہے جنھیں صبر وہ ہوتے نہیں شاکی
گر چاہیں تو ہو جائے یہ دیوار طلا کی
ذرہ پہ کریں مہر تو خورشید نہیں ہو
قطرے کو جو کہہ دیں تو ابھی دُرِّ ثمیں ہو

۹۳

مولا کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار
اور آئی صدا اس سے کہ یا حیدرِ کرّار
جو ہو گئی اعجاز سے سونے کی وہ دیوار
حاضر ہوں میں ہیں آپ مرے مالک و مختار
فرمایا کہ تجھ پر نظرِ لطفِ خدا ہے
میں آپ غنی ہوں مجھے پروا تری کیا ہے

۹۴

دیکھا جو یہودی نے یہ اعجاز نمایاں
کی عرض کہ میں تجھ پہ فدا اے شہِ مرداں
قدموں پہ گرا اور ہوا دل سے مسلماں
حضرت کے تصدق سے ملی دولتِ ایماں
شہ نے کہا ہر بندے کا مالک وہی رب ہے
یہ چادرِ زہرؑا کی زیارت کا سبب ہے

۹۵

عسرت میں بھی تھا فیض یداللہ کا جاری
فاقوں میں بھی تھی مصلحتِ حضرتِ باری
ہر امر میں حیدر کی خدا کرتا تھا یاری
کافر کو مسلماں کیا ناجی ہوا ناری
کس مرتبہ تھا لطف و کرم ربِّ غنی کا
تھا زہد یہ اور زور تھا خیبر شکنی کا

۹۶

ہے دفترِ ایمانِ دو عالم کا علیؑ فرد
ہے گرمیٔ بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
آفات میں حیدر سا نہیں کوئی جواں مرد
دہشت سے اسی کی رخِ خورشید ہوا زرد
شیروں کے جگر آب ہیں صمصامِ علیؑ سے
تھراتا ہے مریخِ فلک نامِ علیؑ سے

۹۷

بے اِذن کوئی گھر میں کسی کے نہیں جاتا
باللہ یداللہ اگر ہاتھ اٹھاتا
بے پردہ ہوں ناموس تو کیا طیش ہے آتا
تلوار کی تاب اس کی جہاں میں کوئی لاتا
ہو زیر کیا جس نے زبردستوں کو لڑ کے
طاقت تھی کہ لے جاتے اسے گھر سے پکڑ کے

۹۸

اعدا یہ سمجھتے تھے پہ زنہار نہ سمجھے
مختار کے گھر کا اسے مختار نہ سمجھے
کچھ مرتبۂ حیدرِ کرّار نہ سمجھے
افسوس کہ حقدار کو حقدار نہ سمجھے
کیا قہر ہے داماد نبیؐ پر یہ ستم ہو
ممکن ہے کہ تربت میں محمدؐ کو نہ غم ہو

۹۹

تھا ایک تو غم فاطمہؑ کو رنجِ پدر کا
حیدر کو پکڑ لے گئے وارث جو تھا گھر کا
اور دوسرے اسقاط ہوا محسنِ پسر کا
اس دن سے عجب حال تھا اس خستہ جگر کا
پھر اٹھ کے نہ دروازے سے باہر گئی زہراؑ
جس حجرے میں بیٹھی تھی وہیں مر گئی زہراؑ

۱۰۰

غل پڑ گیا ہے ہے ہوئے تنہا شہِ دل گیر
ماں مر گئی بن ماں کے ہوئے شبرؑ و شبیرؑ
سر پیٹ کے کی زینبؑ بے کس نے یہ تقریر
لو وہ ہوا جو چاہتے تھے ظالمِ بے پیر
اب دستِ ستم کس پہ اٹھا دیں گے ستمگر
اب پہلو پہ در کس کے گرا دیں گے ستمگر

۱۰۱

ہے ہے مری اماں تری صورت کے میں قرباں
صدقے ترے پہلوئے شکستہ کے مری جاں
بی بی گئیں جنت کو یہ گھر ہو گیا ویراں
تنہائی کا کچھ بیٹیوں کے ہرگز نہ کیا دھیاں
تم مر گئیں اب کون دلاسا ہمیں دے گا
اب کون خبر شبرؑ و شبیرؑ کی لے گا

۱۰۲

اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے ستمگر
چاہا کہ نہ دنیا میں رہے خویشِ پیمبرؐ
ماہِ رمضاں تھا کہ ہوا شور یہ گھر گھر
تلوار لگی سجدے میں زخمی ہوئے حیدرؑ
مسجد میں کسی نے اسد اللہ کو مارا
بے جرم دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

۱۰۳

سر پیٹ کے گردوں پہ یہ جبریلؑ پکارا
سر شیرِ خدا کا ہوا سجدے میں دو پارا
کہتے ہیں محمدؐ مرا گھر لٹ گیا سارا
ظالم نے علیؑ کو نہیں مارا مجھے مارا
آواز یہ آتی ہے بتولؑ عذرا کی
مارا مرے شوہر کو دہائی ہے خدا کی

۱۰۴

میں لٹ گئی ہے ہے مرے بچے ہوئے برباد
سمجھاتا تھا باپ ان کو جو کرتے تھے مجھے یاد
پردیس میں جاویں گے کدھر ہائے وہ ناشاد
اب قتل یتیموں کو کریں گے ستم ایجاد
بچھڑے ہوئے تھے مادرِ تفتیدہ جگر سے
اک باپ کا سایہ تھا سو اب اٹھتا ہے سر سے

۱۰۵

گھبرا گئی گھر میں یہ صدا سنتے ہی کلثومؑ
بیدار ہوئے خواب سے زہراؑ کے وہ معصوم
زینبؑ نے پکارا ارے لوگو یہ ہے کیا دھوم
بابا ہوئے زخمی مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
خوں ہو گیا سجدے میں محمدؐ کے وصی کا
ہر سمت ہے غل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا

۱۰۶

بابا کا سنا حال جو فرزندوں نے اک بار
سر پیٹتے مسجد میں گئے وہ جگر افگار
دیکھا کہ نمازی تو کھڑے روتے ہیں سرشار
اور خوں میں تڑپتے ہیں پڑے حیدرِ کرار
کچھ ذکر زباں پر نہیں جز طاعتِ حق ہے
سرتا بہ جبیں ضربتِ شمشیر سے شق ہے

۱۰۷

گہ اٹھتے ہیں سر جب کبھی سجدے میں جھکاتے
امت کی دعا کو ہیں کبھی ہاتھ اٹھاتے
خوں لے لے کے ہیں ریشِ مبارک میں لگاتے
بند آنکھیں ہیں اور غش پہ ہیں غش متصل آتے
ہوش آتا ہے جب کہتے ہیں جس وقت مروں گا
احمدؐ سے اسی طرح ملاقات کروں گا

۱۰۸

مسجد میں تڑپنے لگے وہ فاطمہؑ کے لال
سنبل سے بھرے گیسوؤں کے خاک سے سب بال
چلاتے تھے بابا سے لپٹ کر یہ وہ اطفال
اے قبلۂ کونین یہ کیا آپ کا ہے حال
ہم گھر میں رہے ہم کو خبر کی نہ کسی نے
بابا تمہیں زخمی کیا مسجد میں شقی نے

۱۰۹
ہے ظلم نبیؐ زادوں پہ فریاد، خدایا
اماں سے تو چھوٹے تھے پدر سے بھی چھڑایا
اعدا نے ہمیں عید کے نزدیک رُلایا
سید کا لہو ماہِ مبارک میں بہایا
اس سن میں یتیمی کا ہمیں داغ دیا ہے
روزوں میں نمازی کو ترے قتل کیا ہے

۱۱۰
قاتل کو محبانِ علیؑ لائے پکڑ کر
جس دم پڑی اس پر نظرِ خویش پیمبرؐ
مشکیں تھیں بندھی سر کو جھکائے تھا ستمگر
قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرِؑ صفدر
کیا میری خطا تھی جو ستایا مجھے تو نے
کس جرم پہ یہ وار لگایا مجھے تو نے

۱۱۱
بتلا مجھے کچھ میں نے اذیت تجھے دی تھی
کچھ بات کبھی سخت تجھے میں نے کہی تھی
یا تجھ سے علیؑ نے کبھی نیکی نہیں کی تھی
ثابت مری تقصیر کوئی تجھ پہ ہوئی تھی
بیکس کیا پیاروں کو رسولؐ دوسرا کے
مارا مجھے کیوں آن کے سجدے میں خدا کے

۱۱۲
رونے لگا سر شرم سے نیوڑا کے ستمگار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدرِؑ کرار
چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اُسے تلوار
مارو نہ اسے قید کرا دے مرے دلدار
یہ چاہتا ہے بندے رسّی کے رہا ہوں
تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ میں عقدہ کشا ہوں

۱۱۳
بازو ہیں بندھے اس کے ہے بے چین مرا دل
دشمن نہیں میں اس کا یہ گو ہے مرا قاتل
ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں ہر ایک کی مشکل
دیوے گا سزا اس کی اسے خالقِ عادل
کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا
دشمن پہ کریں رحم یہ شیوا ہے ہمارا

۱۱۴
اے لعل قسم ہے تمھیں غصے میں نہ آنا
جس وقت میں ہوں عالمِ فانی سے روانا
جب تک کہ میں زندہ ہوں نہ ہاتھ اس پہ اٹھانا
اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا
جو کھاؤں میں کھانا وہی پہنچاؤ اس کو
پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترساؤ اس کو

۱۱۵
دشمن پہ بھی مولا کا یہ تھا لطف و مدارا
وہ لوگ تھے کیسے کرو انصاف خدارا
پیاسا رہے قاتل نہ علیؑ کو تھا گوارا
پیاسا جنھوں نے حضرتِ شبیرؑ کو مارا
قاتل پہ یہ احسان تھا جس حق کے ولی کا
پانی سے ترستا رہا فرزند اُسی کا

۱۱۶
لکھا ہے چڑھا چھاتی پہ جب شمرِ بداختر
کہتے تھے کہ دو روز کا پیاسا ہوں ستمگر
تھی پیاس سے حضرت کی زباں ہونٹوں کے باہر
کر ذبح پہ تھوڑا سا مجھے پانی پلا کر
رحم آیا نہ دل میں یہ شقاوت تھی شقی کے
پیاسا ہی کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے

۱۱۷
قاتل کے یداللہ نے کھلوائے بندھے ہاتھ
باندھے ہوئے تھے بازوئے زینبؑ کو بھی بدذات
اور بازوئے کلثومؑ بندھے رسّی میں ہیہات
فرماتے ہیں یہ سیدِ سجادؑ خوش اوقات
ظالم ہمیں دربار میں جب لے کے چلے تھے
اک رسّی تھی اور بارہ اسیروں کے گلے تھے

۱۱۸

القصہ یہ فرزندوں سے جب کہہ چکے حیدرؑ
چاہا کہ اٹھیں اُٹھ نہ سکے فاتحِ خیبر
رونے لگے بابا سے وہ شہزادے لپٹ کر
بیٹوں سے کہا باندھو عمامہ مرے سر پر
جاں زینبؑ و کلثومؑ کی ہوے گی پدر میں
مسجد سے اٹھا کر مجھے اب لے چلو گھر میں

۱۱۹

روتے ہوئے سبطینِ نبیؐ آپ کو لائے
زینبؑ نے کہا ہائے پدر خوں میں نہائے
سر پیٹتے ناموسِ محمدؐ نکل آئے
نانا نہیں زینب یہ ستم کس کو دکھائے
برباد ہوئیں بیبیاں بھی بیٹے بھی گھر بھی
بن ماں کی تو تھی چھوڑ چلے ہائے پدر بھی

۱۲۰

بابا مرے زخمی ہوئے ہے ہے مری قسمت
اماں کے بھی ماتم سے ہوئی تھی نہ فراغت
دو ٹکڑے ہے سر خوں میں بھری چاند سی صورت
آنسو بھی نہ سوکھے تھے کہ ٹوٹی یہ مصیبت
دن روتے گزرتا تھا تو شب آہ و فغاں میں
ماتم کے لیے خلق ہوئی تھی میں جہاں میں

۱۲۱

نانا مرے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
اب اور اک آفت یہ مقدر نے دکھائی
اماں کے لیے ماتمی صف میں نے بچھائی
درپیش ہے پردیس میں بابا سے جدائی
کس سے کہوں جو مجھ پہ جفا ہو گئی لوگو
فریاد ہے تقدیر مری سو گئی لوگو

۱۲۲

سن سن کے بیاں بیٹیوں کے روتے تھے حیدرؑ
سر دے دے پٹکتے تھے جو سبطینِ پیمبرؐ
ایک ایک کو سمجھاتے تھے چھاتی سے لگا کر
اس صدمے سے ہو جاتے تھے غش فاتحِ خیبر
ہوش آتا تو کہتے نہیں مرنے کا الم ہے
ان روزوں سے محروم رہے ہم یہ ستم ہے

۱۲۳

مرغوب تھا ماہِ رمضاں کا ہمیں آنا
اس عید کا افسوس پڑھیں گے نہ دوگانا
تو آہ ہمیں ہوتے ہیں جنت کو روانا
خوں سے عوضِ غسل تھا قسمت میں نہانا
مسجد میں بغل گیر جو ہوئیں گے نمازی
شبیرؑ سے لپٹ کر ہمیں روئیں گے نمازی

۱۲۴

دو دن رہا اس سیدِ عالم کا یہ عالم
سر تا بہ قدم پھیل گیا تھا اثرِ سم
رخ زرد تھا لب خشک تھے غش آتے تھے پیہم
گھٹتی تھی جو طاقت تو ورم بڑھتا تھا ہر دم
آئی جو شبِ بست و یکم مر گئے حیدرؑ
غل پڑ گیا دنیا سے سفر کر گئے حیدرؑ

۱۲۵

ہاں اہلِ عزا رو دو کہ یہ وقتِ بکا ہے
ہادی جو تمھارا ہے وہ دنیا سے اٹھا ہے
بیٹو کہ محمدؐ کا وصی قتل ہوا ہے
دن آج کا سوچو تو قیامت سے سوا ہے
اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں نبیؐ کے
بیٹے لیے جاتے ہیں جنازے کو علیؑ کے

۱۲۶

خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا پانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
دیکھی تری دریائے طبیعت کی روانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
مدّاحیِ حیدرؑ جو کرے منہ ترا کیا ہے
امدادِ محمدؐ ہے یہ تائیدِ خدا ہے

مرثیہ ۱

۱
شیرِ خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں
کاغذ بجائے تختۂ گردوں بہم کروں
شمہ ہو جو سارے نیستاں قلم کروں
دریا اگرچہ سارے سیاہی سے ضم کروں
لکھنے کو بیٹھیں حور و ملک انس و جن تلک
عشرِ عشیر ہو نہ قیامت کے دن تلک

۲
ہوتا ہے طبع کو جو کسی طرح کا ملال
ہے مرتضیٰ علیؑ ولی سا کفیلِ حال
اس وقت اپنے دل میں یہ کرتے ہیں ہم خیال
واللہ دل کو ہوتی ہے اس دم خوشی کمال
لیتا ہوں جب میں نام شہِ انس و جان کو
نو نو طرح کی ملتی ہے لذّت زبان کو

۳
دیکھو تو نام پاک کی تم خوبصورتی
زوجہ ملی تو فاطمہ سی دخترِ نبیؐ
شیرِ خدا امیرِ عرب مرتضیٰ علیؑ
بیٹے حسنؑ حسینؑ سے جن پر فدا ہے جی
حیدرؑ سے لاکھ طرح کی مشکل کشائی ہے
اس نام میں بھری ہوئی مشکل کشائی ہے

۴
اس نام کے سبب سے بروزِ امید و بیم
ہے جس کا داغ علی کی محبت میں مستقیم
وا ہوگا عاصیوں پہ درِ جنت النعیم
اُس پر حرام ہے شررِ آتشِ جحیم
اسلوب نیک کون سا ہے اپنی بات کا
اِک بس یہی تو ہے گا وسیلہ نجات کا

۵
جب روزِ بازپرس کا ہوئے گا جاں گداز
خدمت سے مرتضیٰؑ کی نہیں ہے جنھیں نیاز
بعضوں کی مغفرت پہ کریں گے گناہ ناز
کچھ فائدہ نہ دیں گے انھیں روزہ و نماز
ہیں جن کے پاؤں حُبِّ علیؑ کی بساط پر
ثابت قدم رہیں گے انھیں کے صراط پر

۶
بعضے پلِ صراط سے جاویں گے یوں گذر
بعضے ردائے فاطمہ زہراؑ کو تھام کر
بجلی سے جست کر کے نکل جائے جوں شرر
کہتے ہوئے علیؑ ولی جائیں گے اُدھر
آگے تو مرتضیٰؑ کا تصرف تمام ہے
ادنیٰ غلام کے لئے اعلیٰ مقام ہے

۷
کیسا خدا پرست تھا مولا مرا سخی
سائل کی پر نہ دیکھ سکا وہ گرسنگی
نیت سہ روز روزے پہ روزے کی اس نے کی
کھائی نہ سیر ہو کے غرض نانِ جو کبھی
یکتا تھا وہ عبادتِ ربِّ ودود میں
گذری تمام عمر رکوع و سجود میں

۸
ہجرت زمینِ کعبہ سے جب مصطفیٰؐ نے کی
فیصل لڑائی بدر کی شیرِ خدا نے کی
اُس روز مصطفیٰؐ کی مدد مرتضیٰؑ نے کی
جنگِ اُحد بھی فتح اسی مقتدا نے کی
واللہ اُس سے زورِ عیاں لافتیٰ ہوا
قتل اس کے ہاتھ سے عمرِ عبدِ وُد ہوا

۹
خیبر میں مصطفیٰؐ ہوئے جب گرمِ کارزار
تب آگیا جلال میں محبوبِ کردگار
باہم سہ روز جنگ سے سب نے کیا فرار
فرمایا تمام کو یہ پیمبرؐ نے یوں پکار
بھیجوں گا کل اسے جو مرا دوستدار ہے
کرار ہے وہ شخص جو غیرِ فرار ہے

۱۰
ہے طرفہ تر تو یہ جو گریزاں ہوئے تھے واں
لیکن ستارۂ سحری جب ہوا عیاں
اس مرتبہ کا ان کو تھا بس آپ پر گماں
سلمان فارسی سے نبیؐ نے کہا کہ ہاں
لاؤ بنا کنندۂ ارکانِ دین کو
لاؤ علیؑ کو لاؤ مرے جانشین کو

۱۱
سلمان آئے پاس علیؑ کے بصد شتاب
تم کو بلاتے ہیں گے رسولِ فلک جناب
بولے کہ یا ابا حسن و یا ابا تراب!
وا ہوگا آج قلعۂ خیبر کا تم سے باب
روشن ہوا جو انہیں یہ امامِ مبین پر
رو کر سرِ نیاز جھکایا زمین پر

۱۲
آنکھیں رمد سے گو کہ نہ کھلتی تھیں موسناں
آغوش میں نبیؐ نے لیا آ کے مثلِ جاں
سلماں کے دوش پر ہوئے ہاتھوں کو رکھ رواں
مانندِ سیل، چشمِ علیؑ میں جو کی زباں
اک آن میں رمد کا خلل دور ہو گیا
پُر نور اور دیدۂ پُر نور ہو گیا

۱۳
تب یوں کہا نبیؐ نے علیؑ سے کہ یا اخی
بولے علیؑ کہ تم پہ فدا جان ہے مری
ہو مستعد بہ جنگ کہ ہے حکمِ ایزدی
اس بندۂ ضعیف کو عزت تمہیں نے دی
خیبر جو فتح ہو یہ کہاں مجھ میں حال ہے
یا مصطفیٰؐ فقط کرمِ ذوالجلال ہے

۱۴
سر پر علیؑ کے خود محمدؐ نے خود رکھا
پہنائی اپنے ہاتھ سے پھر آپ نے قبا
آہن کا خود قبّۂ پُر نور ہو گیا
مطلب زرہ بنانے کا داؤد کے کھلا
کہتی تھی یوں زرہ تنِ پاکِ امام میں
گویا لیا ہے میں نے شجاعت کو دام میں

۱۵
بولی قضا زرہ کی طرف دیکھ دیکھ کر
لی دوش پر سپر تو کہا سب نے یک دگر
گردوں سے سلسلے میں یہ پابند ہے ظفر
سایہ خدا کے لطف کا ہے اس کے دوش پر
عکسِ سپر بدن میں بدن کا سپر میں تھا
تھی وہ سپر کہ جرمِ نمایاں قمر میں تھا

۱۶
پھر کی حمائل اس نے وہ شمشیرِ آبدار
ہفتاد ہاتھ کھینچتے ہی بڑھتی تھی ذوالفقار
جوہر دو نما میں برق کی صورت تھی بے قرار
جوہر بیاں کروں گا میں ہنگامِ کارزار
کہتے ہیں وقتِ رزم نکلتی تھی جیب سے
پیدائش اس حسام کی تھی نصرتِ غیب سے

۱۷
آراستہ ہوا جو امامِ نکو سیر
چمکا نشاں نبیؐ کا تو سورج نے چرخ پر
بوسہ دیا رسولِ خدا نے جبیں پر
پنجہ لیا خطوطِ شعاعی کا منہ پہ دھر
پھر فتح یاب کیوں نہ ہو وہ کائنات سے
باندھے رسولؐ جس کی کمر اپنے ہاتھ سے

۱۸
حیدرؑ سے پھر رسولِ خدا نے کیا خطاب
دُلدل کو لے کے آیا جو قنبر بصد شتاب
روشن قدم سے اپنے کرو زین کی رکاب
اک جست میں سوار ہوا ابنِ بوتراب
گھوڑے پہ جب سوار کیا اس جناب کو
محبوبِ ذوالجلال نے تھاما رکاب کو

۱۹
دُلدل کی جست و خیز کا اب کیا کہوں میں رنگ
گر اس کا کھینچتا کوئی نقشہ بروے سنگ
وہ جانتا تھا عرصۂ کون و مکاں کو تنگ
اُڑتا ہوا یہ سنگ بھی جوں کاغذِ پتنگ
گھوڑا نہ تھا وہ قدرتِ پروردگار تھا
اس پر سوارِ فخرِ نبوت سوار تھا

۲۰
تسلیم کر نبی کو علیؑ یوں چلے وہاں
منھ اپنا مصطفیٰؐ نے کیا سوئے آسماں
جس طرح سے جدا کہیں ہو جائیں جسم و جاں
عارض پہ اشک ہونے لگے متصل رواں
دے کر علیؑ کو حفظ میں پروردگار کے
کرنے لگے دعائیں عمامہ اُتار کے

۲۱
بندہ ترا ہے جو یہ علیؑ بازوئے رسولؐ
تیری کنیز خاص جو مشہور ہے بتولؑ
یارب ہلاکت اس کی تو مت کیجیو قبول
شوہر کے غم سے ہو نہ کہیں اس کا دل ملول
یارب مری دعا سے اسے زندہ کیجیو
بیٹی کے منھ سے مجکو نہ شرمندہ کیجیو

۲۲
واں تو دعا یہ کرتے تھے سالارِ مرسلیں
گاڑا پہاڑ پر علم مصطفیٰؐ جونہیں
یاں آن پہونچے متصلِ قلعہ شاہِ دیں
افلاک تھرتھرا گئے اور کانپ اٹھی زمیں
تھا زور اس قدر شہِ عالی شکوہ میں
پائے نشان ڈوب گیا بطنِ کوہ میں

۲۳
دیکھا نگاہ بانوں نے جس دم یہ ماجرا
سن کر تب اُس لعین نے حارث سے یہ کہا
مرحب کو مژدہ از سرِ نو مرگ کا دیا
تنہا یہ کون آیا ہے سر اس کا جلد لا
باہر نکل کے وہ جوں ہی آیا حصار سے
حیدر نے دو کیا اسے اک ذوالفقار سے

۲۴
مرحب نے اس گھڑی کیا سامان رزم گاہ
کاندھے پہ پھر سپر بھی لگائی بہ اشک و آہ
نقارۂ کلاں پہ رکھی آہنی کلاہ
ہودے دراز ہجر کی جیسے شبِ سیاہ
ملعون نے زرہ پہ زرہ جب درست کی
زنجیرِ آہنی سے کمر اپنی چست کی

۲۵
کاندھے پہ یوں کماں نظر آتی بار بار
ہے آسمانِ کفر پہ اک قوس آشکار
پھر دستِ نحس میں لیا نیزہ وہ ایک بار
جو خیمۂ فلک کا ہوا چوبِ استوار
لٹکائی پھر کمر میں وہ تیغ اس شکوہ سے
دریا اُتر کے آتا ہے جس طرح کوہ سے

۲۶
چالاک و چست ہو کے ہوا وہ لعیں سوار
بھائی کی لاش دیکھ بہ میدانِ کارزار
تب ہو گئے جلو میں یہودی کئی ہزار
طیش و غضب سے ہو گیا معمور ایک بار
پہلے تو کچھ بیان حسب اور نسب ہوا
پھر معرکہ میں آکے مبارز طلب ہوا

۲۷
گھوڑے کو تب علیؑ نے پھرا کے کہا کہ ہاں
آیا سرِ عدو پہ اجل کی طرح دواں
بھاری کیا رکاب کو کر دی سبک عناں
مرحب نے پھر نیام سے لی تیغ ناگہاں
اُٹھا خدا کے ہاتھ نے جب آستین کو
گہوارے کی طرح سے تھی جنبش زمین کو

۲۸

مرحب ہوا علیؑ ولی پر جو حملہ ور
تیغ اس لعیں کی ہو گئی لیکن یہ کارگر
حضرت نے اپنے فرقِ مبارک پہ لی سپر
کاٹا سپر کو شاہ ولایت کے ہاتھ پر
اب تک جو زلزلے سے زمیں کانپ جاتی ہے
گاوِ زمیں کو ضرب وہی یاد آتی ہے

۲۹

بازوئے مصطفیٰ کو غرض آ گیا جلال
اس غیظ سے کھڑے ہوئے سارے بدن کے بال
منہ ہو گیا جلالِ جہاں آفریں کا لال
لی ذوالفقار شاہِ ولایت نے پھر سنبھال
انسان کیا جنوں کو پڑی اپنی جان کی
کونین میں پکار ہوئی الامان کی

۳۰

آئی صدا یہ عرش سے اس وقت ناگہاں
تھامو علی کے ہاتھ کو جلدی فرشتگاں
میکال و جبرئیل و سرافیل کو کہ ہاں
عرصہ کیا تو عالمِ ایجاد پھر کہاں
اب ہاتھ جان لو مرا حیدر کے ہاتھ کو
کافی ہے ایک ضرب مری کائنات کو

۳۱

بس جنبشِ پلک پہ ملک تھے زمین پر
تھامی کلائی ان کی سرافیل نے ادھر
میکال تو لپٹ گئے شانوں سے آن کر
ڈھانپے جنوں کی قوم کے روح الامیں نے پر
یاں تیغ جا چکی تھی سرِ نابکار پر
جوں صاعقہ تڑپ کے گری کوہسار پر

۳۲

جھنجھی جو خود پر تو کیا تا کمر دوتا
کاٹا جو زین کو تو کیا قصد تنگ کا
پر ذوالفقار کی نہ تسلی ہوئی ذرا
در آئی پھر زمیں میں نہ کی دیر مطلقا
جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر
ہرگز نہ دم لیا پرِ روح الامین پر

۳۳

پھر اس گھڑی تو کہنے لگا ربِ کردگار
اس دم کہا تمام فرشتوں نے یوں پکار
شاباش مرحبا تجھے اے عبدِ جاں نثار
یہ چشمِ زخم سے رہے محفوظ و برقرار
عیسیٰ نے یوں کہا کہ اسے کیا گزند ہے
برجز ہے آفتاب ہر اختر بلند ہے

۳۴

مرحب کے ساتھیوں پہ ہوئے شاہ حملہ ور
اور سب نے پل کے تختۂ پل کو کیا ادھر
پھر بھاگ کر گئے پلِ خندق سے وہ گذر
ہو کر پیادہ پا گئے حیدر بھی جست کر
مرحب پہ کچھ تمام نہ ساری لڑائی تھی
ان کے تو دھیان میں درِ خیبر کشائی تھی

۳۵

جب سیکڑوں یہودی ہوئے مستعد بہ جنگ
اوپر سے عورتیں بھی گراتی تھیں خشت و سنگ
شیرِ خدا پہ چلنے لگے نیزہ و خدنگ
آمد تھی سارے حربوں کی جوں شمع پر پتنگ
جس دم سپر گری بشریت میں شاہ سے
اک روسیاہ لے گیا بچ کر نگاہ سے

۳۶

حیدر کے ہاتھ میں نہ رہی جب سپر کی آڑ
دو انگلیوں میں لے لیا تب آہنی کواڑ
حضرت نے پاؤں اپنے رکاب زمیں میں گاڑ
جس سے نہ تھا زمیں پہ کلاں تر کوئی پہاڑ
ہرگز بشر کا کام بجز مرتضیٰ نہ تھا
گو وہ خدا نہ تھا یہ خدا سے جدا نہ تھا

۳۷

یارو سنا یہ مرتبۂ شاہ ذوالفقار
یہ لوگ ہیں خلاصۂ ایجادِ کردگار
کیا کیا خدا کی رہ میں کیا زور آشکار
لیکن خدا کے واسطے سوچو مآلِ کار
مسجد میں کس طرح سے عبادت دکھائی ہے
سجدے میں روزہ دار نے تلوار کھائی ہے

۳۸

آئی مہِ صیام کی انیسویں جو شب
وہ لائیں نانِ جو نمک و شیر اور رطب
کلثومؑ سے طعام علیؑ نے کیا طلب
بیٹی سے تب علی نے کہا از رہِ غضب
کیا چاہتی ہو تم کہ علیؑ پر عتاب ہو
محشر میں میرے واسطے طول حساب ہو

۳۹

جس دن سے سوئے خلد سدھارے ہیں مصطفا
کلثومؑ نے لیا رطب و شیر کو اُٹھا
دو نعمتیں کبھی نہیں کھائی ہیں ایک جا
حضرت نے تین لقموں پہ بس اکتفا کیا
روئیں جو بیٹیاں تو کہا یہ زبان سے
ہے آرزو سبک میں اٹھوں اس جہان سے

۴۰

افطار کر کے روزے کو مولائے روزہ دار
پھر تھا تمام رات عجب ان کو اضطرار
اٹھے نماز شب کے لئے شاہ ذوالفقار
انگنائی میں علیؑ نکل آتے تھے بار بار
دل سوئے حق تھا آنکھ سوئے آسمان تھی
تھی سامنے اجل کہ شبِ امتحان تھی

۴۱

کہتے تھے اپنی ریش مبارک کو وہ جناب
ہوئے گا صبح خون کا اس کے لئے خضاب
جاتا رہا تھا زینبؑ و کلثومؑ کا بھی خواب
تھا مرتضیٰ علی سے ہوا ان کو اضطراب
مایوس گفتگو سے جو مایوس ہوتی تھیں
باہیں گلے میں ڈال کے بابا کے روتی تھیں

۴۲

لے کر بلائیں دونوں یہ کہتی تھیں بابا جان
کیوں فال بد نکالتے ہیں آپ ہر زمان
کیوں نیند آپ کو نہیں آتی ہے ایک آن
کیوں بار بار دیکھتے ہیں سوئے آسمان
ہے زندگی ہماری جو جینے سے آپ کے
ہم دونوں بیٹیاں ہوں جدا ایسے باپ سے

۴۳

حضرت نے بیٹیوں کو گلے سے لگا لیا
ہاتھوں کو چوم زینبؑ و کلثومؑ سے کہا
اب وقت عنقریب ہے کوسِ رحیل کا
کچھ اس مقام میں نہیں چارہ بجز خدا
وارث تمہارا اب حسنؑ خستہ جان ہے
بس کل کے روز اور علیؑ میہمان ہے

۴۴

القصہ تھی ابھی وہ شبِ قتل نا تمام
دامن امام کا لیا مرغابیوں نے تھام
پیشِ سحر رواں ہوا مسجد میں وہ امام
اُن کو ہٹا دیا تو علیؑ نے کیا کلام
اے بیبیو درشت نہ ہو جانور ہیں یہ
دامن سے مت چھڑاؤ مرے نوحہ گر ہیں یہ

۴۵

کہہ یہ سخن کیا درِ دولت سرا کو وا
اُس کا بھی کچھ ہوا نہ خیال اُن کو مطلقا
حلقے سے در کے واں بھی کمر بند اُلجھ گیا
بہنوں نے تب حسینؑ و حسنؑ سے یہ جا کہا
اے بھائی خواب ناز سے سر کو اٹھاؤ تم
بابا اکیلے جاتے ہیں ساتھ اُن کے جاؤ تم

۴۶

دونوں علیؑ کے لاڈلے دوڑے برہنہ پا
واللہ تم نہ ہو گے مرے مانعِ قضا
جو پہنچے علیؑ تلک تو علیؑ نے انھیں کہا
پھر جاؤ تم کو ہے قسمِ روحِ مصطفےٰ
ہشیار کر دیا انھیں حکمِ الٰہ سے
پھیرا حسنؑ حسینؑ کو اثنائے راہ سے

۴۷

مسجد میں آن کر کہی مولا نے تب اذاں
اس نے جگایا بیٹے کو ملجم کے مومناں
قطامہ نے سنی غرض آواز ناگہاں
مسجد میں آ کے لیٹا وہ مانندِ خفتگاں
فرصت اذاں سے جب ہوئی شاہِ حجاز کو
محراب میں ادا لگے کرنے نماز کو

۴۸

اس وقت ابنِ ملجم ملعون بھی اٹھا
سر مرتضیٰؑ کا سجدۂ اوّل میں جب جھکا
لگ کر ستون سے مسجدِ کوفہ میں چھپ رہا
اس نے لگائی تیغ پہ حاصل نہ کچھ ہوا
پر دیکھیو خدا سے علیؑ کے نیاز کو
ہرگز نہ روزہ دار نے توڑا نماز کو

۴۹

لیکن جھکا جو دوسرے سجدے میں ان کا سر
زخمی تھا ضربتِ عمرو عبدِ وُد سے سر
اس وقت اس لعیں کی ہوئی تیغ کارگر
یہ زخم جاں ستاں بھی لگا اُس مقام پر
خوں سر کا تا بہ ریشِ مبارک رواں ہوا
ابرو تلک شگافتِ جبیں کا عیاں ہوا

۵۰

اس وقت آسماں پہ پکارے یہ جبرئیل
زخمی ہوا ہے آج سرِ سیدِ جلیل
زوجِ بتولؑ راہِ خدا میں ہوا قتیل
کوئی رہا نہ شبرؑ و شبیرؑ کا کفیل
شیرِ خدا نے فرق پہ تلوار کھائی ہے
استاد میرا قتل ہوا ہے دہائی ہے

۵۱

تھا گھر میں آہ زینبؑ و کلثومؑ کا یہ حال
آئی صدا یہ کان میں جب ان کے غم مآل
تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی اور کھلے تھے بال
آ کر کہا حسینؑ و حسنؑ سے بصد ملال
گل کر دیا چراغِ زمین و زمان کو
بھائی کسی نے قتل کیا بابا جان کو

۵۲

دوڑے حسنؑ حسینؑ وہاں سے برہنہ سر
دیکھا جنابِ والدِ ماجد کو خوں میں تر
داخل ہوئے جو مسجدِ کوفہ میں آن کر
چلّا کے ہائے بابا گرے وہ زمین پر
آنکھوں سے اشک دونوں کے پیہم نکلتے تھے
چہرے پہ خون باپ کا لے لے کے ملتے تھے

۵۳

آنکھوں کو کھول شاہِ ولایت نے یہ کہا
جی بھر کے بیٹیوں کو تو میں دیکھ لوں ذرا
پہنچاؤ مجکو زینبؑ و کلثومؑ تک ذرا
حضرت کو اک گلیم کے اندر لٹا دیا
گھر کو روانہ واں سے بہ رنج و محن ہوئے
پر حیف ہے یتیم حسینؑ و حسنؑ ہوئے

۵۴

لائے علیؑ کو جب درِ دولت سرا کے پاس
اس دم کہا حسینؑ و حسنؑ نے بہ حالِ یاس
دوڑیں جناب زینبؑ و کلثومؑ بے حواس
اے مومنو ضرور ہے آلِ نبی کا پاس
زہراؑ کی بیٹیاں بھی قریبِ در آئی ہیں
رو کر علیؑ کی بیٹیاں کھولے سر آئی ہیں

۵۵

بابا کو لائیں زینبؑ و کلثومؑ جب اُٹھا
اصحاب جا کے لائے جو جرّاح کو بُلا
حجرے میں اس جناب کو لا کر لٹا دیا
نعمان نے دیکھا زخمِ سرِ شاہ لافتا
بولا وہ سر سے پھینک عمامہ دُہائی ہے
ہے ہے یہ تیغ زہر کے اندر بجھائی ہے

۵۶

واللہ یہ حدیث میں لکھا ہے مومناں
چہرہ علیؑ کا زرد تھا مانند زعفراں
اس زخم سے ہوا تھا لہو اس قدر رواں
دن بھر لگی نہ آنکھ ہوئے ایسے ناتواں
تھا زخم میں جو درد شہِ دیں پناہ کے
کاٹی تمام رات علیؑ نے کراہ کے

۵۷

ہے آگے یہ لکھا شبِ بست و یکم کا حال
اندوہ اہلِ بیتِ نبیؐ کو ہوا کمال
آخر کیا وصیِ محمدؐ نے انتقال
اب آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ مقال
یارب دُعا مری یہ اجابت قبول ہو
شاہِ نجف کی جلد زیارت حصول ہو

سلام

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوقِ زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریما ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

بہ رنگِ سبزۂ بیگانہ باغِ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے
فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

نگاہ نامۂ اعمال پر جو کی پسِ مرگ
گناہگار نظر آیا بال بال مجھے

جو خضرِ بخت، مجھے کربلا میں پہنچا دے
نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے

یہ ہم لفیق بھی ہیں دنیا میں یادگار اے مرگ
مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے

فلک میں سبزۂ بیگانہ اس چمن میں نہیں
یہ کیا روش ہے جو کرتا ہے پائمال مجھے

کبھو خوشی سے جو دنیا میں ایک دم گذرا
وہ صدمہ کش ہوں کہ برسوں رہا ملال مجھے

غمِ حسینؑ میں کہتا ہے زخمِ دل ہر دم
لہو جگر کا بہے گر، ہو اندمال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

بھلا میں دوں قدِ اکبرؑ سے کس طرح تشبیہ
چمن میں سرو دکھائے تو اپنی چال مجھے

لہو بدن کا عرق ہو کے بہہ گیا سارا
ہوا یہ اپنے گناہوں سے انفعال مجھے

تری مدد کا فقط یا علیؑ بھروسا ہے
کسی کی آس نہیں وقت انتقال مجھے

یہ فخر ہو کہ ملی بادشاہی دُنیا کی
غلام سمجھیں اگر قنبر و بلالؓ مجھے

اجل قریب ہے جلدی نجف میں پہونچا دے
بس اے نصیب نہ اگلے برس یہ ٹال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پروردگار رہیو گواہ
کہ قتل کرتے ہیں ناحق یہ بدخصال مجھے

قطعہ

جب آئیں بیٹوں کی لاشیں تو کہتی تھیں زینبؑ
کچھ ان کے مرنے کا مطلق نہیں خیال مجھے

فدا کروں گی ہر اک بے بہا میں زہرا پر
دیئے تھے حق نے اسی واسطے یہ لال مجھے

دعائیں تینوں کے پھل کھائے پھول سے تن پر
نہال کر گئے یہ میرے نونہال مجھے

اُلجھتا راتوں کو جب دل تو کہتی تھی بانو
دکھا دے اے علیؑ اصغرؑ جھنڈولے بال مجھے

حسینؑ کہتے تھے اک ذوالفقار کافی ہے
تبر دیں نہ زرہ چاہیئے نہ ڈھال مجھے

قطعہ

چڑھا یہ کہہ کے جو سینے پہ شاہ کے قاتل
ملے گا آج بہت سا متاع و مال مجھے

پکارا خنجر براں کہ الحذر اے شمر
نہ کر نبیؐ کے نواسے کے خوں سے لال مجھے

جدا جو کرتے تھے اعدا مزار اصغرؑ سے
تو ماں کو کہتی تھی اتنا نہ دو ملال مجھے

خدا کے واسطے مقتل میں مجھ کو رہنے دو
کہ شب کو چونک کے ڈھونڈھے گا میرا لال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشت فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بے کسی سنبھال مجھے

اندھیری قبر میں مشکل انیسؔ کو ہے بہت
دکھاؤ یا علیؑ اب چاند سا جمال مجھے

رباعی

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک

ہاں نور محمدؐ و علیؑ ہیں واحد
ہیں اسم تو دو مگر مسمّیٰ ہے ایک

مرثیہ

عرش خدا مقام جناب امیرؑ ہے
سطور لوح نام جناب امیرؑ ہے
کرسی بھی تخت بام جناب امیرؑ ہے
آیات حق کلام جناب امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

۲
ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرت خدا
یعسوب دیں امیر عرب حجت خدا
بازوئے مصطفیٰ ہے در رحمت خدا
شیر خدا پہ ختم ہوئی طاعت خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی حجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

۳
ہے وہ کلیم عرش بریں جس کا طور ہے
ہر سمت ذات پاک کا اس کی ظہور ہے
خورشید دیں ہے عین ایماں کا نور ہے
ہے جو علیؑ سے دور وہ رحمت سے دور ہے
ہے راہ پر وہی جسے حیدرؑ سے راہ ہے
حب علیؑ نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

۴
اکثر بیان کرتے تھے محبوب کردگار
اور ہوں مداد بن کے رواں ایک جا بحار
اشجار شش جہات قلم ہوں جو ایک بار
لکھیں ازل سے تا بہ ابد اہل روزگار
دریا ہوں صرف اور قلم اختتام ہوں
لیکن نہ شیر حق کے فضائل تمام ہوں

۵
تھا فضل حق سے مظہر اعجاز وہ امام
جو صبح سے زمیں پہ گزرتا تھا تا بہ شام
خورشید سات بار ہوا ان سے ہم کلام
کہتی تھی بوتراب سے شب کو خبر تمام
اعجاز عیسوی کئی باری دکھا دیئے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مردے جلا دیئے

۶
تھے حافظ کلام خدا شاہ ذوالفقار
دے کر رکاب میں قدم پاک کو قرار
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دلدل پہ جب سوار
قرآں شروع کرتا تھا وہ شیر کردگار
کس کا بغیر مصحف ناطق یہ کام تھا
پہونچا ادھر جو پاؤں تو قرآں تمام تھا

۷
عالم میں مرتضیٰؑ کی ولادت کی دھوم ہے
غل تہنیت کا شام سے لے تا بہ روم ہے
کعبے کے گرد قدسیوں کا اک ہجوم ہے
کس دبدبے سے آمد باب علوم ہے
ارکان کعبہ راست ہیں تعظیم کے لئے
محراب خم ہے شاہ کی تسلیم کے لئے

۸
ہر چند تھے مقرب حق اور بھی نبیؑ
عیسےٰؑ کی والدہ کو نہ مطلق رضا ملی
پیدا ہوا نہ تھا کوئی اس جا بجز علیؑ
بنت اسد کو یہ ہوا فرمان ایزدی
کب رتبہ تھا یہ اور پیمبرؑ کے واسطے
دیوار کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے

۹
اللہ رے وقار رہے عز و احتشام
رونق فزائے کعبہ ہوا جب کہ وہ امام
دنیا میں خلق ہونے کا پایا عجب مقام
طاقوں سے کانپ کانپ کے بت گر پڑے تمام
برپا نشان کفر جو تھا دور ہو گیا
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا

۱۰

آیا خدا کے گھر میں جو وہ غیرتِ قمر
تھا شور تہنیت کا ملائک میں عرش پر
تھے پرتوِ جمال سے تابندہ بام و در
ہر سنگ بن گیا ہمہ تن آئینہ کا گھر
ضو اس قدر تھی حسنِ علیؑ کے ظہور کی
روشن تھا طورِ کعبہ تجلّی سے نور کی

۱۱

پیدا ہو جس مقام پہ شاہنشہِ نجف
کس طرح اس زمیں کو فلک پر نہ ہو شرف
مجرے کو سرنگوں تھی ملائک کی صف بہ صف
کیا دُر تھا جس کا خانۂ کعبہ ہوا صدف
حق ہے کہ قبلۂ دو جہاں وہ ولی ہوا
اعلیٰ جو تھا تو اسمِ مبارک علیؑ ہوا

۱۲

گردوں پہ یک بہ یک جو ہوئی روشنی عیاں
اور ہو گئی دوچند ضیائے ستارگاں
گھبرا کے تب یہ کہنے لگے ساکنِ جہاں
کچھ تازہ حادثہ ہوا بالائے آسماں
آئی ندا یہ حسنِ علیؑ کا ظہور ہے
آدم سے پہلے خلق ہوا جو وہ نور ہے

۱۳

پیدا ہوا ہے آج دو عالم کا پیشوا
زیبا ہے جس کے جسم پہ تشریفِ انما
دستِ خدا امیرِ عرب شاہِ لافتا
بابِ فتوح و قوتِ بازوئے مصطفا
جانِ یقیں ہے زہد و درستی میں وحید ہے
گنجینۂ علومِ خدا کی کلید ہے

۱۴

بوئے علیؑ جو لے کے گئی خلد میں نسیم
پھولے سماتے تھے نہ گلِ جنت النعیم
کوثر کے لب سے آئی صدا شکر اے کریم
پیدا کیا جہان میں تو نے مرا قسیم
پوری ترے کرم سے ہوئی آرزو مری
آگے سے اب دوچند ہوئی آبرو مری

۱۵

اس روز کے جلوس کا ہو کس طرح بیاں
جس روز کی خوشی کرے خلاقِ دو جہاں
افلاک سے ملک چلے آتے تھے شادماں
غرفوں سے حوریں تکتی تھیں کعبہ کو ہر زماں
حبِّ علیؑ کا چشمۂ کوثر کو جوش تھا
فرمانِ حق سے شعلۂ دوزخ خموش تھا

۱۶

مصروفِ اہتمام تھیں ارواحِ انبیاؑ
پلکوں سے کر رہے تھے ملک کعبہ کو صفا
گل دستۂ جناں لئے حاضر خلیل تھا
عیسیٰ طبق میں لائے تھے واں بھر کے مائدا
موسیٰ عصا لئے صفتِ دورباش تھا
زمزم سے صحنِ کعبہ میں خضر آب پاش تھا

۱۷

روح القدس کو پہونچا یہ فرمانِ ایزدی
مژدہ مرے حبیب کو دے جا کے اس گھڑی
گھر میں ہمارے آج تولد ہوا علیؑ
ہم ہیں خوشی تجھے بھی مبارک ہو یہ خوشی
سترِ خفی جو تھا اسے ہم نے جلی کیا
بھائی تجھے دیا ترا بازو قوی کیا

۱۸

بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو شجاعت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو علم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ دینِ خدا آشکار ہو

۱۹
موقوف تھا اسی پہ رسالت کا بند و بست
اب ہوں گے بُت پرست ہزاروں خدا پرست
دے گا یہ شیر لشکرِ کفّار کو شکست
ہو جائیں گے جہاں کے زبردست زیرِ دست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہِ خلق ہے اور یہ وزیر ہے

۲۰
پیارا بہت ہے یہ ہمیں اے فخرِ مرسلیں
یہ تاجِ آسمان ہے یہ زینتِ زمیں
برپا کیا ہے ہم نے جہاں میں یہ رکنِ دیں
یہ کعبۂ مراد ہے یہ قبلۂ یقیں
جو دوست اس کا ہے وہ ہمارے حضور ہے
دشمن جو اس کا ہے مری رحمت سے دور ہے

۲۱
روح الامیں یہ سن کے چلے واں سے شادکام
دی تہنیت یہ حق کی طرف سے پس از سلام
آئے خوشی سے پیشِ رسولِ ذوی الکرام
پیدا ہوئے علیؑ ولی شاہِ خاص و عام
سن کو خوشی ہوئی یہ شہِ سرفراز کو
پس رکھ دیا زمیں پہ جبینِ نیاز کو

۲۲
سجدے سے سر اٹھا کے کہا شکر اے کریم
بے یار و بے رفیق تھا میں بے کس و یتیم
کی مجھ شکستہ دل کی کمر تو نے مستقیم
بھائی مجھے نہیں دیا، دی دولتِ عظیم
ہیں کارسازیاں تری باہر بیان سے
ان نعمتوں کا شکر کروں کس زبان سے

۲۳
فرما کے یہ کلام، شہنشاہِ انبیاؐ
پہنچے جو شاد شاد تو واں دیکھتے ہیں کیا
آغوش کھولے دوڑے سوئے خانۂ خدا
شیرِ خدا ہے سجدۂ معبود میں جھکا
حُسنِ بیاں ہر ایک نبیؐ سے زیادہ ہے
کی اس طرح تلاوتِ قرآں کہ یاد ہے

۲۴
آغوش میں نبیؐ نے اُٹھایا بصد خوشی
پھر وحدتِ خدا بہ فصاحت بیان کی
آنکھیں علیؑ نے کھول کے دیکھا رخِ نبیؐ
اور دی رسولِ حق کی رسالت پہ شاہدی
نورِ خدا سے کعبہ میں رونق دوچند تھی
بانگِ اذان و صوتِ اقامت بلند تھی

۲۵
جب کر چکا رسولِ خدا سے یہ سب کلام
لے آئے اپنے گھر میں وصی کو شہِ انام
بس پھر گیا بہ حالتِ طفلی وہ نیک نام
مشغولِ پرورش ہوئے شفقت سے روز و شام
الفت یہ تھی کہ دور نہ رکھا نگاہ سے
گہوارہ تھا قریب بہت خواب گاہ سے

۲۶
جھولے کے پاس ہر گھڑی شفقت سے جاتے تھے
منھ چوم کر زبانِ مبارک چُساتے تھے
حیدر کے گاہوارے کی ڈوری ہلاتے تھے
چھاتی پہ اپنی راتوں کو اکثر سُلاتے تھے
فرماتے تھے یہ لشکرِ دیں کا نشان ہے
یہ جسم ہے مرا یہ محمدؐ کی جان ہے

۲۷
تھا بچپنے سے عاشقِ معبود وہ امام
تکبیر ہی زبان پہ جاری تھی صبح و شام
جھولے میں تھا نہ غیر عبادت کچھ اور کام
سوتے میں بھی نکلتا تھا منھ سے خدا کا نام
گر خوش ہوئے تو ذکرِ رسالت پناہ سے
رونا کبھی جو آیا تو خوفِ الٰہ سے

۲۸

اعجاز صغر سن میں ہوئے بار ہا عیاں
ہم نام حق تھے نام خدا جب ہوئے جواں
اژدر کو چیرا قصہ میں واقف ہے اک جہاں
عیسیٰ نفس تھے مردوں کو اک دم میں بخشی جاں
کس سے بیاں ہو علم امام جلیل کے
اُستاد فضل حق سے ہوئے جبرئیل کے

۲۹

سجدہ کریں ملک وہ علیؑ کی جناب ہے
دست علیؑ خدا کے کرم کا سحاب ہے
خویش رسولؐ شافع یوم الحساب ہے
سردار اہلِ بیت ہے جنت کا باب ہے
باہر ہے اس سے جو وہ ہے ساکن کنشت میں
اس در سے جو گیا وہی پہونچا بہشت میں

۳۰

کچھ ذکر ایک روز امیر عرب کا تھا
دشمن نہ ہوتا گر کوئی زوج بتول کا
سلمان فارسی سے محمدؐ نے یہ کہا
کرتا کبھی نہ خلق جہنم کو پھر خدا
دشمن جو ان کے ہیں انھیں دوزخ سے کام ہے
فردوس شیعیانِ علیؑ کا مقام ہے

۳۱

فرماتے ہیں رسولِ خدا شاہ کائنات
اس کشتی میں جو ہے اسے طوفاں سے ہے نجات
ہے نوحؑ کا سفینہ جہاں میں علیؑ کی ذات
باہر ہے جو تباہی میں ہے وہ زبوں صفات
ہے منکروں کو خوف ہمیں کچھ اَلم نہیں
حیدرؑ ہیں ناخدا تو تباہی کا غم نہیں

۳۲

بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے
حج بھی پیادہ پا جو ہزار اس نے ہوں کئے
اور زر بہ قدرِ کوہِ اُحد راہ حق میں دے
اور بے گنہ شہید بھی ہو ظلم و جور سے
حبّ علیؑ کی مے جو نہیں دل کے جام میں
جنت کی بو نہ آئے گی اس کے مشام میں

۳۳

بیشک ہے برگزیدۂ حق وہ امام دیں
چالیس سال روتی ہے اس کے لئے زمیں
مرتا ہے اس کا شیعہ جہاں میں اگر کہیں
ایذا فشار کی بھی اسے مطلقاً نہیں
اس طرح اس کو ملتی ہے لذت مزار میں
بچے کو جوں سلاتی ہے مادر کنار میں

۳۴

ہوتی ہے جاں کنی کی جو ایذا زیادہ تر
اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں شاہ بحر و بر
اور شکل آتی ہے ملک الموت کی نظر
رکھتے ہیں اپنے زانو پہ شفقت سے اس کا سر
فرماتے ہیں کہ غم سے تجھے اب فراغ ہے
خوش ہو کہ تیرے سامنے جنت کا باغ ہے

۳۵

رہتی ہے سینہ میں جو کشاکش نفس کی دیر
چاروں طرف وہ دیکھتا ہے آنکھیں پھیر پھیر
حسرت بھی اور یاس بھی لیتی ہے آ کے گھیر
فرماتا ہے یہ تب یہ محبت خدا کا شیر
گھبرا نہ چلتے وقت کہ میں حق شناس ہوں
گر دور ہیں عزیز ترے میں تو پاس ہوں

۳۶

یہ کہہ کے کرتے ہیں ملک الموت سے کلام
لیکن یہ معتقدی ہے اور اس کا ہوں میں امام
تو قبض روح پر ہے معین کر اپنا کام
اس وقت بھی زباں پہ ہے اس کی مرا ہی نام
یہ بے قرار ہے تو علیؑ بے قرار ہے
ایذا نہ ہو اسے یہ مرا دوستدار ہے

۳۷

رکھ آتے ہیں جو قبر میں خویش و رفیق و یار
وہ بےکسی وہ تنگی و تاریکیِ مزار
رہتا ہے کوئی پاس نہ ہمدم نہ غم گسار
واں کس کا آسرا ہے بجز قہرِ کردگار
پھر سوال جب کہ نکیرین آتے ہیں
مولا جواب سب اسے بتلاتے جاتے ہیں

۳۸

کیا کیا نوازشیں ہیں نہیں اس کرم کی حد
فاقوں میں بھی سوال کسی کا کیا نہ رد
مشکل وہ کون سی ہے جو کرتے نہیں مدد
اور حشر کی حدیثوں کی ہو پہنچی ہے یہ سند
شیعوں کے پا صراط پہ جب لڑکھڑائیں گے
حضرت تب ان کے ہاتھ پکڑنے کو آئیں گے

۳۹

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ دستگیر ہے
معشوقِ خلق عاشقِ ربِ قدیر ہے
حامیِ حشر ذاتِ جنابِ امیرؑ ہے
جو بادشاہ ہے اسی در کا فقیر ہے
زوجِ بتولِ پاک کو جو مانتا نہیں
حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

۴۰

وہ دُرِّ شاہوار ہے خلقِ خدا صدف
قرآں میں جوں ہے سورۂ اخلاص کو شرف
عالم میں یوں بزرگ ہے شاہنشہِ نجف
ناحق شناس کچھ نہیں حق ہے اسی طرف
اس بات کو سمجھتا ہے جو خود عقیل ہے
حیدر کی ذات قدرتِ حق کی دلیل ہے

۴۱

یوں امتِ رسول پہ ہے حقِ مرتضیٰ
سمجھے نہ مصطفیٰ سے علیؑ کو کوئی جدا
حق جس طرح سے ہوتا ہے بیٹوں پہ باپ کا
روشن ہے یہ دلیل نہیں فرقِ مصطفیٰ
اس طرح مصطفیٰ و علیؑ کا ظہور ہے
دو آنکھیں جس طرح سے ہیں اور ایک نور ہے

۴۲

شمس الضحیٰ نبیؐ ہیں تو بدر الدجا ہیں یہ
وہ فخرِ انبیا تو شہِ اولیا ہیں یہ
بحرِ کرم جو وہ ہیں تو کانِ سخا ہیں یہ
وہ شاہِ انبیا شرفِ اوصیا ہیں یہ
دیکھے حدیث کو جسے کچھ اشتباہ ہے
اس پر حدیث نفسک نفسی گواہ ہے

۴۳

ہے آستانِ شاہِ نجف سجدہ گاہِ خلق
واں کا غبار سرمۂ نورِ نگاہِ خلق
حصنِ حصینِ امن ہے پشت و پناہِ خلق
ہے اس کی بارگاہ جو ہے بادشاہِ خلق
واں کی زمیں سے مرتبہ پست آسماں کا ہے
کہتے ہیں جس کو عرش وہ فرش اس مکاں کا ہے

۴۴

ہیں سنگ واں کے لعل تو ذرے ہیں آفتاب
جس در کو دیکھیے وہ ہے خلدِ بریں کا باب
کوثر ہے واں کے پانی کے قطرے سے آب آب
روضہ علیؑ کا روضۂ رضواں کا ہے جواب
رحمت بھری ہے واں کے ہر اک سنگ و خشت میں
پہونچے جو صحن میں ہوئے داخل بہشت میں

۴۵

شکلِ کعبۂ دعا ہے کشادہ درِ رواق
گر دیکھنے کا صحن کے ہو جائے اتفاق
ہے رشکِ طاقِ بیتِ مقدس ہر ایک طاق
دل میں رہے نہ روضۂ رضواں کا اشتیاق
حق ہے کہ کیا جناب ہے اور کیا مقام ہے
ادنیٰ گیا تو اس کا بھی اعلیٰ مقام ہے

۴۶

اک دن رسولِ حق سے کسی نے یہ عرض کی
ارشاد آپ کیجئے کچھ رتبۂ علی
فرمایا مصطفٰے نے کہ میں اور مرا وصی
تھے ایک نور خلقتِ آدم بھی جب نہ تھی
مانند روح و جسم کے باہم رہا ہوں میں
مجھ سے جدا نہ وہ ہے نہ اس سے جدا ہوں میں

۴۷

میرے لئے ہے گرچہ رسالت کا مرتبا
تین اس میں پر فضیلتیں مجھ سے بھی ہیں سوا
اک یہ کہ حق نے بھیجا برادر اسے دیا
میرے لئے نہیں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
بی بی مجھے نہ مالک روز جزا ملی
زوجہ علیؑ کو فاطمہؑ سی پارسا ملی

۴۸

بیٹے ملے حسینؑ و حسنؑ سیدِ جلیل
قدموں پہ جن کے آنکھوں کو ملتا ہے جبرئیل
اُن کا تمام خلق میں کوئی نہیں عدیل
وہ قاسمِ بہشت ہیں مختار سلسبیل
اب تو ہی دیکھ رتبہ کو شیر الٰہ کے
ایسے پسر کہاں ہیں رسالت پناہ کے

۴۹

میرا وصی ہے بعد مرے مالکِ جہاں
جسم اس کا میرا جسم ہے جان اس کی میری جاں
خون اس کا میرا خون ہے لاریب و بے گماں
ہے مرتضیٰ علیؑ کا خدا آپ مدح خواں
اس کے سوا ہے کس کا یہ رتبہ جہان میں
ہے آیۂ مباہلہ حیدر کی شان میں

۵۰

معجز نمائیوں کا کروں اس کی وصف کیا
کرتا تھا ماں کے بطن میں تعظیم مصطفٰے
تھا وہ ازل سے شیفتۂ ذاتِ کبریا
ہوتے ہی خلق سجدۂ معبود میں جھکا
ہیبت سے اہلِ کفر کے ہتھیار گر پڑے
کعبے میں جتنے بت تھے سب اک بار گر پڑے

۵۱

اور حال یہ عبادتِ حیدرؑ کا ہے رقم
حمدِ خدا سوا نہ گزرتا تھا کوئی دم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشہِ اُمم
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
احوال یہ تھا سجدے میں اس خوش خصال کا
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا

۵۲

ہر روز روزہ رکھتا تھا وہ سرورِ عرب
ذکرِ خدا میں کٹتی تھی رو کر تمام شب
دنیا میں تھے پر ان کو نہ دنیا کی تھی طلب
فرماتے تھے یہ آتا تھا وقتِ نماز جب
میں کیا ہوں بندگی ہے مری کس شمار میں
عاجز ہوں میں عبادتِ پروردگار میں

۵۳

فرماں روائے خلق تھا ہر چند وہ امام
لیکن نمک سے کھاتا تھا نانِ جویں مدام
بھوکوں کو کھانا دیتا تھا جاری تھا فیض عام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتا تھا ہم کلام
غم بےکسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا

۵۴

پوشاک تھی نہ اور بجز کہنہ پیرہن
سو وہ بھی اس لئے تھا کہ ہوگا وہی کفن
ڈھانپا کبھی نہ تاقم و سنجاب سے بدن
یا انتظارِ مرگ تھا یا خوفِ ذوالمنن
جب خانۂ خدا میں عبادت کو جاتے تھے
مانند بید عضو بدن تھرتھراتے تھے

۵۵

ملتی تھی مُزدِ آب کشی جو بہ وقتِ شام
اندھوں پہ اور غریبوں پہ الطاف تھا مدام
رانڈوں کو جا کے اس کا کھلاتے تھے طعام
فرماتے تھے جو پوچھتا مولا کا کیا ہے نام
کیا پوچھتے ہو عبد خدائے قدیر ہوں
جس طرح تم فقیر ہو میں بھی فقیر ہوں

۵۶

گر پوچھتا کوئی کہ ہے گھر آپ کا کہاں
کنجِ لحد ہوا نہیں اپنا کوئی مکاں
فرماتے بے نشانوں کا پوچھو نہ کچھ نشاں
کیا خاک گھر بنائے کوئی زیرِ آسماں
پابند کچھ نہیں ہوں کہ تکیہ پہ سر رہے
دم بھر جہاں زمیں میں جگہ پائی مر رہے

۵۷

جب اہلِ بیتؑ سامنے کھانے کو لاتے تھے
اک قرصِ نانِ جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے
لذّت کے کھانے شیرِ خداؑ کو نہ بھاتے تھے
ہوتا کوئی مُصِر تو یہ رو کر سناتے تھے
اس خوف سے ہے دل مرا بیتاب سینے میں
میں کھاؤں اور کوئی ہو بھوکا مدینے میں

۵۸

افتادگی یہ تھی کہ نہیں جس کی انتہا
انگشتری رکوع میں سائل کو کی عطا
اب سنیے مرتضےٰ کی سخاوت کا ماجرا
سارا خراجِ ملکِ یمن جس کی تھی بہا
کون اُس ولیِ حق سا سخی ہے جہان میں
جس نے قطار اونٹوں کی بخشی اک آن میں

۵۹

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ اِنکسار
قنبر سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
اک روٹی دیجئے مجھے یا سیر کر دگار
بھوکے کو جلد سیر کر اے عبدِ باوقار
عرض اس نے کی جنابِ امامِ کبار میں
ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

۶۰

قنبر سے تب یہ شیرِ خدا نے کیے کلام
عرض اس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام
وہ اونٹ کر تو اس کے حوالے مع طعام
جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام
فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں
دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

۶۱

قنبر نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار
پوچھا سبب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار
اور دور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار
حضرت کا بحرِ جود و سخاوت ہے بے کنار
ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں
مجکو نہ بخش دیجئے کہیں اس قطار میں

۶۲

بہر وفائے نذر جو صائم ہوئے امام
مولا کو جَو کی روٹی بہم پہونچی وقتِ شام
اور دن ہوا تلاوتِ قرآن میں تمام
سائل پکارا در پہ یہ حیدرِ کرار کے نام
میں فاقہ کش یتیم ہوں تم حق کے شیر ہو
حاضر ہو کچھ تو دو کہ یہ محتاج سیر ہو

۶۳

اُس صاحبِ کرم نے سنی جب کہ یہ صدا
بنتِ نبیؐ و فضّہ و سبطینِ مصطفا
وہ روٹی اپنے حصّے کی سائل کو کی عطا
دے آئے اپنا حصّہ بھی اور شکرِ حق کیا
پانی سے روزہ کھولا شہِ ذوالفقار نے
فاقے میں کاٹی رات سر اک روزہ دار نے

۶۴

پھر صوم سے تھے دوسرے دن شبرِ ذوالجلال
سائل نے وقتِ شام پھر آکر کیا سوال
افطار کرنے پائے نہ تھے پانچوں خوش خصال
پھر بخشی نانِ جو سے بارِ غربت کمال
تھا روزہ تیسرا کہ وہ آیا اُسی طرح
پھر پانچوں صاحبوں نے کھلایا اسی طرح

۶۵

جس دن وہ تینوں نذر کے آخر ہوئے صیام
تھا فاطمہؑ کا ضعف سے لرزاں بدن تمام
اور چوتھے دن بھی کچھ نہ میسر ہوا طعام
فاقوں سے شبرِ حق میں نہ تھی طاقتِ کلام
مشکل تھا بولنا حسنؑ تلخ کام کو
غش آتے تھے حسین علیہ السلام کو

۶۶

منھ خشک رنگ زرد تھا اشکوں سے چشم نم
اُن سے علیؑ یہ کہتے تھے بیٹا نہ کھاؤ غم
اور بھوک سے لگا ہوا تھا پشت سے شکم
کھانا جو تین روز سے پہونچا نہیں ہم
راحت ہے راہِ حق میں جو ہم رنج سہتے ہیں
ہوتے ہیں جو سخی وہی بھوکے بھی رہتے ہیں

۶۷

گو تم پہ درد و رنج و الم کا وفور ہے
سائل کو گر نہ دیجئے ہمت سے دور ہے
بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربِ غفور ہے
بچپن سے بھوک پیاس کی عادت ضرور ہے
فاقوں میں زخمِ تیغ و سناں تن پہ کھاتے ہیں
بیٹا ابھی بہت تمھیں صدمے اٹھانے ہیں

۶۸

کیا غش پڑے ہو تکیے سے بیٹا اٹھاؤ سر
زہراؑ نے تب علیؑ سے کہا یہ بچشمِ تر
رازق کرے گا رحم اسی پر رکھو نظر
کیا عمر ہے حسینؑ کی یا شاہِ بحر و بر
اس کی گرسنگی سے مرے دل میں درد ہے
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں رنگ زرد ہے

۶۹

بچوں کو بھوک پیاس میں آتا نہیں قرار
اس صبر پہ حسینؑ کے ہو فاطمہؑ نثار
مادر سے کھانا مانگتے ہیں رو کے بار بار
بھوکا رہا ہمارے برابر یہ گل عذار
کیوں کر خدا نہ ہوئے گا خوش اس کی بات سے
سائل کو روٹی دوڑ کے دی ننھے ہاتھوں سے

۷۰

زہراؑ سے تب یہ کہنے لگے رو کے مرتضیٰ
سائل کو روٹی دینے کا اس کو عجب ہے کیا
صابر مرا حسینؑ ہے ایوب سے سوا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا
صبر اس کا تا بہ حشر ہر اک کو رلائے گا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا

۷۱

فرمایا فاطمہؑ نے کہ اے شیرِ ذوالجلال
فاقے سے تین دن کے ہے صاحب یہ نونہال
میرا حسینؑ بھوک سے ہے اب بہت نڈھال
زہراؑ سے اب تو دیکھا نہیں جاتا اس کا حال
بچوں کی میرے فاقہ کشی پر نظر کرو
بیٹھے ہو کیا رسولِ خدا کو خبر کرو

۷۲

زہراؑ یہ کہہ رہی تھیں علیؑ سے بحالِ زار
تعظیم کو نبیؐ کی اُٹھے شاہِ ذوالفقار
تشریف لائے اتنے میں محبوبِ کردگار
پر کانپتے تھے پاؤں نقاہت تھی آشکار
زار و نحیف بنتِ رسالت پناہ تھی
فاقوں سے دونوں بیٹوں کی حالت تباہ تھی

۷۳

بچوں کا حال دیکھ کے گھبرا گئے رسولؐ
مرجھائے آج کیوں ہیں یہ میرے چمن کے پھول
پوچھا یہ مرتضیٰؑ سے کہ اے شوہرِ بتولؑ
روداد سب علیؑ نے کہی با دلِ ملول
غم سے رہی نہ تاب شہِ مشرقین کو
رونے گلے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

۷۴

پھر فاطمہؑ کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
سنتا ہوں تین دن ہوئے کھانا نہیں ملا
اے میری فاقہ کش تری ہمت کے میں فدا
افسوس تیرے حال سے میں بے خبر رہا
پھر بولے اے خدا مرے فرزند مرتے ہیں
فاقہ سے تین تین دن ان پر گذرتے ہیں

۷۵

رو رو کے کہتے تھے یہ ابھی سیدِ انام
آیاتِ ہل اتیٰ کو دیا اور یہ کلام
جو آئے جبرئیلؑ امیں با صد احترام
راضی ہے مرتضیٰؑ سے بہت ربِ ذوالکلام
فاقے کیے جو راہ خدائے قدیر میں
آیا ہے سورہ مدحِ جنابِ امیرؑ میں

۷۶

جبرئیلؑ سے یہ مژدہ محمدؐ نے جب سنا
فرطِ خوشی سے منشرح ہوا رو دئے مرتضیٰؑ
درگاہِ حق میں شکر کا سجدہ ادا کیا
رکھ کر زمیں پہ سر کو بصد عجز یہ کہا
بندے پہ کیا عنایتِ پروردگار ہے
یہ ایک مشتِ خاک کا عزّ و وقار ہے

۷۷

میں کیا ہوں مجھ سے کون سا ایسا ہوا عمل
بخشا اسی نے صبر کہ آیا نہیں خلل
بھوکا اگر رہا تو نہیں تخمہ کا محل
لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
دے سکتا تھا میں رزق یتیم و اسیر کو
اس نے دیا تو میں نے کھلایا فقیر کو

۷۸

ہمت اسی نے دی یہ سخاوت اسی نے دی
قوت اسی نے بخشی شجاعت اسی نے دی
فاقوں میں مجھکو صبر کی طاقت اسی نے دی
اس عبدِ خاکسار کو عزت اسی نے دی
لطف و کرم نے محرمِ رازِ خفی کیا
اپنے حبیب کا مجھے اس نے وصی کیا

۷۹

ادنیٰ سا یہ سخاوتِ حیدرؑ کا ہے بیاں
مشہور تھا وہ ناصرِ پیغمبرِ زماں
عالم پہ جرأتِ اسد اللہ ہے عیاں
کیں فتح اہلِ کفر کی کیا کیا لڑائیاں
جتنے دلاورانِ جہاں اور دلیر ہیں
شیرِ خدا کی ضرب کی دہشت سے زیر ہیں

۸۰

کس طرح ذوالفقار کی برش کی ہو ثنا
ہر معرکے میں وہ نظر آتی ہے شکلِ لا
حرفوں سے حرف لکھتے ہیں ہو جاتے ہیں جدا
یعنی نہیں علیؑ کے سوا شاہ لافتا
اغراق کچھ نہیں ہے یہ تشبیہ ٹھیک ہے
ظاہر یہ اس سے تھا کہ خدا لاشریک ہے

۸۱

بدر و حنین و کعبہ و خیبر سے تا اُحد
دستِ خدا کا وار کسی سے ہوا نہ رد
ہر جنگ میں علیؑ نے محمدؐ کی کی مدد
اس ادّعا کے راست پہ ہے لافتیٰ سند
برّش پہ ذوالفقار کی قاطع دلیل ہے
اب تک دو نیم جس سے پرِ جبرئیلؑ ہے

۸۲

بارہ برس کی عمر میں قوت تھی اس قدر
دی ہے کتب میں اہلِ تواریخ نے خبر
خیبر کا در اُکھاڑ لیا اور لیا سپر
چالیس من کا حلقہ تھا ہفتاد من کا در
شیرِ خدا نے زورِ ولایت دکھا دیا
خندق پہ پل نہ تھا تو اسے پل بنا دیا

۸۳

اس پل سے اترے جب کہ جواں آٹھ نو ہزار
قائم ہوا یہ ہیں قدم شاہ ذوالفقار
تکبیر کہہ کے بولا یہ اک مرد باوقار
بولے نبیؐ ہوا اسے سمجھو نہ زینہار
خیبر کا در ہے دستِ امام جلیل پر
قائم ہیں دونوں پاؤں پہ جبرئیل پر

۸۴

مشہور ہے جہان میں جنگِ اُحد کا حال
فوجِ رسولؐ بھاگ گئی سب دمِ جدال
جس وقت اہلِ کفر کی کثرت ہوئی کمال
محبوبِ ذوالجلال کو تب آگیا جلال
پھر کر اِدھر اُدھر جو نظر کی عتاب میں
غیر از علیؑ کسی کو نہ پایا رکاب میں

۸۵

احمدؐ پہ تھا ہجوم سپاہِ منافقیں
ڈر سے علیؑ کے پر کوئی آتا نہ تھا قریں
تھی ہاتھ میں کھنچی ہوئی ہر اک کے تیغِ کیں
پتھر نبیؐ کو مارتے تھے سنگ دل لعیں
زخمی جو یک بہ یک لبِ معجز نما ہوئے
درجِ دہن سے گوہرِ دنداں جدا ہوئے

۸۶

آلودِ خوں میں جب ہوئے محبوبِ کردگار
اس دم نہ مرتضیٰؑ کو رہی طاقتِ قرار
ناقہ بڑھا کے آپ کیا عزمِ کارزار
کھینچی خدا کے شیر نے گھبرا کے ذوالفقار
دہشت سے الاماں کی فلک تک صدا گئی
گاؤِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھرا گئی

۸۷

چمکی وہ دم نبرد جو وہ برقِ شعلہ ور
اللہ رے ضربِ تیغِ علیؑ رخ کیا جدھر
روحیں تنوں کو چھوڑ کے بھاگیں سوئے سقر
روحیں تنوں کی لوٹ رہی تھیں زمین پر
نصرت فدا تھی جراءت و ہمت نثار تھی
لاسیف ولافتیٰ کی فلک پر پکار تھی

۸۸

آتے تھے اہلِ کفر محمدؐ پہ فوج فوج
دونا تھا ذوالفقار کا اس معرکے میں اوج
دریائے حرب چار طرف مارتا تھا موج
ہر فرد کو بھگاتا تھا خیر النساء کا زوج
آئے نظر نہ وہ جنھیں قصد مصاف تھا
حملہ نہ ہو چکا تھا کہ میدان صاف تھا

۸۹

خندق میں جب شروع ہوئی مصطفیٰؐ سے جنگ
مشہور ہے وہ بحرِ شجاعت کا تھا نہنگ
تھی ابن عبدود کی شجاعت سے فوج تنگ
دو چار سو سے سامنا کرنا تھا اس کو ننگ
منھ پھیرتا نہ تھا وہ کسی کارزار سے
لڑتا تھا معرکے میں اکیلا ہزار سے

۹۰

آئی نظر جو فوجِ رسولِ خدا کی شان
کفار مستعد ہوئے نیزوں کو تان تان
اس نے بھی اپنی فوج کے کھلوا دیے نشان
آگے بڑھا جلو میں کئی سو لیے جوان
مشہور خلق معرکہ آرا سے رزم تھا
محبوب حق کے قتل کا کافر کو عزم تھا

۹۱

رکھے ہوئے تھا خود کلاں فرق نحس پر
تھی پشت سے لگی ہوئی اک آہنی سپر
بر میں زرہ تھی کاندھے پہ تھا گرز گاؤ سر
لنگر یہ تیغ میں کہ کرے کوہ میں گزر
سب گھوڑوں سے بلند قوی راہوار تھا
اک دیو تھا کہ کوہ کے اوپر سوار تھا

۹۲

بڑھتا ہوا رجز جو پڑھا وہ دم نبرد
تھا لاف زن رسولؐ کا جو ہو شریک درد
اصحاب مصطفیٰؐ ہوئے دہشت سے اس کی زرد
صف سے نکل کے آئے مرے سامنے وہ مرد
طاری تھا خوف فوج پہ اُس کے بیان سے
نکلا نہ کوئی جنگ کو اُس پہلوان سے

۹۳

اصحاب سے نبیؐ نے یہ اس دم کیا خطاب
سب سرنگوں تھے ڈر سے نہ تھی بولنے کی تاب
دیوے زبان تیغ سے اس کو کوئی جواب
آخر بڑھے پرے سے امام فلک جناب
کی عرض مصطفیٰؐ سے یہ کیا انتظار ہے
بندہ رضا لئے حرب کا اُمیدوار ہے

۹۴

کی عرض ہاتھ جوڑ کے حیدرؑ نے تین بار
نزدیک تھا کہ فوج محمدؐ کرے فرار
محبوب حق نے پر نہ دیا حکم کارزار
سلماں نے عرض کی کہ فدا ہو یہ جاں نثار
سر بر نہ ہوگا کوئی جواں اس جوان سے
نکلے گی ذوالفقار نہ جب تک میان سے

۹۵

یہ سُن کے آبدیدہ ہوئے شاہ بحر و بر
پہنائی اپنے تن کی زرہ ان کے جسم پر
اپنے عمامہ کو کیا حیدرؑ کا تاج سر
ہاتھوں سے اپنے باندھی ید اللہ کی کمر
حفظ خدا علیؑ ولی کی سپر ہوئی
قبضے میں ذوالفقار کلید ظفر ہوئی

۹۶

رخصت نبیؐ سے ہو کے جو وہ شیر نر چلا
قبلہ کی سمت ہاتھ اٹھا کر یہ کی دُعا
پڑھتے تھے رو کے آیۂ نصرت کو مصطفیٰؐ
تو مرتضیٰ علیؑ کا نگہبان ہے خدا
بے تاب ہوں یہ میری دعا مستجاب ہو
عمرو ابن عبدود پہ علیؑ فتحیاب ہو

۹۷

یارب یہ تیرا بندۂ طاعت گذار ہے
عابد ہے متقی ہے یہ اور خاکسار ہے
یارب یہ روزہ دار ہے شب زندہ دار ہے
یہ تیرے نام پاک پہ دل سے نثار ہے
دنیا بہت ذلیل ہے اس کی نگاہ میں
جان اپنی صرف کرتا ہے یہ حق کی راہ میں

۹۸

کرتے تھے یاں نبیؐ یہ مناجات بار بار
پڑھ کر رجز کو ہاتھ میں تولی جو ذوالفقار
پہنچا خدا کا شیر یہ میدان کارزار
چومے قدم نصیب نے نصرت ہوئی نثار
خادم کوئی جلو میں تھا نے راہوار تھا
اس دن پیادہ پا نہ دُلدل سوار تھا

۹۹

عمرو ابن عبدود سے یہ کی پہلے گفتگو
پیرو نبیؐ کا ہو کہ زیادہ ہو آبرو
اقرار کر اللہ کی وحدانیت کا تو
یا ترک کر محاربہ احمدؐ سے اے عدو
ڈر حق سے اور درپئے جنگ و جدل نہ ہو
تا انتظام دین نبیؐ میں خلل نہ ہو

۱۰۰

ہنس کر علیؑ سے بولا یہ وہ نطفۂ حرام
واقف ہیں میرے زورِ شجاعت سے خاص و عام
میں نے کبھی سنے نہیں اس طرح کے کلام
لڑکے سے کیا لڑوں کہ یہ ہے ننگ کا مقام
ناحق تو جان دینے کو آیا ہے آپ سے
پھر جا کہ دوستی ہے مری تیرے باپ سے

۱۰۱

آشفتہ ہو کے کہنے لگے مرتضیٰ علیؑ
تو دشمنِ خدا و محمدؐ ہے اے شقی
ہوتی نہیں ہے مومن و کافر میں دوستی
کر دوں گا ایک حملہ میں تجھ کو فنا ابھی
حیدر ہوں ابنِ عمِّ رسالت پناہ ہوں
لڑکا نہ جانیو کہ میں شیر اللہ ہوں

۱۰۲

آکر غضب میں گھوڑے سے کودا وہ بدسیر
دو ٹکڑے ہو نہ پائی جو وہ تیغِ کوہ بر
پئے کر کے اسپ کو ہوا حضرت پہ حملہ ور
حیدر نے بہرِ دفعِ ضررِ سر پہ لی سپر
اُس ضرب سے دو نیم علیؑ کی سپر ہوئی
سر پہ لگا جو زخم جبیں خوں سے تر ہوئی

۱۰۳

یوں دوڑ کر علیؑ نے کیا اپنا اس پہ وار
ضربت کے رد کرنے کی عدو کو ملی نہ بار
آجائے شاہباز کے پنجے میں جوں شکار
بجلی سی بس چمک کے گری سر پہ ذوالفقار
اتنا تو منھ سے فوج کے نکلا غضب ہوا
ثابت نہ تھا کسی پہ کہ دو ٹکڑے کب ہوا

۱۰۴

تکبیر کی علیؑ نے جو میدان سے دی صدا
روح الامیں نے آ کے پس از تہنیت کہا
محبوبِ حق نے شکر کا سجدہ ادا کیا
ضربِ علیؑ کی کرتا ہے تعریف کبریا
کس تیغ میں یہ ضرب ہے کس میں یہ زور ہے
گردوں پہ تہنیت کا فرشتوں میں شور ہے

۱۰۵

اتنے میں فتح کر کے پھرے شاہِ بحر و بر
حیدر کو پیار کرنے لگے سیدالبشر
ڈالا قدم پہ اسپِ نبیؐ کے عدو کا سر
فرمائی یہ حدیث زباں سے پکار کر
جس سے خدا خوشی ہے علیؑ کی وہ حرب ہے
افضل عبادتِ دو جہاں سے یہ ضرب ہے

۱۰۶

آیا نظر جو زخم سرِ مرتضیٰ علیؑ
فرماتے تھے میں آہ کہاں ہوں گا اُس گھڑی
پٹی سے اس کو باندھ کے روئے بہت نبیؐ
زخمی کرے گا جب تجھے سجدے میں اک شقی
لوٹے گا تو جو خانۂ پروردگار میں
تڑپے گی میری روح مقرر مزار میں

۱۰۷

اے مومنو شجاعتِ حیدر کا تھا یہ حال
دنیا سے جب کہ اُٹھ گئے محبوبِ ذوالجلال
کامل تھا صبر و شکر میں وہ صاحبِ کمال
آزار مرتضیٰؑ کو لگے دینے بدخصال
کیا کیا نہ شیرِ حق پہ مصیبت گذر گئی
اعدا کے ظلم و جور سے زہراؑ بھی مر گئی

۱۰۸

اس پر بھی ظالموں نے نہ کھینچا ستم سے ہاتھ
مسجد میں مرتضیٰؑ گئے گھر سے پئے صلوٰۃ
گذری مہِ صیام کی انیسویں جو رات
قتلِ علیؑ کی گھات میں تھا اک زبوں صفات
پایا جو محوِ بندگیِ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

۱۰۹ (مطلع سوم)

روؤ کہ روز قتل امیرِ عرب ہے آج
پیٹو کہ روز حشر ہے غربت کی شب ہے آج
بزم عزا میں آکے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج
پایا جو تجھ کو بندگیِ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

۱۱۰

اب پیٹنے کی جا ہے غلامانِ مرتضاؑ
آقا کی گوش دل سے مصیبت سنو ذرا
ایسا کریم، ایسا سخی، ایسا پیشوا
بے جرم حق کے سجدے میں مجروح ہوگیا
فرصت نہ دی نماز کی اس روزہ دار کو
نہلا دیا لہو میں شہِ ذوالفقار کو

۱۱۱

سجدے میں شیرِ حق کا دوبارہ ہوا جو سر
اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اُبلا لہو کہ ہوگئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

۱۱۲

پہونچی جو گوش حضرتِ زینبؑ میں یہ صدا
روکر جنابِ شبیرؑ و شبرؑ سے کہا
جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتا
کس نے کیا شہید امامِ حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

۱۱۳

یہ سُن کے دوڑے جانبِ مسجد حسنؑ حسینؑ
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بہ شور و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہ مشرقین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

۱۱۴

گہ زخمی سر کو دیکھ کے کرتے تھے یہ بیاں
ٹوٹی بس اب ہماری کمر ہائے بابا جاں
نانا ہمارے سر پہ نہ جیتے ہیں اور نہ ماں
جاویں گے جس طرف نہ ملے گی ہمیں اماں
بیٹوں کو قیدِ غم سے چھڑاؤ تو خوب ہے
ساتھ اپنے ہم کو لیتے ہی جاؤ تو خوب ہے

۱۱۵

فریاد ہے کہ خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
زخمی کیا وصیِ محمدؐ کو بے گناہ
یہ کہہ کے لائے روتے ہوئے تا بہ خوابگاہ
حضرت کی آنکھیں بند تھیں کرتے تھے آہ آہ
خوں سے عبا تھی سرخ جراحت میں درد تھا
مانندِ زعفراں رخِ پُرنور زرد تھا

۱۱۶

حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب باوفا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
تم سے وصیِ رسولؐ کا ہوتا ہے اب جدا
وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا
غم میں ہمارے خاک سروں پہ اڑاؤ گے
کل خویشِ مصطفیٰؐ کو نہ دنیا میں پاؤ گے

۱۱۷

کی اٹھ کے صعصعہ بنِ سحبان نے عرض تب
خاطر میں چند مسئلے ہیں یا شہِ عرب
جب چاہا اس کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب
دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب
خادم امیدوار ہے اس کے جواب کا
آدم کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا

۱۱۸
سر کو جھکا کے شیر خدا نے دیا جواب
گندم کے کھانے سے وہ ہوئے مورد عتاب
آتا ہے مجھ کو اپنی تمنا کرنے سے حجاب
میں نے بغیر شبع کیا اس سے اجتناب
فاقوں میں شکر حق سے زباں آشنا رہی
نانِ جویں ہمیشہ علیؑ کی غذا رہی

۱۱۹
کی عرض اُس نے رو کے کہ اے شاہ لافتا
فرمایا جب کہ اُمتِ سرکش نے کی جفا
رتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
کی حق میں اُن کے نوح سے صابر نے بددعا
باندھا ستمگروں نے گلا ریسمان سے
میں نے دعا لے بد نہ کبھی کی زبان سے

۱۲۰
اور دوسرے سعید نہ تھا نوحؑ کا پسر
میرے پسر رسولؐ کے ہیں پارۂ جگر
کافر رہا سدا نہ ہوا دیں سے بہرہ ور
یہ دونوں لعل عرش الٰہی کے ہیں گہر
سردار اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں
نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں

۱۲۱
پھر اس نے عرض کی کہ غلام آپ پہ نثار
فرمایا اُن کو جب ہوا یہ حکم کردگار
قدر آپ کی ہوا ہے کہ موسیٰؑ کا اقتدار
فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں
گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لے کے جاؤں میں

۱۲۲
مجھ سے رسولِؐ پاک نے جس دم کہی یہ بات
تھے جمع واں بہت سے صنادید بد صفات
ہاں جا کے اہل کعبہ میں پڑھ سورۂ برات
لایا بجا میں حکم شہنشاہِ کائنات
سورہ پڑھا برات کا اس عزّ و شان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

۱۲۳
جب طور پہ عصا ہوا موسیٰؑ کا اژدہا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریت کا اقتضا
موسیٰ اِسے اٹھاتے ہو احکم کبریا
غیراز خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
حیدرؑ لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں
دو انگلیوں سے چیرا ہے اژدر کو مہد میں

۱۲۴
عیسیٰؑ کو اس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا
جب درد وضع حمل انھیں کعبے میں ہوا
مادر ہے ان کی حضرتِ مریمؑ سی پارسا
آئی ندائے غیب کہ باہر یہاں سے جا
یاں کوئی امر غیر عبادت روا نہیں
طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں

۱۲۵
اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی
باہر سے فاطمہؑ کو صدا یہ کسی نے دی
مادر مری دعا کے لئے کعبہ میں گئی
آ اندر آ تو کعبہ کے اے مادر علیؑ
مریم سے مرتبہ ترا اس دم زیاد ہے
تو ہے کنیز خاص علیؑ خانہ زاد ہے

۱۲۶
یہ کہتے تھے کہ شیر خدا کو غش آ گیا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا
پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
ٹھہر جاؤ اپنے وقت ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہِ کون و مکان کو
جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

۱۲۷

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہِ ذوالفقار
زینبؑ بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
آؤ مرے قریب کہ ہے وقت احتضار
یہ سن کے روتے روتے دم آنکھے اُلٹ گئے
بارہ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے

۱۲۸

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا
عبّاس نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
اور ہاتھ اُن کے ہاتھوں میں زوجیوں کا ہا
چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاس ادب سے باپ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں ان کو دیکھتی تھی وہ منہ ماں کا تکتے تھے

۱۲۹

اُمّ البنین قدم پہ گری کھولے سر کے بال
عباسؑ سے ہے خاطرِ اقدس پہ کچھ ملال
کی عرض یا علیِ ولی مشیر ذوالجلال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
رہتا نہ خدمتِ حسنؑ خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا ان کے ہاتھ میں

۱۳۰

اُمّ البنین سے رو کے علیؑ نے کہی یہ بات
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات
دیتا حسنؑ کے ہاتھ میں کیونکر میں ان کا ہات
اور عاشقِ حسینؑ ہے عبّاس نیک ذات
شان بہادری ہے ترے نورِ عین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دستِ حسینؑ میں

۱۳۱

عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا
اے لال یہ غلام تمھارا ہے باوفا
ہاتھ اس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ سے کہا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
آفت کا دن جو تجھکو مقدر دکھائے گا
اُس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

۱۳۲

عباسؑ سے کہا کہ سُن اے میرے نونہال
رکھیو ہمیشہ خاطرِ شبیرؑ کا خیال
تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفیٰؐ کا لال
اس کا ملال احمدِ مُرسل کا ہے ملال
پیشِ خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
تجکو بھی پاس رہتا ہے اس نورِ عین کا

۱۳۳

خدمت سے کیجیو نہ کبھی حال میں قصور
دلبندِ فاطمہؑ کا ہے پاس ادب ضرور
تو ایک مشتِ خاک ہے یہ ہے خدا کا نور
جو اس کے دل سے دور ہے وہ ہے خدا سے دور
آقا کا ساتھ تا دمِ مُردن نہ چھوڑ تو
سب چھوٹیں پر حسینؑ کا دامن نہ چھوڑ تو

۱۳۴

بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر
پہونچے جو کربلا میں یہ سلطان بحر و بر
پہلے مرے حسینؑ سے تو باندھیو کمر
خیمہ کی چوکی شام سے تم دیجو تا سحر
روزِ نبرد معرکہ آرائی کیجیو
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو

۱۳۵

یہ سن کے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار
اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
فرزند دل کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی

۱۳۶

اک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
آتے ہیں میرے لینے کو جنّت سے مصطفےٰ
جلووں میں ہاتھ دے کے اٹھاؤ مجھے ذرا
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتا
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے
غل پڑ گیا کہ حیدرِ کرّار مر گئے

۱۳۷

فوجِ ملک میں شور قیامت ہوا عیاں
جنات پیٹنے لگے با نالہ و فغاں
تھرا گئی زمین لگا پھٹنے آسماں
ما بین آسمان و زمیں تھا یہی بیاں
واحسرتا کہ تختِ امامت الٹ گیا
بس آج زورِ آلِ محمد کا گھٹ گیا

۱۳۸

بیٹوں نے بہرِ غسل اتارا جو پیرہن
رو کر کہا حسینؑ نے بھائی سے یہ سخن
پیوند اس کے دیکھ کے رونے لگے حسنؑ
مدت سے تھا گلے میں یہی جامۂ کہن
جو کہتا تھا کہ رختِ بدن چاک چاک ہے
کہتے تھے مشتِ خاک کی پوشاک خاک ہے

۱۳۹

تجہیز تا کو غسل جو دینے لگے پسر
آیا تھا خلد سے کفنِ شاہِ بحر و بر
پھرتا تھا آپ جسمِ مبارک ادھر ادھر
زہرا کے لال کہتے تھے سر پیٹ پیٹ کر
بابا رسولِ پاک سے ملنے کو جاتے ہیں
ہم خلعتِ اخیرِ پدر کو پنہاتے ہیں

۱۴۰

اس وقت یہ حسنؑ سے کسی شخص نے کہا
یہ سن کے اہلِ بیت میں رونے کا غل اٹھا
نیلے نشان دوش پہ کیسے ہیں جا بجا
بولے حسن کہ رات کو لے جاتے تھے صدا
اک دوش پر اناج فقیروں کے واسطے
اک دوش پر طعام اسیروں کے واسطے

۱۴۱

تابوت میں جو رکھ چکے فرزندِ ارجمند
ڈالی ردائے سبز جو تابوت کرکے بند
دل سوزِ غم سے جلنے لگا صورتِ سپند
آگے سے تب جنازہ ہوا خود بخود بلند
غل تھا جنازۂ شہِ مرداں رواں ہوا
دیکھو ہوا پہ تختِ سلیماں رواں ہوا

۱۴۲

بیٹے جو گھر سے لے چلے تابوت شاہ کا
غل پڑ گیا کہ ہائے علیؑ وائے مرتضےٰ
ازواج میں علیؑ کے قیامت ہوئی بپا
ام البنین نکل پڑیں گھر سے برہنہ پا
چلاتی تھیں مجھے نہیں صورت دکھاتے ہیں
شیرِ الٰہ قبر میں سونے کو جاتے ہیں

۱۴۳

گھر سے پسِ جنازۂ سلطانِ بحر و بر
زینب پکارتی تھیں کہ بابا چلے کدھر
ساری زنانِ ہاشمیہ نکلیں ننگے سر
بیٹی نثار ہائے مرے فاقہ کش پدر
آیا ہے روزِ عید خوشی لوگ ہوئیں گے
ہم منہ کو اپنے ڈھانپ کے اب گھر میں روئیں گے

۱۴۴

اور پیچھے اس جنازہ کے فضہؑ کا تھا یہ حال
کہتی تھی پیٹ کر سر و زانو بہ صد ملال
غم تھا کہ گھر میں اور کھلے تھے سفید بال
بچے تباہ ہو گئے یا شیرِ ذوالجلال
بیٹھے گی کوئی خاک کوئی سر پہ ڈالے گی
کس کس کو تم بغیر یہ لونڈی سنبھالے گی

۱۴۵
غصہ سے تب حسینؑ نے رو کر کیا کلام
در بند کر کے بازوئے ام البنین کو تھام
چادر سے سر کو ڈھانپ یہ ہے صبر کا مقام
گھر سے کہیں نکل نہ پڑیں بیبیاں تمام
صدمے سے باپ کے دلِ کلثومؑ پھٹ نہ جائے
زینبؑ کہیں جنازے سے آکر لپٹ نہ جائے

۱۴۶
بازار میں جو کوفہ کے پہونچے بہ چشم تر
بارہ پسر تھے ساتھ جنازے کے ننگے سر
اک شور تھا علیؑ نے جہاں سے کیا سفر
جاتے تھے گرد و پیش زن و مرد نوحہ گر
مولا کے عدل و داد کے مذکور ہوتے تھے
بازاری سب دوکانوں پہ اٹھ اٹھ کے روتے تھے

۱۴۷
سر اپنا پیٹ پیٹ کے چلاتے تھے فقیر
قیدی پکارتے تھے کہ اے کل کے دستگیر
ہم لوگ مر گئے ترے مرنے سے اے امیر
اب کس کی راہ رات کو دیکھیں گے ہم اسیر
کہتی تھیں رانڈیں خلق سے وارث گذر گیا
چلاتے تھے یتیم کہ باپ آج مر گیا

۱۴۸
کہتا تھا کوئی مر گیا احمدؐ کا جانشیں
دم سے ابوتراب کے تھی رونقِ زمیں
کہتا تھا کوئی ٹوٹ گیا آج رکنِ دیں
افسوس بے چراغ ہوئی بزمِ مومنیں
عالم کے سر کا تاج زمانے سے اٹھ گیا
ہادی ہمارا آج زمانے سے اٹھ گیا

۱۴۹
اس شور میں یہ فاطمہؑ کی آتی تھی صدا
وارث نہ کوئی زینبؑ و کلثومؑ کا رہا
بچے مرے یتیم ہوئے وا مصیبتا
ماں مر چکی تھی آگے ہی بابا بھی اب مرا
بچوں کو تھامتے ہیں جو ماں باپ ہوتے ہیں
کیسے بلک بلک کے مرے لعل روتے ہیں

۱۵۰
بس آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ رقم
طاری ہے شیعیانِ علیؑ پر ہجومِ غم
ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
کر تو دعا یہ حق سے کہ جب تک ہے دم میں دم
جاری زباں پہ نہ کوئی اور حرف ہو
مداحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

سلام

بجز پنجتنؑ کسی کی تولا نہ چاہیئے
غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیئے

خادم امیدوارِ حضوری ہے یا حسینؑ
چاہیں اگر حضور تو پھر کیا نہ چاہیئے

اک در پہ بیٹھ رہے توکلِ کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے

تکرار کیا ہے زندگیِ مستعار میں
اے موت بار بار تقاضا نہ چاہیئے

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیئے

ہر اک کے واسطے ہے ترقی بہ قدرِ حال
اسفل کو فکرِ منصبِ اعلیٰ نہ چاہیئے

ہر کوہ پہ نہ ہوگی تجلی مثالِ طور　　ہر ہاتھ کے لئے ید بیضا نہ چاہیئے
کھانے کو رزق رہنے کو گھر اور لحد کی جا　　دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیئے
کہتے تھے شاہ پیاس میں لذت ہی اور ہے　　دریا کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیئے

قطعہ

صغراؑ نے شاہِ دیں کو لکھا خط تو بھیجئے　　گر چاہتے نہیں ہمیں اچھا نہ چاہیئے
دو بیٹیاں تو پاس ہوں اک جاں بہ لب بعید　　میں سچ کہوں یہ آپ کو بابا نہ چاہیئے
فرقت رہی تو کون سی پھر زندگی کی شکل　　بیمار پر عتاب مسیحا نہ چاہیئے
کہتے تھے فاطمہؑ سے علیؑ گھر میں جو ہو دو　　خالی کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے

قطعہ

کپڑے سپید پہنے جو قاسمؑ سے بولی ماں　　اتنی بھی سادگی نئے دولہا نہ چاہیئے
دولہا نے عرض کی کہ اجل ہے گلے کا ہار　　چہرے پہ مرنے والوں کے سہرا نہ چاہیئے
پانی کا ذکر کرتی سکینہؑ تو کہتے شاہ　　بی بی محال شے کی تمنا نہ چاہیئے
کہتا تھا شمر چادریں رانڈوں کی چھین لو　　ایسے گنہگاروں کو پردا نہ چاہیئے
عباسؑ گرد پھرتے تو کہتے یہ شاہ دیں　　تکلیف اتنی اے مرے شیدا نہ چاہیئے

قطعہ

کہتی تھی فضہ شام میں بازاریو، ہٹو　　زہرا کی بیٹیوں کا تماشا نہ چاہیئے
یہ کون بیبیاں ہیں تمھیں کچھ خبر نہیں　　آلِ رسولؐ پر ستم ایسا نہ چاہیئے
آزار تو نہ دو جو حمایت نہ ہو سکے　　کیوں کلمہ گو ہو چاہیئے ہے یا نہ چاہیئے
مرقد چراغِ داغ سے روشن ہے اے انیس　　شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیئے

رباعی

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے　　بے قدر فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظرِ مہر سے دیکھیں حیدرؑ　　ذرہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

مرثیہ

۱

مہرِ سپہرِ عزّ و شرافت ہے فاطمہؑ
شرحِ کتابِ عصمت و عفّت ہے فاطمہؑ
مفتاحِ بابِ گلشنِ جنت ہے فاطمہؑ
نورِ خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہؑ
رتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے
حوّا کا افتخار ہے مریم کا فخر ہے

۲

زہراؑ کو کیا خدا نے دیے رتبۂ جلیل
خدمت گذار جن کے سرافیل و جبرئیل
اس سیدہ کا کوئی جہاں میں نہیں عدیل
جس کی کفیل فاطمہؑ اس کا خدا کفیل
ہے فوق اس کے مرتبہ کو مہر و ماہ پر
لکھا ہے نام فاطمہؑ عرشِ الٰہ پر

۳

اللہ ری فاطمہؑ کی بزرگی ز ہے شرف
بابا ملا تو فخرِ رسولانِ ماسلف
شوہر ملا امیرِ عرب اور شہِ نجف
اللہ نے حسینؑ و حسنؑ سے دیے خلف
دونوں امامِ خلق کے حاجت روا ہوئے
مشکل کشا کے بیٹے بھی مشکل کشا ہوئے

۴

یاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام
کوثر سے منھ کو دھولے تو لے فاطمہؑ کا نام
اے دل بجز درود نہ کچھ کیجیو کلام
اے کلک اپنے سر کو جھکا دے بہ احترام
کاغذ پہ پہلے سورۂ مریم کو دم کروں
تب فاطمہ کی عصمت و عفت رقم کروں

۵

وہ فاطمہؑ کہ جو ہے سراپا خدا کا نور
پروانہ جس کے چہرۂ اقدس کی شمعِ طور
گر حور اس کو کہیے تو ہے عقل کا قصور
اس کے قدم کی خاک ہے سرمہ برائے حور
کس کو ملا یہ رتبۂ اعلیٰ جہان میں
بھیجا خدا نے آیۂ تطہیر شان میں

۶

اکثر زباں سے اپنی یہ فرماتے تھے نبیؐ
ہے فاطمہ کو حق نے بزرگی عطا وہ کی
پیدا اگر جہاں میں نہ ہوتا مرا وصی
دنیا میں پھر بتولؑ کا ہمسر نہ تھا کوئی
جو سمجھے حور عقل کا اس کے قصور ہے
میں سایۂ خدا ہوں وہ خالق کا نور ہے

۷

شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدر الدجیٰ ہے یہ
وہ جسم ہے تو جانِ دلِ مصطفیٰؐ ہے یہ
بحرِ سخا علیؑ گہرِ بے بہا ہے یہ
عبدِ خدا ہے وہ تو کنیزِ خدا ہے یہ
زاہد ہیں حق پرست ہیں خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے رتبے میں ایک ہیں

۸

دونوں کا ایک نورِ خدا سے ظہور ہے
ظاہر ہیں ان میں رجسؑ سے ہر ایک دور ہے
ہیں خاصگانِ حق ادب ان کا ضرور ہے
وہ نورِ چشم ہے تو یہ دل کا سرور ہے
ناری ہے جس نے دونوں کی خاطر ملول کی
ان کی خوشی خوشی ہے خدا اور رسولؐ کی

۹

حقا کہ فاطمہؑ کے فضائل ہیں بے شمار
دوزخ پہ اور خلد پہ اس کا ہے اختیار
لکھا ہے ہوگا عرصۂ محشر جو آشکار
اس روز ہوگی نور کے ناقے پہ وہ سوار
تابندہ ہوں گے لعل و زبرجد زمام میں
حوریں جلو میں ہوں گی ملک اہتمام میں

۱۰

ہووے گا حق سے حکم شفاعت کا سر پہ تاج
ہوئے گی اس سے سب کو شفاعت کی احتیاج
قیمت دجس کی ہو سکے کونین کا خراج
غل ہوگا دیکھو مرتبۂ فاطمہؑ کو آج
کس دبدبے سے بیٹی پیمبرؐ کی آتی ہے
سرکو سواری شافعِ محشر کی آتی ہے

۱۱

آئیں گی اس شکوہ سے محشر میں جب بتولؑ
دیکھیں گی شیعیان علیؑ کو جو دل ملول
اور جائیں گی بہشت میں وہ دلبرِ رسولؐ
ہوئے گا حکم حق کہ دعا ہے تری قبول
کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ کیا انتظار ہے
بخشش میں ان سبھوں کی ترا اختیار ہے

۱۲

کریں گی یوں وہ اپنے غلاموں کو انتخاب
کھولے گا چشم شوق سے خلد بریں کا باب
دانوں کو جس طرح سے چگتے ہیں بھوک میں عقاب
اس دم خطائیں شیعوں کی ہوجائیں گی تو اب
خنداں پھریں گے سایۂ لطفِ رحیم میں
جنات عدن میں کبھی باغِ نعیم میں

۱۳

اب زہد و فقرِ فاطمہؑ کا کچھ سناؤں حال
لاتے جو مژدۂ آب کشی شیرِ ذوالجلال
فاقے پہ فاقے کرتی تھی اکثر وہ پُر ملال
تب جو منگا کے پیستی تھی وہ نکو خصال
دولت سے کچھ غرض تھی نہ حشمت سے کام تھا
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام تھا

۱۴

جز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا
بستر سے تھا کبھی نہ تن پاک آشنا
اس میں بھی لیف خرما کے پیوند جا بجا
فرشِ زمیں تھا خوابگہہ بنت مصطفےٰ
دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نان جویں ملی

۱۵

ناقل ہے اس حدیث کا سلمان خوش سیر
فضہ نے آن کر یہ کہا تب قریب در
مسجد سے ایک دن میں گیا فاطمہؑ کے گھر
عریاں ہے پارۂ جگر سید البشر
کرلے حجاب کچھ ابھی آنا روا نہیں
بنتِ رسول پاک کے سر پر ردا نہیں

۱۶

فضہ کو میں نے اپنی ردا دے کے یہ کہا
بعد اس کے میں جو داخل بیت الشرف ہوا
لے جا کے اوڑھ لیویں اسے اشرف النسا
دیکھا کہ چکی پیستی ہیں بنت مصطفےٰ
محنت کشی کا رنج ہے اس حق شناس پر
ایک ہاتھ ہے حسینؑ پہ اک ہاتھ آس پر

۱۷

پیشانی پر عرق ہے کفِ دست ہے فگار
جاری زبانِ پاک پہ ہے حمد کردگار
دیتی ہیں دودھ روتا ہے جب طفل شیرخوار
پہلو میں مارے بھوک کے شبیرؑ ہیں بے قرار
فرماتی ہیں نہ رو کچھ اس میں بھی راز ہے
واری خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

۱۸

زہراؑ کا حال دیکھ کے دل ہو گیا کباب
اے دخترِ رسولؐ خدا اے فلک جناب
کی عرض فاطمہؑ سے یہ بادیدۂ پُر آب
ان محنتوں کی آپ کے دل میں کہاں ہے تاب
جو پیستی ہیں دودھ پسر کو پلاتی ہیں
فاقے کے ہو گئے آپ یہ ایذا اٹھاتی ہیں

۱۹

فرمایا فاطمہؑ نے پس از شکرِ کردگار
اک دن تو فضہ کرتی ہے سب گھر کا کاروبار
اور کی ہے میں نے محنتِ یک روزہ اختیار
ایذا ہو اس کو یہ نہیں منظور زینہار
گو میں محمدؐ عربی کی عزیز ہوں
حق کی کنیز وہ بھی ہے میں بھی کنیز ہوں

۲۰

سلماں یہ سن کے جانبِ مسجد ہوئے رواں
ایذائے فاطمہؑ کا نبی سے کیا بیاں
بے اختیار رونے لگے سرورِ زماں
دیکھا کبھی علیؑ کو کبھی سوئے آسماں
آنسو بھر آئے آنکھ میں شیر اللہ کی
زہرا کی بے کسی پہ محمدؐ نے آہ کی

۲۱

عصمت سرا میں روتے گئے شاہِ لافتا
اک دم کے بعد آئے خوشی پیشِ مصطفاؐ
پوچھا سبب نبیؐ نے خوشی کا تو یہ کہا
سوتی تھیں گھر میں فاطمہؑ جس وقت میں گیا
خادم بھی کوئی تھا نہ مرے نورِ عین کا
پر ہل رہا تھا آپ سے جھولا حسینؑ کا

۲۲

چکی کے آس پاس کوئی تھا نہ مطلقاً
گردش میں آپ صورتِ گردوں تھی آسیا
جو فخرو ہوتے جاتے تھے آٹا بھی گرتا تھا
تھی پیش روئے فاطمہؑ تسبیح کی صدا
سوتے میں شغلِ طاعتِ ربِّ ودود تھا
دل میں خدا کی یاد تھی لب پہ درود تھا

۲۳

کہنے لگے یہ سن کے رسولِ فلک جناب
روزے سے آج فاطمہؑ ہے یا ابا تراب
تھی بچی پیسنے کی تنِ زار میں نہ تاب
چاہا یہ کبریا نے کہ آ جائے اس کو خواب
غافل کیا بتولؑ کو راحت کے واسطے
بھجوا دیا فرشتوں کو خدمت کے واسطے

۲۴

اکثر فرشتے آتے ہیں خیر النساء کے گھر
اکثر خدا بتولؑ کی منگواتا ہے خبر
جھولے کو تو جھلاتے ہیں جبریلِ نامور
اور چکی پیستے ہیں سرافیل خوش سیر
میکال ذکرِ حق میں ہیں بدلے بتولؑ کے
پیشِ خدا یہ رتبے ہیں بنتِ رسولؐ کے

۲۵

محتاج تھی مگر تھا سخاوت کا بھی یہ حال
فاقے میں در پہ آن کے جس نے کیا سوال
دے آئیں کچھ نہ کچھ اسے جا کر وہ خوش خصال
دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھیں کچھ بھی مال
سینے میں دل علائقِ دنیا سے پاک تھا
کوہِ طلا بھی سامنے زہراؑ کے خاک تھا

۲۶

کرتا ہے ایک راویِ شیریں سخن بیاں
تھے مسجدِ مدینہ میں پیغمبرِ زماں
اعرابی ایک آ کے نبیؐ کہنے لگا ہاں
فاقے پہ فاقے کرتا ہوں اے شاہِ انس و جاں
ایماں بھی لا چکا پہ فراغت نہیں مجھے
کپڑے بناؤں اتنی بھی طاقت نہیں مجھے

۲۷

یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کائنات
اصحابِ باوفا سے نبیؐ نے کہی یہ بات
کچھ دیوے اس کو ہے کوئی ایسا نکو صفات
اٹھے سخن یہ سنتے ہی حلّالِ مشکلات
سرتاجِ دیں نے اپنا عمامہ دیا اسے
حیدر کے بعد سعدؓ نے جامہ دیا اسے

۲۸

پھر ان سبھوں سے کہنے لگے سیدِ انام
سلماں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ کیا کلام
ایسا بھی ہے کوئی جو کھلا دے اسے طعام
تفصیل تو شہ کرتا ہے اس کے لیے غلام
کوشش میں امر خیر کی جانا ثواب ہے
بھوکے کو کھانا لا کے کھلانا ثواب ہے

۲۹

سلماں یہ کہہ کے واں سے گئے فاطمہ کے گھر
مخدومۂ جہاں نے کہا تب جھکا کے سر
سائل کا حال عرض کیا سب بہ چشم تر
غیر از خدا کسے ہے مرے حال کی خبر
فرزند میرے بھوک کی شدت سے مرتے ہیں
مجھ پر تو تین روز سے فاقے گزرتے ہیں

۳۰

محتاج خود طعام کو ہیں فخر انبیا
سائل سے آہ سخت خجالت ہے دل میں کیا
گزرے ہیں روز فاقہ کشی شاہ لافتا
بچوں کو غش ہے کانپتے ہیں میرے دست و پا
طاقت نہیں ہے اتنی کہ اٹھ کر کھڑی ہوں میں
سجادے پہ نماز میں گر گر پڑی ہوں میں

۳۱

پر ہوں سخی کی بیٹی مجھے آتا ہے حجاب
خیر النسا خدا نے کیا ہے مرا خطاب
پر تو کبھی نہ ہوگا کہ سائل کو دوں جواب
ہے شرم کی جگہ جو نہ ہووے وہ بہرہ یاب
اب تک تو رد سوال کسی کا کیا نہیں
اس در پہ سائل آن کے خالی پھرا نہیں

۳۲

مشہور ہے سخاوتِ محبوب ذوالجلال
کیا جانے اجنبی مری فاقہ کشی کا حال
فیاض ہے علیؑ ولی شاہ خوش خصال
دل میں کہے گا وہ مرا خالی گیا سوال
اک نانِ جو بتول نے مجھکو عطا نہ کی
حاجت روا ے خلق نے حاجت روا نہ کی

۳۳

آخر اتار کر سرِ پُر نور سے ردا
کر رہن یہ ردا مری اور جو شتاب لا
سلماں سے زوجۂ اسد اللہ نے کہا
تا سیر ہو طعام سے اک بندۂ خدا
خالق نے کی ہے چادرِ رحمت عطا مجھے
کافی ہے سر پہ سایۂ لطفِ خدا مجھے

۳۴

لے کر ردا کو حضرتِ سلماں ہوئے رواں
رکھ یہ ردا ہے دخترِ پیغمبرِ زماں
شمعوں کے پاس جا کے کیا اس طرح بیاں
جو دے کہ اک فقیر ہے زہرا کا میہماں
گھر میں جو کچھ نہ دینے کو پایا بتول نے
چادر گرو کو بھیجی ہے بنتِ رسول نے

۳۵

یہ سنتے ہی وہ رونے لگا اور یہ کہا
کس کا یہ حوصلہ ہے بجز بنتِ مصطفےٰ
واللہ زہد یہ ہے یہ ہے ہمت و سخا
حقا کہ مصطفےٰ ہے فرستادۂ خدا
ناطق کلام حق ہے ثنا ے بتول کا
توریت میں ہے ذکر ردا ے بتول کا

۳۶

یہ کہہ کے اس نے رکھ لی وہ چادر بہ چشم تر
ہر تار جوں خطوطِ شعاعی تھا جلوہ گر
نور خدا سے ہو گیا روشن تمام گھر
لایا یہودی کلمۂ طیب زبان پر
بے دیں کو دم میں صاحبِ ایماں بنا دیا
کافر کو اس ردا نے سلماں بنا دیا

۳۷

لے آیا جا کے کچھ رطب و جو وہ با یقیں
سلمان وہ لے کے بنت نبیؐ کے گیا قریں
جلدی سے لے کے دختر سلطان مرسلیںؐ
چکی میں پیسنے لگیں جو با دل حزیں
پر تھیں یہ ناتواں کہ بدن تھرتھراتا تھا
زہراؑ کو مارے ضعف کے غش پر غش آتا تھا

۳۸

فاقے سے مارے ضعف کے بے حال تھے حسنؑ
چکی کے پاس آ کے کہا ماں سے یہ سخن
بھوکوں پہ شکر ہے کہ ہوا فضل ذوالمنن
فاقے سے سنسناتا ہے اماں مرا بدن
دنیا میں لوگ کھاتے ہیں نعمت زمانے کی
دو دن کے بعد یاں ہوئی تدبیر کھانے کی

۳۹

کہنے لگیں حسنؑ سے وہ بنت رسول حق
داری ہے اِس طعام کا اک اور مستحق
ہونے سے دیر کے مرا ہوتا ہے رنگ فق
بھوکا وہ پھر نہ جائے یہی ہے مجھے قلق
کھا کے تمہارے حق میں جو سائل دعا کرے
ہے کیا عجب کہ حق تمہیں نعمت عطا کرے

۴۰

سائل کا فاطمہؑ سے حسنؑ نے سنا جو نام
کہنے لگا وہ تخت دل سیدِ انام
سائل ہے میہماں تو نہ مانگیں گے ہم طعام
دیوے گا ہم کو اجر مرا ربّ ذوالکرام
اڑ کے ہیں گو یہ آج تو محنت اٹھانے دو
ہوگا ثواب ہم کو بھی یہ چکی پھرانے دو

۴۱

کرتے کی آستیں الٹ کر وہ خوش صفات
چھوٹا سا چوب آس کی جانب بڑھا کے ہات
جو پیسنے کو ہو گئے آمادہ ماں کے سات
لے کر بلائیں فاطمہؑ نے تب کہی یہ بات
جو پس چکے گڑھاؤ نہ احمدؐ کی جائی کو
صدمہ نہ ہو تجھے کچھ تری نازک کلائی کو

۴۲

آخر پکا کے روٹیاں اور اس پہ خرمہ دھر
سلماں کو دیں تو کہنے لگا یوں وہ خوش سیر
ہیں آپ تین دن سے گرسنہ مع پسر
اک نان چور کھو کہ حسنؑ ہو دے بہرہ ور
بولیں بتولؑ اِس میں سے لینا روا نہیں
سائل کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

۴۳

سلماں نے جا کے جب دیا سائل کو وہ طعام
تب اس سے یہ پوچھنے لگے وہ سید انام
کھانا دیا یہ کس نے تو بولا وہ نیک نام
زہراؑ کے گھر سے لایا ہوں اے شاہ خاص و عام
فاقہ جو تھا رسول کو بھی مرتضیٰؑ کو بھی
حیرت ہوئی نبیؐ کو بھی شیر خدا کو بھی

۴۴

اٹھ کر گئے بتولؑ کے گھر سرور زمن
دیکھا کہ فاطمہؑ میں نہیں طاقت سخن
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں زرد ہے بدن
مرجھا گیا ہے صورت گل چہرۂ حسنؑ
فاقوں سے فاطمہؑ کا زبس شیر خشک تھا
جھولے میں دودھ بن لب شبیرؑ خشک تھا

۴۵

آنکھوں میں آنسو بھر کے محمدؐ نے یہ کہا
اے میرے نور عین یہ کیا حال ہے ترا
کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے فخر انبیاؑ
گذرے ہیں تین روز کہ کھانا نہیں ملا
راضی ہوں میں تو جو کہ رضائے الٰہ ہے
لیکن حسنؑ حسینؑ کی حالت تباہ ہے

۴۶
سن کر سخن یہ رونے لگے سرورِ اُمم
کی یہ دعا رسولِ خدا نے بہ چشمِ نم
گودی میں پھر نواسے کو لے کر بہ درد و غم
اے رازق العباد کر ان بچوں پر کرم
آسودگی ہے سارے زمانے کے واسطے
آلِ رسولؐ روتے ہیں کھانے کے واسطے

۴۷
زہراؑ ہے تیری خاص کنیزوں میں انتخاب
دونوں کو ہے دولتِ دنیا سے اجتناب
تیرے کرم سے قاسمِ روزی ہے بوتراب
زہراؑ کے حال دیکھنے کی اب نہیں ہے تاب
صدمے عجیب گذرے ہیں اس باتمیز پر
فاقے ہیں تین روز سے تیری کنیز پر

۴۸
حضرت کا یہ نہ ختم ہوا تھا ابھی کلام
خوشبو وہ تھی کہ جس سے معطر ہوا مشام
موجود اک طبق میں ہوا خلد کا طعام
آئی صدائے غیب کہ اے سیّدِ انام
رتبہ یہ کب تھا مریم و حوّا کے واسطے
کھانا یہ ہم نے بھیجا ہے زہراؑ کے واسطے

۴۹
اس سیّدہ کو ہم نے وہ بخشا ہے اقتدار
سب نعمتوں پہ خلد کی اس کو ہے اختیار
خدمت ہے جس کی بنتِ سلیماں کا افتخار
کہہ دے گی یہ جسے وہی ہووے گا رستگار
دنیا میں آج گو اسے عسرت کے رنج ہیں
پر فاطمہؑ کے واسطے عقبیٰ کے گنج ہیں

۵۰
جس پر یہ کبریا کی عنایت ہو یہ کرم
دنیا سے کوچ کر گئے جب سرورِ اُمم
اس پر قلیل عمر میں کیا کیا ہوئے ستم
اس فاقہ کش پہ ٹوٹ پڑا کوہِ درد و غم
محبوبِ کبریا سا پدر سر سے اُٹھ گیا
سایہ تھا جس کا سر پہ وہی سر سے اُٹھ گیا

۵۱
تھا رونے پیٹنے کے سوا اور کچھ نہ کام
کہتی تھیں ڈاڑھیں مار کے یا سیّدِ انام
سینے سے آپ بھرتی تھیں لے کے پدر کا نام
تم کیا جہاں سے اُٹھ گئے زہراؑ ہوئی تمام
رہتی ہے صبح و شام نظر سوئے در مری
شفقت سے پوچھتے نہیں آکر خبر مری

۵۲
تم کو تو مجھ بغیر نہ تھا ایک دم قرار
چھاتی سے مجھ کو کون لگا کر کرے گا پیار
بیٹی سے کیوں خفا ہوئے یا شاہِ نامدار
فرقت میں آپ کی نہ بچے گی یہ سوگوار
اس فاقہ کش کو چھوڑ کے بابا کدھر گئے
آباد گھر بتولؑ کا ویران کر گئے

۵۳
سینے میں درد و غم تو بدن زار رنگ زرد
تن میں کبھی بخار کبھی ہاتھ پاؤں سرد
سوزش جگر میں ہوش پراگندہ دل میں درد
پوشاک میلی بال پریشان رُخ پہ گرد
بند آنکھیں دل میں یادِ رسالت پناہ کی
تکیے سے سر کبھی جو اٹھایا تو آہ کی

۵۴
حضرت کے خالی حجرے میں دن بھر گذارتی
تکیوں پہ ملتی آنکھوں کو اور ڈاڑھیں مارتی
بستر کے گرد آپ کو پھر پھر کے وارتی
بوئے پدر جو آتی تو رُو رُو پکارتی
لاؤں کہاں سے آہ دو عالم کے شاہ کو
سوئے زمیں میں چھوڑ کے اس خوابگاہ کو

۵۵

فریاد کی کبھی کبھی چھاتی پہ مارا ہات
غم تھا یہی کہ سر پہ نہیں شاہِ کائنات
گر بات کی شفقتِ خیر الوریٰ کی بات
زہراؑ جیے جہاں سے پیمبرؐ کی ہو وفات
دنیا کے درد و غم سے چھڑاتے نہیں مجھے
پاس اپنے بابا جان بلاتے نہیں مجھے

۵۶

رغبت نہ کھانے پر تھی نہ پانی کا تھا خیال
کرتا سیاہ بر میں پریشان سر کے بال
چہرے پہ آنسو بہتے تھے آنکھیں تھیں دونوں لال
پہروں زمیں پہ غش میں پڑی رہتی تھی نڈھال
نے فرش سے غرض تھی نہ بستر سے کام تھا
گر کام تھا تو ذکرِ پیمبرؐ سے کام تھا

۵۷

اس صدمے پر بھی درپئے ایذا تھے اہلِ کیں
مسجد میں خط سند کا گئی لے کے وہ حزیں
باغِ فدک ہوا جو ٹھکانا نہ تھا کہیں
اس کو دیا جواب کہ یہ تیرا حق نہیں
بس چل سکا نہ زوجۂ شیرِ الٰہ کا
پرزے کیا نوشتہ رسالت پناہ کا

۵۸

مانندِ بید غیظ سے تھرّائی فاطمہؑ
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلّائی فاطمہؑ
روتی نبیؐ کی قبر پہ پھر آئی فاطمہؑ
فریاد کرنے آئی ہے دُکھ پائی فاطمہؑ
یا شاہ ضبطِ مِلک مری آج ہو گئی
بیٹی تمھاری قوت کو محتاج ہو گئی

۵۹

لوٹی گئی بتولؑ مرا باغ چھن گیا
بچوں کو اپنے آہ کھلاؤں گی اب میں کیا
حاصل اسی کا تھا مرے جینے کا آسرا
حضرت کے غم سے ہو گئے حیدرؑ شکستہ پا
مزدوری کر کے لاتے تھے سو وہ بھی چھٹ گئی
زہراؑ تمھارے مرنے سے ہر طرح لٹ گئی

۶۰

دو داد اے پدر مجھے اعدا ستاتے ہیں
بچے گرسنگی سے مرے تلملاتے ہیں
ہر روز رنج نو مجھے دینے کو آتے ہیں
بے آس ہو کے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں
کس سے کہوں جو کچھ مری توقیر ہوتی ہے
شیرِ خدا کے قتل کی تدبیر ہوتی ہے

۶۱

یہ بین کر کے کھول دیا فاطمہؑ نے سر
مسجد کے کانپنے لگے دیوار و بام و در
ہاتھوں سے پیٹنے لگی چھاتی بچشمِ تر
جنبش میں آ گئی لحدِ سیّد البشرؐ
رِقّت ہوئی نہ ضبط جو اس دل فگار سے
نکلے نبیؐ کے دستِ مبارک مزار سے

۶۲

قبرِ رسولِ پاک سے پھر آئی یہ صدا
پہچانا سب نے ہاتھ اور آوازِ مصطفیٰؐ
زہراؑ کو کیوں ستاتے ہو اس نے کیا ہے کیا
آثار حشر کے ہوئے عالم میں غل پڑا
گردوں پہ سن کے حشر کے شورِ نشور کو
نزدیک تھا کہ پھونکتے اسرافیل صُور کو

۶۳

اتنے میں روتے آئے وہاں شاہِ لافتا
بس بس خدا کے واسطے کرتی ہو کیوں بکا
چادر اُڑھائی فاطمہؑ کو اور یوں کہا
گھر میں چلو کہ روتے ہیں سبطینِ مصطفیٰؐ
لازم ہے تم کو رحم کہ رحمت کا باب ہو
ایسا نہ ہو کہ خلق پہ نازل عذاب ہو

٦٤

یہ کہہ کے گھر میں لائے جناب بتولؑ کو
اس پر بھی دشمنی تھی یہ قوم جہول کو
غش آیا فرط ضعف سے بنت رسولؑ کو
رہنے دیا نہ چین سے اس دل ملول کو
پاس ادب رسول کے گھر کا اُٹھا دیا
دروازہ آ کے آگ سے اس کا جلا دیا

٦٥

در سے لگی وہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
اک شخص نے ستم یہ کیا وا مصیبتا
کیوں گھر مرا جلاتے ہو میں نے کیا ہے کیا
دروازہ لات مار کے اس پر گرا دیا
پہلو پہ آئی ضرب جو بنت رسولؑ کے
محسنؑ ہوا شہید شکم میں بتولؑ کے

٦٦

صد حیف رحم آیا کسی کو نہ زینہار
کھینچی خدا کے دوست پہ شمشیر آبدار
بازو بھی تازیانے سے اس کا کیا فگار
رسی گلے میں ڈال کے شل گیا ہنگار
غل تھا کہ کل تو احمد مختار مر گئے
اور آج فاطمہؑ پہ یہ صدمے گزر گئے

٦٧

اُس روز سے بتولؑ کی حالت ہوئی تباہ
حسرت سے منہ پہ بچوں کے کرتیں کبھی نگاہ
روتی تھیں اپنے حجرے میں پہروں بہ اشک و آہ
کہتیں کبھی علیؑ سے کہ اے ضیغم الٰہ!
کرتی ہے موت قطع سخن اشتیاق کے
ایام وصل گزرے دن آئے فراق کے

٦٨

رخصت ہے تم سے اور وصیت ہے یہ مری
میرے حسنؑ حسینؑ کو ایذا نہ دے کوئی
بچوں سے میرے رہیو خبردار یا علیؑ
مجھ سے جدا یہ رات کو سوئے نہیں کبھی
مر جاؤں جب تو چھاتی پہ ان کو سلائیو
دونوں کو پیار کیجو گلے سے لگائیو

٦٩

ہر دم مجھے غش آتا ہے یا شاہ بحر و بر
ہوتا ہے اس کے حال پہ ٹکڑے سے مرا جگر
زینبؑ ابھی سے روتی ہے منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
یہ میری لاڈلی مرے غم میں نہ جائے مر
مجکو دعائیں جینے کی پاس آ کے دیتی ہے
ہر دم بلائیں ننھے سے ہاتھوں سے لیتی ہے

٧٠

رو کر کہا علیؑ نے یہ کیا کرتی ہو کلام
فرقت تمہاری اب ہے مجھے مرگ کا پیام
ماتم میں مصطفےؐ کے تو روتا ہوں صبح و شام
سمجھایا فاطمہؑ نے کہ ہے صبر کا مقام
بن ماں کے تھی جہاں میں پدر کو بھی رو چکی
مدت تمام عمر کی زہراؑ کے ہو چکی

٧١

شب کو مجھے اٹھائیو یا شاہ لافتا
بیزار اہل ظلم سے ہے بنت مصطفےؐ
دیکھے نہ دشمنوں میں جنازہ کوئی مرا
بھولی نہیں ہوں میں جو مجھے جس نے دکھ دیا
محسنؑ کے خوں کی داد نہ جب تک میں پاؤں گی
پیش خدا میں عرش کا پایہ ہلاؤں گی

٧٢

یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہ مشرقین
بانو کے منہ کو دیکھ کے روئے بہ شور و شین
اتنے میں آئے مضطر و حیراں حسنؑ حسینؑ
کہنے لگے علیؑ سے یہ احمدؐ کے نور عین
مہماں کوئی گھڑی کی محمدؐ کی پیاری ہے
بہلاؤ تم انھیں کہ مجھے دم شماری ہے

۷۳

بولے علیؑ یہ بیٹوں کو چھاتی لگا لگا
واں ننھے ننھے ہاتھ اٹھاکر کرو دُعا
تم جاؤ سوئے روضۂ محبوبِ کبریا
تا رحم فاطمہؑ کے کرے حال پر خدا
بھیجا انھیں اُدھر جو وصیؐ رسولؐ نے
حجرے کے در کو بند کیا یاں بتولؑ نے

۷۴

مسجد میں مرتضیٰ گئے رو تے پئے نماز
اے خالقِ زمین وزماں ربِ بے نیاز!
یاں فاطمہؑ نے حق سے کہا اپنے دل کا راز
میں ہوں تری کنیز، تو، عالم کا کارساز
مقبول یہ دعا مری اس آن کیجیو
مشکل فشارِ قبر کی آسان کیجیو

۷۵

بیٹی ترے رسولؐ کی میں ہوں جگر فگار
فرزند وہ دیے کہ کیا جن کو تو نے پیار
زوجہ ہوں اس کی بخشی جسے تو نے ذوالفقار
سب کچھ دیا تو دے مجھے اتنا بھی اختیار
محشر میں اٹھ کے قبر سے جب آئے فاطمہؑ
چاہے جسے بہشت میں لے جائے فاطمہؑ

۷۶

یہ کہہ کے چپ ہوئی جو وہ مخدومۂ زماں
کچھ کہتے کہتے ہو گئیں خاموش اماں جاں
زینبؑ یہ بولی فضہ سے با چشمِ خونفشاں
آئی صدا لے احمدؐ مختار ناگہاں
چھوڑا جہانِ فانی کو بنتِ رسولؐ نے
صف ماتمی بچھاؤ قضا کی بتولؑ نے

۷۷

زینبؑ نے سن کے نانا کی آواز دردناک
منھ پیٹا چھاتی کوٹی کیا پیرہن کو چاک
کھولا جو در تو دیکھا سدھاریں بتول پاک
فضہ نے بین یہ کئے سر پہ اُڑا کے خاک
شہزادی میری ہائے جہاں سے گذر گئی
فضہ نہ فاطمہؑ کی بلا لے کے مر گئی

۷۸

اتنے میں آئے فاطمہؑ زہراؑ کے نونہال
منھ دیکھ ایک ایک کا بولے بہ صد ملال
آنکھوں میں اشک گرد بھرے گیسوؤں کے بال
کیا غش پھر آگیا ابھی اماں کا کیا ہے حال
زینبؑ پکاری قہر ہوا ننگے سر کرو
بابا کو ماں کے مرنے کی جاکر خبر کرو

۷۹

یہ سنتے ہی وہ رونے لگے ڈاڑھیں مار کر
واحسرتا کہا کئی باری پکار کر
پھینکیں زمیں پہ ٹوپیاں سر سے اوتار کر
پیراہنوں کی جیب کو پھر تار تار کر
مسجد میں جاکے کہنے لگے بابا جان سے
گھر میں چلو کہ اٹھ گئیں اماں جہان سے

۸۰

بیٹوں سے مرگِ فاطمہؑ کی سنتے ہی خبر
چلائے شیعیانِ علیؑ پیٹ پیٹ کر
غش ہو گئے علیؑ دلِ شاہ بحر و بر
تازہ ہوا پھر آج غمِ سید البشر
مارا تھا بے گناہ جسے تازیانے سے
وہ فاقے کرنے والی سدھاری زمانے سے

۸۱

غاصب فدک کے روز شادیں گے کس کو آہ
محسن کے خوں کی ہوئیں گی اب حق سے دادخواہ
اب کس کا گھر جلانے کو جائیں گے روسیاہ
بنتِ رسولِؐ پاک کو ایذا دی بے گناہ
کس درد سے نواسے پیمبرؐ کے روتے ہیں
دونوں کی بے کسی پہ جگر ٹکڑے ہوتے ہیں

۸۲

اک دم کے بعد ہوش میں آئے جو مرتضیٰؑ
روتے ہیں ڈاڑھیں مار کے اصحاب باوفا
دیکھا پچھاڑیں کھاتے ہیں سبطینِ مصطفیٰؐ
غل ہے کہ ہائے دخترِ سردار انبیا
پھیلائے ہاتھ دیکھ کے اس شور و شین کو
رونے لگے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

۸۳

بیٹوں کو ساتھ لے کے امام فلک جناب
زہراؑ کو مردہ دیکھ کے دل ہو گیا کباب
آئے حرم سرا میں جو بادیدۂ پر آب
منھ سے ردا اٹھا کے یہ رو رو کیا خطاب
بی بی علیؑ کو چھوڑ کے دیرِ خراب میں
آخر گئیں رسولؐ خدا کی جناب میں

۸۴

اب کون لے گا شبیرؑ و شبیرؑ کی خبر
کیا کہہ کے دیوے ہائے تسلّی انھیں پدر
چھوٹے سے سن میں ہو گئے بے کس مرے پسر
افسوس ہے کہ ہو گیا ویراں علیؑ کا گھر
جیتے ہیں کب جو ہجر کے صدمے اٹھاتے ہیں
ہم بھی تمھارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں

۸۵

سن کر خدا کے شیر سے پُر درد یہ بیاں
تھا حال اسیرانِ علیؑ پہ کہ الاماں
برپا تھا حشر خانۂ زہراؑ کے درمیاں
منھ پیٹتی تھیں بیٹیاں با نالہ و فغاں
مردے سے ماں کے دونوں پسر لپٹے جاتے تھے
حیدرؑ ہٹا ہٹا انھیں چھاتی لگاتے تھے

۸۶

ماتم میں گذری بنتِ نبیؐ کے جو آدھی رات
گھر سے جنازہ لے چلے بیٹوں کو لے کے سات
میت کو دے کے غسل و کفن شاہ خوش صفات
زینبؑ پکاریں مار کے چھاتی پہ دونوں ہات
کیا ہے جو بیٹیوں سے بھی منھ موڑے جاتی ہو
اماں اکیلا گھر میں ہمیں چھوڑے جاتی ہو

۸۷

اب آگے دفن فاطمہؑ کا کیا سناؤں حال
گر دل میں تیرے مرثیہ گوئی کا ہے خیال
کاغذ ہے سینہ ریش قلم کی زباں ہے لال
بس اے انیسؔ حیدرؑ صفدر سے کر سوال
ذہن سلیم اپنے کرم سے عطا کرو
یا مرتضیٰؑ علیؑ مری حاجت روا کرو

رباعی

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں
گردوں پہ ملک اشکوں سے منھ دھوتے ہیں
دُنیا سے محمدؐ کا وصی اُٹھتا ہے
بن باپ کے سبطین نبیؐ ہوتے ہیں

مرثیہ

جب کوفیوں نے کوفے میں مسلم سے دغا کی
جو عہد کیا ایک نے اس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے نہ محمدؐ سے حیا کی
مظلوم پہ بےکس پہ مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دمِ مرگ دیا تشنہ دہن کو
کس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

۲

مسلم سا بھی مظلوم زمانے میں نہ ہوگا
دشمن تو ہزاروں تھے وہ بےکس تنِ تنہا
دم لیں کہیں اتنا نہ روادار کوئی تھا
کچھ امن کی صورت نظر آتی تھی نہ اصلا
اس پر بھی نہ کچھ رنج تھا اپنا نہ الم تھا
کوفے کو چلے آویں نہ شبیرؑ یہ غم تھا

۳

جانے کی کہیں راہ نہ تھی بند تھے رستے
کوفی چلے آتے تھے کمر ظلم پہ کستے
گھیرے تھے سوار ان ستمگار کے دستے
تھے نیچے یہ اور کوٹھوں سے پتھر تھے برستے
جب وار نہ چل سکتا تھا اس شیرِ ژیاں پر
انگارے لعیں پھینکتے تھے سوختہ جاں پر

۴

زخم ہوا اس شہ کے ہرا دل پہ یکایک
تلوار سے کٹ کر گرے لب ہائے مبارک
پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک
دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر لگے یاں تک
آلودہ تھی سب ریشِ مبارک جو لہو سے
چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر سرِ مو سے

۵

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بےکس و ناچار
اعدا نے کیا مسلمِ بےکس کو گرفتار
اس زخمی کے بازو میں رسن باندھ کے یکبار
کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفار
سو ٹکڑے محمدؐ کا ہوا دل بھی جگر بھی
مارا گیا مسلم بھی ہوئے قتل پسر بھی

۶

بیٹوں نے تو پایا بھی کفن آبِ رواں کا
اور باپ کو کیسا کفن اور غسل کہاں کا
کوٹھے پہ تو سر کٹ گیا اس شیرِ ژیاں کا
اور جائے کفن خوں نے تنِ پاک کو ڈھانکا
خندق کے بھی رہنے نہ دیا غار میں لاشہ
رستے میں پھرے کھینچتے بازار میں لاشہ

۷

اعدا سے دمِ قتل جو کچھ کی تھی وصیت
اس کو بھی بجا لائے نہ وہ اہلِ شقاوت
سب غاصبوں نے غصب کی جو کچھ تھی بضاعت
مقروض گیا خلق سے وہ صاحبِ ہمت
نیزے پہ گیا شام کی جانب سرِ مسلم
محتاج رہا گور کو بھی جسمِ مسلم

۸

مکے سے ادھر ہو چکے تھے شاہ روانہ
منظور تھا کوفے کو بسرعت انھیں جانا
مانع رہے احباب پہ حضرت نے نہ مانا
تھا مدِّ نظر امر جو کچھ دل میں تھا ٹھانا
یہ شوقِ شہادت کا تھا اس عاشقِ رب کو
یعقوبؑ نہ جاتے تھے یوسفؑ کی طلب کو

۹

ہر گام پہ ہر دشت میں بھرتے تھے دمِ عشق
معشوق کی خاطر تھا گوارا ستمِ عشق
کہتے تھے کہ بہتر ہے بڑھے جو قدمِ عشق
ہے دل مرا پروانۂ شمعِ حرمِ عشق
کیا صبر کروں صبر کا ہنگام نہیں ہے
بن سر کے کٹائے مجھے آرام نہیں ہے

۱۰
ہر منزل و ہر دشت میں کرتے تھے یہ تقریر
ملے جلد ہو یہ راہ گوارا نہیں تاخیر
ہو نجاد سے کہیں منزلِ مقصود یہ تقدیر
اب وصل کا معشوق کے مشتاق ہے شبیر
بھائی کی جدائی کا بڑا رنج و تعب ہے
مسلم سے ملاقات نہ ہو وے تو غضب ہے

۱۱
بھیجا تو ہے بھائی کو یہ دل ہے مرا بے تاب
اس شہر میں دشمن ہیں بہت تھوڑے سے احباب
تشویش سے آتا نہیں تا صبح مجھے خواب
ہے بحرِ شجاعت کا وہ اک گوہرِ نایاب
سننے کا نہیں کیسا ہی گر پیچ پڑے گا
کوفے میں اکیلا وہ ہزاروں سے لڑے گا

۱۲
بھیجا تھا جو پہلے تو گیا تھا وہ بصد یاس
پھر بھیجا تھا میں نے تو وہ تھا جینے سے بے آس
جا کر کئی منزل سے پھر آیا تھا مرے پاس
پچھتاتا ہوں اب اور بھی ہے مجھ کو وسواس
مسلم نہ ملے ایسی نہ کچھ بات ہوئی ہو
وہ آخری ہم سے نہ ملاقات ہوئی ہو

۱۳
جاتا تھا اسی سوچ میں وہ عاشقِ باری
پردے کو اٹھا مسلمؑ مظلوم کی پیاری
جس دم کبھی سایے میں ٹھہرتی تھی سواری
حضرت سے یہ کہتی تھی چچا جان میں واری
کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا
کوفے سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا

۱۴
بابا کی ملاقات کو اب دل ہے تڑپتا
گھبراتی ہوں کچھ بس نہیں اور ہے یہ تمنا
کٹتی بھی نہیں راہ کسی طرح کروں کیا
اک دم میں پہنچ جاؤں جو دو دن کا ہو رستا
مشتاق ہے دل چشم بھی دیدار طلب ہے
قسمت میں ملاقات خدا جانیے کب ہے

۱۵
گزرے ہیں کئی دن کہ ہیں بابا تو سفر میں
سوزش ہے تپِ ہجر کی ملنے سے جگر میں
مدت ہوئی سوئی نہیں آغوشِ پدر میں
راحت نہ سفر میں ہے نہ آرام تھا گھر میں
میں کیا کہوں جو درد و غم و رنج ہے جی کو
بابا سے جدائی نہ ہو دنیا میں کسی کو

۱۶
فرماتے تھے تب شاہ کہ اے باپ کی شیدا
میرا بھی یہی حال ہے جو حال ہے تیرا
گھبراتی ہے کیوں جلد ملے گا ترا بابا
بھائی کی ملاقات کو میں بھی ہوں تڑپتا
میں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں ہے
صغراؑ کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے

۱۷
تم باپ کے اور بھائیوں کے غم سے ہو مضطر
اس پاس تو ماں ہے نہ پدر ہے نہ برادر
دو بھائی تو ہمراہ ہیں اور ساتھ ہے مادر
اس غم میں شفا ہووے گی بیمار کو کیونکر
اس کے تو سبھی جانے والے ہیں سفر میں
کیا حال ہوا ہوئے گا اجڑے ہوئے گھر میں

۱۸
حضرت نے جو کی دخترِ مسلم سے یہ تقریر
چلائی سکینہؑ ترے صدقے مری ہمشیر
صغراؑ کے لئے رونے لگیں بانوئے دل گیر
اب دیکھیے کب تجھ سے ملا دے ہمیں تقدیر
زینبؑ نے کہا رو کے میں قربان مری صغراؑ
بچی ترا اللہ نگہبان مری صغراؑ

۱۹

رونے کی صدا محملوں سے آئی جو یک بار
جلتی تھی زمیں دھوپ سے یوں تھی جو شرربار
راہی ہوئے روتے ہوئے واں سے شہِ ابرار
سایہ کئے تھا فرقِ مبارک پہ علمدار
لب خشک تھے گرمی سے ہر اک غنچہ دہن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

۲۰

ہر دشت حرارت کے سبب تھا کرۂ نار
ہر کوہ تھا جوں آہنِ حداد شرربار
بے برگ تھیں سب ڈالیاں اور جلتے تھے اشجار
تھی گرم زمیں پاؤں اٹھا لیتے تھے رہوار
جو سوتا تھا آغوشِ بتولِ عذرا میں
پھنکا وہ چلا جاتا تھا اس گرم ہوا میں

۲۱

مسکن سے پرندے نہ نکلتے تھے نہ باہر
اٹھتے تھے چرندے بھی ترائی سے نہ دم بھر
سایہ کے لئے بیٹھے تھے پتوں میں وہ چھپ کر
تا شام پڑے رہتے تھے سب جھیلوں کے اندر
تھے شاہ سفر میں ستمِ قومِ شقی سے
ان روزوں میں چھڑوا دیا گھر آلِ نبیؐ سے

۲۲

اطفال کی گرمی کے سبب بجھتی نہ تھی پیاس
جو مانگتا تھا پانی پلا دیتے تھے عباسؑ
مر جائے تڑپ کر نہ کوئی تھا یہی وسواس
کچھ سوچ کے تب روتے تھے شبیرؑ بصد یاس
جو پوچھتا فرماتے یہ رونے کا سبب ہے
پانی نہ میسر ہو کئی دن یہ غضب ہے

۲۳

اکبرؑ نے کہا پانی نہ ملنے کا سبب کیا
شہ نے کہا اتروں گا تو دریا ہی پہ بیٹا
واں اتریں گے یا شاہِ جہاں ہووے گا دریا
پر خیمہ اٹھا دیں گے مرا نہر سے اعدا
آرام کہیں اے مرے جانی نہ ملے گا
چوبیس پہر بچوں کو پانی نہ ملے گا

۲۴

یہ کہہ کے چلے واں سے جو روتے شہِ والا
برپا کیے واں خیمۂ اردوئے معلّیٰ
وارد ہوا اک دشت میں وہ دلبرِ زہرا
دن ڈھل گیا جب اور لگا پھیلنے سایا
شہ نے کہا اب دیکھیے صحرا کو بھی چل کر
بیٹھے سرِ رہ کرسی پہ خیمہ سے نکل کر

۲۵

یک بار پسِ پشت لگا لے ہوئے ہتھیار
دہنی طرف اکبرؑ خلفِ سیدِ ابرار
صف باندھ کے استادہ ہوئے شاہ کے انصار
تھے بائیں طرف قاسمؑ و عباسِؑ علمدار
اور پہلوؤں میں زینبؑ و مسلمؑ کے پسر تھے
دو چہرا دھر کو تھے تو دو ماہ ادھر تھے

۲۶

تھا حسنِ رخِ شاہ سے سب دشت منوّر
عبدِ حبشی دو تھے مگس رانِ عقبِ سر
انصار تھے یوں گرد ہوں جوں ماہ کے اختر
اک رشکِ بلال اور تھا اک غیرتِ قنبر
عمامے سروں پر تھے نمازی وہ جواں تھے
پیشانیوں پر سجدۂ خالق کے نشاں تھے

۲۷

اس روز تھے مغموم بہت حضرتِ شبیرؑ
ہر سو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر
خاموش تھے خویش و رفقا صورتِ تصویر
تھا دھیان خبر پوچھوں جو آئے کوئی رہگیر
رخساروں پہ آنکھوں سے کبھی اشک رواں تھے
لب پر کبھی دنیا کی مذمت کے بیاں تھے

۲۸
قاصد کوئی نامہ تھا جو مسلم کا نہ لایا
ناگاہ اُسے اک مردِ مسافر نظر آیا
تشویش میں تھا حیدرِ کرار کا جایا
بھجوا کے کسی کو اسے حضرت نے بلایا
تسلیم کی اس شخص نے جھک کر شہِ دیں کو
نعلینِ مبارک پہ لگا ملنے جبیں کو

۲۹
لے ہاتھ میں ہاتھ اس کا اٹھے سیّدِ والا
لے جا کے کنارے اسے اس طرح سے پوچھا
اے شخص تو آتا ہے کدھر سے مجھے بتلا
وہ کہنے لگا کوفے سے میں آتا ہوں شاہا
شہ نے کہا کوفے کا مسافر تو اگر ہے
مسلم مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے؟

۳۰
صحت سے تو ہیں ساتھ جو دو بیٹے ہیں اس کے
کیا کرتے تھے تو نے انھیں دیکھا ہو تو کہہ دے
کڑھتے تو نہیں پہلے پہل ماں سے ہیں چھوٹے
ماں روتی ہے ان کے لئے بھائی ہیں تڑپتے
اس گرمی میں کیا کام تھا بچوں کا سفر میں
بابا سے ملے تھے نہ رہے اس لئے گھر میں

۳۱
کم سن تھے بہت ان کی طرف سے ہے یہ دھڑکا
تھا یاد وطن میں بھی انھیں گھر کا نہ رستا
آگاہ نہیں رنجِ سفر سے ابھی اصلا
اس عمر میں صحرا کوئی دیکھا تھا نہ دریا
ان منزلوں میں دھوپ سے کمھلا گئے ہوں گے
رخ تابشِ خورشید سے سنولا گئے ہوں گے

۳۲
سنتا ہوں بہت لوگوں نے کی آن کے بیعت
خط میں مجھے لکھا تھا کہ جلد آئیے حضرت
بے دینوں کو بارے ہوئی کچھ دیں پہ رغبت
کیا حاکمِ کوفہ بھی ہے مصروفِ اطاعت
دھڑکا ہے اسی کا کہ وہ ایسا نہ ہو پھر جائے
تنہا مرا بھائی کہیں اعدا میں نہ گھر جائے

۳۳
سن ہو گیا حضرت سے یہ کہہ کر وہ مسافر
چہرے سے جو اس شخص کے حیرت ہوئی ظاہر
کیا کہتا کہ مسلم کے وہ تھا حال سے ماہر
کہنے لگے گھبرا کے شہِ صابر و شاکر
اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے
جو گذری ہو کہہ دے کہ مرے دل کو قلق ہے

۳۴
رو رو کے وہ کہنے لگا کس منہ سے کہوں آہ
اور پاؤں میں لاشوں کے رسن باندھ کے بدخواہ
مسلم کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہ
بازاروں میں کھینچے لئے پھرتے ہیں سرِ راہ
دونوں سروں کی شام میں جانے کی خبر ہے
لاشوں کو سرِ دار چڑھانے کی خبر ہے

۳۵
مارا گیا بے جرم و خطا آپ کا بھائی
مرنے سے بھی پہلے ہوئی بیٹوں سے جدائی
تربت بھی مسافر کی کسی نے نہ بنائی
بچوں کو غریب الوطنی میں اجل آئی
دریا پہ انھیں مار کے جب آیا تھا حارث
دربار میں دو چھوٹے سے سر لایا تھا حارث

۳۶
لایا تھا جو دریا پہ وہ پکڑے ہوئے گیسو
تھے ایک ہی رسی میں بندھے دونوں کے بازو
سنتا تھا بہت منتیں کرتے تھے وہ گل رو
کہتے تھے ہمیں بیچ لے پر قتل نہ کر تو
رخ میں نے بھی دیکھے تھے عجب غنچہ دہاں تھے
رخساروں پہ دونوں کے طمانچوں کے نشاں تھے

۳۷

جب شہ نے سنی یہ خبر مسلم بے پر
سینے میں تڑپنے لگا دل مثل کبوتر
رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
منھ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر
بلوا کے مدینہ سے ہمیں مر گئے مسلم
ہم کوفے تلک آئے تو سفر کر گئے مسلم

۳۸

پھر کوٹ کے چھاتی یہ کہا شاہ نے رو رو
ہم بھی وہیں آ ملتے ہیں تم سے کوئی دم کو
بھائی چھٹے دنیا کے غم و رنج سے تم تو
آمادۂ مرگ اپنے برادر کو بھی سمجھو
اب خونِ جگر کب تلک اس غم میں پیوں گا
میرے لئے مارے گئے میں بھی نہ جیوں گا

۳۹

میرے لئے گھر چھوڑ کے تم آئے وطن سے
تیغوں کے لگے زخم بندھے بازو رسن سے
میری ہی طرفداری میں سر کٹ گیا تن سے
میرے لئے محروم رہے گور و کفن سے
شرمندہ ہوں کیا بھائی یہ احساں کیے بھائی
جاں اپنی بھی دی بیٹے بھی قرباں کیے بھائی

۴۰

رو رو کے پھر اس شخص سے کہنے لگے سرور
اس واسطے کہتا ہوں کہ یہ واقعہ سن کر
کیجو یہ خبر تو ابھی ظاہر نہ کسی پر
ہووے نہ پریشان مری جمعیتِ لشکر
ہے دخترِ مسلم بھی گرفتار الم میں
مر جائے گی وہ پیٹ کے سر باپ کے غم میں

۴۱

دو بیٹے بھی زوجہ بھی ہے اس کی مرے ہمراہ
دل پر مرے اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا آہ
مسلم نہیں مارا گیا میں مر گیا واللہ
کیا ہوگا وہ جب ہووے گی اس حال سے آگاہ
شرم آتی ہے سمجھانے کا یارا مجھے کب ہے
عورت کے لئے رنج رنڈاپے کا غضب ہے

۴۲

فرما کے یہ آنکھوں سے بہت اشک بہائے
بیٹھے تھے جہاں پھر وہیں تشریف جو لائے
رخصت وہ ہوا آپ پھرے سر کو جھکائے
تر ریش مبارک ہوئی یہ اشک بہائے
رکھ لیتے تھے رومال کبھی دیدۂ نم پر
روتے تھے کبھی سر کو جھکا زانوئے غم پر

۴۳

تھے خویش و برادر سبھی گردِ شہِ مظلوم
عباس کو تشویش تھی اکبر بھی تھے مغموم
لیکن سببِ گریہ نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اس سوچ میں تھے زینبِ دلگیر کے معصوم
کیا وجہ ہے جو اشکوں سے منھ دھوتے ہیں ماموں
چل کو کہیں اماں سے کہ کیوں روتے ہیں ماموں

۴۴

قاسم کا عجب حال تھا جب روتے تھے سرور
تھے مضطر و حیراں پسرِ مسلم بے پر
بے تاب تھا دل رنگ تھا رخ کا متغیر
آہستہ یہ کہتا تھا برادر سے برادر
یارا نہیں جو پوچھیں کہ حضرت نے سنا کیا
کیا جانیے کوفہ کے مسافر نے کہا کیا

۴۵

جس وقت سے کوفے کے وہ کچھ کہہ گیا اخبار
دھڑکا ہے کہ خلقت نہیں کوفے کی وفادار
اس وقت سے غمگیں ہیں نہایت شہِ ابرار
بابا سے کہیں پھر نہ گئے ہوویں جفاکار
یہ کہتے تھے اور جوش تھا سینے میں بکا کا
منھ تکتے تھے آنسو بھری آنکھوں سے چچا کا

٤٦
حیدر کے نواسے تھے زبس عاشق سرور
روتے ہوئے خیمہ میں گئے با دل مضطر
زینب نے کہا خیر تو ہے صدقے میں تم پر
کیوں روتے ہو جلدی کہو مر جائے گی مادر
یاد آتا ہے گھر تنگ ہو یا رنج سفر سے
یا اس لئے روتے ہو کہ چھوٹے ہو پدر سے

٤٧
رو رو کے یہ کہنے لگے زینبؑ کے وہ پیارے
دم مارتے ہیں نہ واللہ جو ہم پہ چلیں آرے
کچھ آج عجب صدمہ ہے ماموں پہ ہمارے
وہ روتے ہیں خویش و رفقا غم میں ہیں سارے
کیا جانیے کیا غم ہے دل و جان نبیؐ کو
پوچھے کوئی بڑھ کر یہ نہیں تاب کسی کو

٤٨
یہ سنتے ہی گھبرا گئیں سب بیبیاں یک بار
بانو نے کہا روتے ہیں لوگو شہ ابرار
ہو خیر کہ تھی فاطمۂ صغرا مری بیمار
کہتی تھی کھڑی زوجۂ مسلم بہ دل زار
وارث مرا دو بیٹے لیے ساتھ گیا ہے
کوفے کے مسافر کا نگہبان خدا ہے

٤٩
اس وقت عجب خیمہ میں برپا تھی قیامت
منہ سب کے تھے فق تکتی تھی ایک ایک کی صورت
زنہار نہ زینبؑ کو رہی صبر کی طاقت
ڈیوڑھی پہ گئی مضطر و بےتاب نہایت
چلّا کے کہا مجھکو نہ تڑپائیے بھائی
باہر میں نکلتی ہوں نہیں آئیے بھائی

٥٠
آواز جو زینبؑ کی سنی شاہ نے یک بار
با دیدۂ تر خیمہ میں آئے شہ ابرار
زینبؑ نے کہا اے اسد اللہ کے دلدار
صدقے گئی کچھ رونے کا باعث کرو اظہار
غم دیدہ تو ہے اور بھی غم کھائے گی زینبؑ
واللہ چھپاؤ گے تو مر جائے گی زینبؑ

٥١
حضرت نے کہا کان میں زینبؑ کے یہ رو کر
کس طرح نہ روؤں کہ ستم ہو گیا مجھ پر
میرے لئے مارا گیا مسلم سا برادر
بےکس کو ہوا گور و کفن بھی نہ میسر
اک کوفی کے ہاتھ آ گئے فرزند بھی اس کے
پردیس میں مارے گئے دلبند بھی اس کے

٥٢
بھتیجی ہے کہاں دختر مسلم کو تو لاؤ
جلدی اسے لا کر مری چھاتی سے لگاؤ
رو کر کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے کہ جاؤ
کبرا و سکینہؑ کی مصاحب کو بلاؤ
دیکھو کہیں یاں ہو گی کہ واں ہو گی سکینہؑ
وہ بھی وہیں ہووے گی جہاں ہو گی سکینہؑ

٥٣
یہ سنتے ہی کلثومؑ بلانے کو چلی تھی
جو سامنے کبرا و سکینہؑ نظر آئی
تھی ساتھ ہی ان دونوں کے مسلم کی بھی بیٹی
حضرت کے قریب آ کے بدستور وہ بیٹھی
یوں پیار تو کرتے تھے لپٹتی تھی جب آ کر
اس روز بہت پیار کیا چھاتی لگا کر

٥٤
حضرت نے پھر آہستہ یہ فرمایا بہن سے
لے آؤ وہ دُر دو میں نے جو رکھوائے ہیں بندے
زینبؑ انھیں لے آئی جو شبیرؑ کے آگے
حضرت نے وہ کانوں میں بھتیجی کے پنہائے
آنکھوں کو کبھی ملتے تھے رخسار سے اس کے
منہ پر کبھی رکھ دیتے تھے منہ پیار سے اس کے

۵۵

کیں اور بھی چیزیں کئی منگوا کے عنایت
شک دل میں پڑا لڑکی کے دیکھی جو یہ شفقت
اور سر پہ بھی ہاتھ اس کے پھرایا بہ صد الفت
کہنے لگی کچھ سوچ کے اور تھام کے رقت
اس لطف فراواں کا سبب کیا ہے چچا جان
الطاف بھتیجی پہ یہ کیسا ہے چچا جان

۵۶

انداز وہی آج مجھے ہے نظر آتا
اس پیار پہ دل ہے مرا ٹکڑے ہوا جاتا
جس طرح یتیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا
کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکیں نہیں پاتا
کونسے بڑی دور سفر کر گئے بابا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا

۵۷

یہ کہہ کے وہ بیٹی تو کہا شاہ نے رو رو
ماں ہے تری اب میری بہن زینبؑ خوشخو
بابا کی جگہ اپنے تم اب مجھ کو ہی سمجھو
اکبرؑ و سکینہؑ سے زیادہ ہے تو مجھ کو
غم بے پدری کا تجھے معلوم نہ ہوگا
سب ہوگا پر اک مسلمؑ مظلوم نہ ہوگا

۵۸

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے چلائی وہ دختر
میں جیتی رہی آپ گئے جانب کوثر
ہے ہے مرے بابا میں تمہیں پاؤں گی کیونکر
کس بے کسی سے قتل ہوئے صدقے میں تم پر
مہمان پہ کچھ رحم بھی کھایا نہ کسی نے
تلواریں چلیں تم پہ بچایا نہ کسی نے

۵۹

بیٹی کی سنی زوجۂ مسلمؑ نے جو زاری
کیا آئی خبر کیا ہوا کیوں روتی ہو پیاری؟
سر پر سے ردا گر پڑی گھبرا کے پکاری
بیٹی نے کہا ٹوٹ گئی آس ہماری
اب کیا کہوں تقدیر مری سو گئی اماں
پردیس میں بن باپ کے میں ہو گئی اماں

۶۰

تم رانڈ ہوئیں ناک سے اب نتھ کو بڑھاؤ
اب ماتمی صف پیٹنے رونے کی بچھاؤ
اب روؤں گی مل کے میں تم سے ادھر آؤ
بالوں کو پریشان کرو خاک اڑاؤ
تم آٹھ پہر رہتی تھیں مشتاق خبر کی
آئی ہے سنانی مرے مظلوم پدر کی

۶۱

پیغام رنڈاپے کا سنا بیٹی سے جس دم
ہے ہے مرے والی مرے صاحب مرے ہمدم
منہ پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری وہ بصد غم
لاشے پہ وہاں کس نے کیا ہووے گا ماتم
میں جیتی ہوں صدمہ ہے مری جان حزیں پر
کس بیکسی سے لاش پڑی ہوگی زمیں پر

۶۲

بے دردوں میں زخموں کو سیا ہووے گا کس نے
بے کس تجھے کفن تم کو دیا ہووے گا کس نے
سر نزع میں زانو پہ لیا ہووے گا کس نے
تربت میں تمہیں دفن کیا ہووے گا کس نے
پردیس میں فرزند کہاں چھٹ گئے ہوں گے
نرغے میں مرے بچوں کے دم گھٹ گئے ہوں گے

۶۳

اتنے میں صدا حضرت زہراؑ کی یہ آئی
تو رانڈ ہوئی آج محمدؐ کی دہائی
اے زوجۂ مسلمؑ الم و غم کی ستائی
وارث کی سنانی تجھے قسمت نے سنائی
تھرّا رہی ہے قبر نبیؐ تیری فغاں سے
پرسا تجھے دینے کو میں آئی ہوں جناں سے

۶۴

وارث جو ترا لال پہ میرے ہوا قرباں
تنہائی کا تو مسلم بے کس کی نہ کر دھیاں
اے رانڈ ہو مجھ پہ ترا اب ہوا احساں
میں پاس تھی جس دم وہ ہوا خون میں غلطاں
آگے مرے کوچے میں ترا راج لٹا ہے
وارث کا ترے سر مرے زانو پہ کٹا ہے

۶۵

لاش اس کی لعیں کھینچے لئے جاتے تھے جب آہ
کرتے تھے رسولِ عربی نعرۂ جاں کاہ
سر ننگے پڑی پھرتی تھی میں لاش کے ہمراہ
لائے تھے کفن خلدِ بریں سے اسد اللہ
کفنا کے علی قبر میں لاش اس کی دھریں گے
محبوبِ خدا آپ اسے دفن کریں گے

۶۶

زہرا کا بیاں سن کے یہ برپا ہوا محشر
چھاتی سے لگا کے انھیں کہنے لگے سرور
تڑپے پسر مسلم مظلوم زمیں پر
اب صبر کرے تم کو عطا خالقِ اکبر
جو ہونا تھا سو ہو چکا اس کشتۂ غم پر
اب باقی رہا ہے وہ جو کچھ ہونا ہے ہم پر

۶۷

اب تم کو یہ بہتر ہے کہ پھر جاؤ وطن کو
ماتم میں گوارا نہ کرو رنج و محن کو
مادر کو بھی ہمراہ لو اور چھوٹی بہن کو
وہ کہنے لگے سن کے یہ حضرت کے سخن کو
اب جنگ سے منھ موڑ کے جائیں گے نہیں ہم
حضرت کے قدم چھوڑ کے جائیں گے نہیں ہم

۶۸

جن کوفیوں نے مارا ہے بابا کو ہمارے
جو ظلم و ستم سہہ کے وہ جنت کو سدھارے
ہم بھی نہ رہیں گے انھیں بے جان سے مارے
سر تن سے کوئی یوں ہی ہمارا ابھی اتارے
وہ دن تو ہو سنیے گا کہ کیا کر گئے ہم بھی
مارا انھیں للکار کے یا مر گئے ہم بھی

۶۹

یہ کہتے تھے اور لوٹتے تھے دونوں زمیں پر
مل کر کفِ افسوس یہ فرماتے تھے سرور
رو رو کے جو تھیں تھامتی تھی شاہ کی خواہر
کیا داغ برادر کو دیا ہائے برادر
سویا نہ کوئی مسلم مظلوم کے غم میں
تا صبح رہی سینہ زنی اہلِ حرم میں

۷۰

کوفے کو نماز سحری پڑھ کے چلے شاہ
اک دشت خطرناک میں جا پہونچے جو ناگاہ
روتے ہوئے سب قافلے والے ہوئے ہمراہ
گھوڑا نہ بڑھا آگے تو بولے شہ ذی جاہ
کس غم نے کیا خائف و ترساں تجھے گھوڑے
پیاری ہے مری جان سے کیا جاں تجھے گھوڑے

۷۱

منھ پھیر کے گھوڑے نے کہا عرض کروں کیا
کیا جانے زمیں کیسی ہے کیسا ہے یہ صحرا
تھراتا ہوں ہرگز قدم آگے نہیں بڑھتا
پوچھے تو کسی سے کوئی کیا نام ہے اس کا
پوچھا تو کوئی بولا یہی دشتِ جفا ہے
نام اس کا ہے اک ماریہ اک کرب و بلا ہے

۷۲

یہ سن کے اتر گھوڑے سے حضرت نے پکارا
اب آگے ہے اک دشت سے کب جانے کا یارا
صد شکر کہ تقدیر نے منزل پہ اتارا
مسکن ہے یہی اور یہی مدفن ہے ہمارا
سادات کے یہ خون کے بہنے کی جگہ ہے
تا حشر ہمارے یہی رہنے کی جگہ ہے

۷۳
ارمان اسی دشت میں تھا آنے کا ہم کو
نزدیک ہیں سمجھو نہ بعید اہلِ ستم کو
استادہ کرو خیمہ اُتروا دو حرم کو
گھیریں گے نہیں آن کے اعدا کوئی دم کو
جیتوں کو ہے آپس کی ملاقات غنیمت
فرصت جو ملے ان سے تو ہے رات غنیمت

۷۴
فراشوں نے یہ سنتے ہی خیمے کیے اِستاد
تھے گرمی کے دن پیاس کی ہونے لگی فریاد
اور محملوں سے اُترے حرم با دلِ ناشاد
گھبرا کے رفیقوں سے کیا شاہ نے ارشاد
دیکھو تو بہت دور ہے دریا کہ قریں ہے
بچے مرے سب پیاسے ہیں اور پانی نہیں ہے

۷۵
کی عرض رفیقوں نے کہ اے سرورِ والا!
دریا تو ہے پر فوج کی کثرت ہے یہ اس جا
ہم بیچ میں ہیں گرد میں ہے لشکرِ اعدا
مطلق نظر آتا نہیں دریا کا کنارا
خالی ہی لیے مشکوں کو دریا سے پھر آئے
پینے کو بھی پانی نہ ملا پیاسے پھر آئے

۷۶
یہ سن کے گئے خیمہ میں شہ سر کو جھکائے
زینب نے کہا شہ سے بہن صدقے یہ جائے
دیکھا جو سکینہؑ کی طرف آنسو بھر آئے
اس دم کسے بھیجتا تری مظلومی دکھائے
کس دکھ میں تو ہے وارثِ اولادِ علیؑ ہے
نانا ہے نہ بابا ہے نہ ماں کوکھ جلی ہے

۷۷
شہ نے کہا مرضیٔ خدا یوں ہی ہے خواہر
لشکر نہ مرا ہوگا نہ میں صاحبِ لشکر
تم دیکھو گی کٹ جائے گا کل تن سے مرا سر
سب جائیں گے جنت کو مرے خویش و برادر
کل آ سکوں گا کاہے کو خنجر کے تلے سے
آج اور لگا لوں میں سکینہؑ کو گلے سے

۷۸
تا صبح رہی بھائی بہن سے یہی تقریر
مقتل کو چلے بہرِ دعا حضرتِ شبیرؑ
میداں میں صف آرا ہوا واں لشکرِ بے پیر
روتی رہیں سب بیبیاں با حالتِ تغیر
جاتے ہی لڑائی ہوئی شمشیر زنوں سے
سر کٹ کے گرے شہ کے رفیقوں کے تنوں سے

۷۹
پھر رن میں گئے مسلمؑ مظلوم کے جائے
جوہر انھیں شمشیرِ شجاعت کے دکھائے
یاں تک وہ لڑے لاشوں پہ لاشے ہی گرائے
مارے گئے وہ جیتے نہ پھر خیمہ میں آئے
باقی بھی رضا لے کے جانے لگے رن میں
سب تا بہ دمِ ظہر ٹھکانے لگے رن میں

۸۰
جب کٹ گیا سب سیدِ مظلوم کا لشکر
کہتا تھا لعینوں سے کہ اے قوم ستمگر
اور رہ گیا تنہا خلفِ ساقیِ کوثر
اب میں ہوں جیا خیمۂ ناموسِ پیمبر
منظور اگر یہ ہے کہ جاؤں نہ وطن کو
تو اور کہیں جانے دو مجھ تشنہ دہن کو

۸۱
کتنا انھیں سمجھایا پہ اعدا نے نہ مانا
تیروں سے تن اس فاطمہؑ کے لال کا چھانا
سمجھے وہ گنہ پیاسے کو پانی کا پلانا
یہ جانِ پیمبر ہے لعینوں نے نہ جانا
پُرخوں کیا عمامۂ فرزندِ علیؑ کو
ٹکڑے کیا تلواروں سے ملبوسِ نبیؐ کو

۸۲
نیزوں سے اُسے خاک پہ گھوڑے سے گرایا
آئینۂ خنجر جو چمکتا نظر آیا
چھاتی پہ چڑھا شمر تڑپنے نہ وہ پایا
زینبؑ نے نکل خیمہ سے یہ شور مچایا
سینے سے اُتر اِس کے یہ کیا کرتا ہے ظالم
فریاد سے زہراؑ کی نہیں ڈرتا ہے ظالم

۸۳
ہے ہے یہ گلا بوسہ گہِ مصطفویؐ ہے
یہ زخمی جو چھاتی ترے زانو سے دبی ہے
بے جاں نہ کر اس کو یہ دل و جانِ نبیؐ ہے
واللہ یہ چھاتی سے محمدؐ کی لگی ہے
محبوبِ خدا جس کے لئے اونٹ بنا ہے
تو سینے پہ اس شاہِ دو عالم کے چڑھا ہے

۸۴
رو رو کے یہ چلاتی تھی زینبؑ تو کھلے سر
اور حلق پہ شبیرؑ کے واں چلتا تھا خنجر
جس وقت جدا ہو گیا تن سے سر انور
یہ پیٹی کہ غش ہو کے گری زینبؑ مضطر
جس دم یہ ہوا ظلم انیسؔ اس شہِ دیں پر
حیرت ہے کہ کیوں گر نہ پڑا عرش زمیں پر

سلام

کچھ اور جز سخن نہیں اہلِ سخن کے پاس
مجرائی گھر ملے گا امامِ زمن کے پاس
کس کو فشارِ قبر کی وحشت ہے قبر میں
کہتے تھے دیکھ کر لب و دندانِ شہؑ کو لوگ
سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
چلائی بانوؑ دیکھ کے اصغرؑ کو قبر میں
قاسمؑ جو مر گئے تو کہا شہ نے رو کے یہ
سوفار جس کا تر نہ ہو خونِ حسینؑ سے
صدمے سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پاؤں
شہ پڑھ چکے جو عقد تو آئے سلام کو
دریا میں حرملہ نے لگایا لبوں پہ تیر

مجرائی کیا زباں کے ہوا ہے دہن کے پاس
ہوتا ہے آشیانۂ بلبل چمن کے پاس
آنسو ہمارے پاس ہیں حضرتؑ کے کفن کے پاس
ثمرِ دُرِ عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس
مجھ کو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس
پہنچی حسنؑ کی آج امانت حسنؑ کے پاس
ایسا نہ تیر تھا کسی ناوک فگن کے پاس
جس وقت بیڑیاں نظر آئیں رسن کے پاس
دولہا کے پاس موت رنڈاپا دلہن کے پاس
چلو بھی لائے تھے نہ شہِ دیں دہن کے پاس

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیسؔ کی ہو گنجِ شہؑ کے پاس

مرثیہ ۱

۱

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا
سب ملک رو سیاہ کے زیر نگیں ہوا
شبیر سے زیادہ اسے بغض و کیں ہوا
ایذائے اہل بیت کا در پے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ ان پہ ہو تو ریاست یہ سست ہے

۲

خط حاکم مدینہ کو لکھا بہ شد و مد
مضموں یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسین سے لے تو بجد و کد
ہیں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

۳

پہونچا اسے مدینے میں جب نامۂ یزید
پڑھ کر وہ خط بہت متردد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید
ہیں فاطمہ کے لال کو کیوں کر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے کنارہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

۴

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب
بھائی بھتیجے شاہ کے حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اس سے جا کہ میں آؤں گا وقت شب
معلوم ہے مجھے جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعت فاسق حرام ہے
اس کی طلب نہیں یہ اجل کا پیام ہے

۵

گھبرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق و یار
قاسم نے رکھ لی سامنے شمشیر آبدار
اکبر نے بھی طلب کیا اسباب کارزار
آئے کمال غیظ میں عباس نامدار
کہہ کر یہ بات صورت شیر اٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

۶

زینب کے دونوں بیٹوں کو اس دم رہی نہ تاب
جا کر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
حاکم کے گھر میاں جاتے ہیں شاہ فلک جناب
اماں ہمارے پیچھے لا دیجئے شتاب
بگڑے گی گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

۷

سن کر سخن یہ ہو گیا زینب کا رنگ زرد
آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہ سرد
کیا والی مدینہ ہے آمادۂ نبرد
ایسی علی کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا کیا خطا ہوئی

۸

ہے ملک سے غرض نہ اسے حب جاہ ہے
قبضے میں نے خزانہ ہے اور نے سپاہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ غیروں سے راہ ہے
جائے نشست، قبر رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگ اس سے جس غریب پہ فاقے گذرتے ہیں

۹

نانا ہیں اس کے سر پہ نہ حیدر رہیں نہ حسن
صدقے غریب بھائی پہ ہو جائے یہ بہن
زندہ ہے جب تلک یہ تو جیتے ہیں پنجتن
مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گڑیاں ملے گا چین نہ زہرا کی جائی کو
جنگل میں جا رہے گی بہن لے کے بھائی کو

۱۰

بھائی کو میرے پاس بلاؤ سنوں میں حال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہ کا لال
کیا بات ہے جو خاطر اقدس پہ ہے ملال
بھائی یہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید وغا ہو جنگ کا ساماں کئے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

۱۱

زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امام دیں
فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں خوف کچھ نہیں
منہ دیکھ شہ کا رونے لگی زینبؑ حزیں
حاکم کے گھر میں جائے گا حیدر کا جانشیں
وہ اور ہے جگہ تمھیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

۱۲

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بہ چشم تر
ڈالا عبائے پاک محمدؐ کو دوش پر
باندھی نبیرہ نجف نے کمربند سے کمر
لے کر عصا نبیؐ کا چلے شاہ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گرد ماہ کے

۱۳

اس دم کمال حضرت زینبؑ تھیں بے قرار
عباسؑ سے بلا کے کہا اے وفا شعار
بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہ خوش خصال ہوں
تم اک طرف ہو ایک طرف میرے لال ہوں

۱۴

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب
جو دیکھتا تھا شان امام فلک جناب
چالیس شخص لے کے چلے ابن بوترابؑ
کہتا تھا وہ کہ رات کو نکلا ہے آفتاب
رستے میں شب کو حسن نبیؐ کا ظہور تھا
افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

۱۵

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام
تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمہارا کام
در آ نہ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبراتے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں
تم ہو نہ مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

۱۶

پاس ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیق و یار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامدار
سایہ کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جاں نثار
شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دور کی
کفشیں لیے رہے گا یہ خادم حضور کی

۱۷

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ
پڑھیے خط یزید کو اے شاہ دیں پناہ
اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں
دانستہ دیویں ہاتھ سے عزت وہ ہم نہیں

۱۸

ہم ہیں ستون دیں، نشان رہ یقیں
واللہ ہم ہیں وارث سردار مرسلیں
خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا امیں
روشن ہمارے نور امامت سے ہے زمیں
گردش سے گو زمانے کی مظلوم آج ہیں
فضل خدا سے عرش علیٰ کے تاج ہیں

۱۹

بھیجا ہمارے شان میں خالق نے ھل اتیٰ
زیبا ہمارے تن پہ ہے تشریف انّما
کافی سند کے واسطے ہے لفظ قُل کفا
ہم کو کیا خدا نے سرافرازِ لافتا
ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں
قرآں ہے تین حصے ہماری ہی شان میں

۲۰

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاحترام
لپٹے ضریحِ پاک سے اور یہ کیے کلام
قبرِ رسولؐ پر اسی شب کو گئے امام
رخصت کرو حسینؑ کو یا سیدِ انام
تربت میں لے کے جلد لگا لیجے سینے سے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھکو مدینے سے

۲۱

حضرت کی قبر چھٹتی ہے مجھ سے نانا جان
آرام سے گھروں میں ہیں سب زیرِ آسمان
میں چھپ رہوں جہاں نہیں ایسا کوئی مکان
فریاد ہے حسینؑ کو ملتی نہیں اماں
ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
بچّے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں

۲۲

یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا
آئی ضریحِ پاک محمدؐ سے یہ صدا
بس یک بہ یک مزارِ نبیؐ کانپنے لگا
ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
تیرے الم سے خنجرِ کیں دل پہ چلتے ہیں
جاتا ہے تو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں

۲۳

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر
دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
بھائی مرا مدینہ سے ہے عازمِ سفر
ملتی نہیں پناہ شہِ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

۲۴

اماں تمہاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن
ہے ہے اُجاڑ ہوتا ہے پھولا پھلا چمن
کیونکر بچائے بھائی کو آفت سے یہ بہن
دو دن سے بے قرار ہیں شاہنشہِ زمن
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
تربت پہ نانا جان کی جا جا کے روتے ہیں

۲۵

زینبؑ کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہِ خاص و عام
رخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر کیا سلام
وقتِ سحر وطن سے چلے سیدِ انام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہلِ وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

۲۶

مایوس تھے جو فاطمہؑ کے نورِ عین سے
اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے
تکتے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
غل تھا مدینہ ہوتا ہے خالی حسینؑ سے
رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی ہیں
کوٹھوں پہ پردے والیاں منہ ڈھانپے روتی ہیں

۲۷

آئی تھی جب عماریِ زینبؑ قریبِ بام
اے بیبیوں بطور ندا ہے مرا کلام
ان عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امام
شہؑ کی سلامتی کی دعا کیجو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں
بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

۲۸
تا کے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام
اہلِ حرم کو ساتھ لئے باصد احترام
سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امام
اس رکن دیں نے کعبے میں جاکر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو
واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو

۲۹
صحرائے کربلا میں ہوا جب ورود شاہ
منظور تھا کہ ہو دیں بنی فاطمہؑ تباہ
اس راہبرِ زمانہ کی واں آ کے روکی راہ
چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دریا تھا گرد موج زن افواج شام کا
تھا جوں حباب بیچ میں خیمہ امام کا

۳۰
کرتے تھے استغاثہ امامِ فلک جناب
اس وقت بڑھ کے شمرِ لعیں نے کیا خطاب
موجود تھے وہ سب پہ نہ دیتے تھے کچھ جواب
بس بس سخن کو طول نہ اب دیجے بے حساب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں سرانجام جنگ ہے
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگام جنگ ہے؟

۳۱
فرمایا شہؑ نے قتل کا میرے ہے گر خیال
مردود نے کہا نہیں مقبول یہ سوال
مہلت طلب ہے آج کی شب فاطمہؑ کا لال
اکبرؑ بگڑ کے کہنے لگے او زبوں خصال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور حکم قتل سیدِ والا کے واسطے

۳۲
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا شمرِ روسیاہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے دشتِ کیں سے شاہ
دی مہلت آج آپ کو یا شاہِ دیں پناہ
دیکھا کہ حال حضرتِ زینبؑ کا ہے تباہ
مل مل کے ہاتھ کہتی ہیں ہے ہے میں لٹتی ہوں
پردیس میں حسینؑ سے بھائی سے چھٹتی ہوں

۳۳
زینبؑ کے پاس روتے گئے اور یہ کہا
مہلت ہے شب کی آؤ گلے سے لگو ذرا
بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم پہ میں فدا
ہوں گے نہ اور چار پہر تم سے ہم جدا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم رن میں سوئیں گے
مہمان ہیں اور آج کی شب کل نہ ہوئیں گے

۳۴
بنتِ علیؑ یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر
دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں ننگے سر
بہتر ہے موت آئے اگر اس حیات سے
گوروکفن تو پاؤں گی بھائی کے ہات سے

۳۵
روئے امام سن کے بہن کا کلامِ یاس
پھر اور نا امیدوں کو آیا پیامِ یاس
فرمایا سچ ہے دارِ فنا ہے مقامِ یاس
گذرا وہ روز چھا گئی خیمے پہ شامِ یاس
سیدانیوں کو قطعِ اُمیدِ حیات تھی
وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

۳۶
کرتا تھا سائیں سائیں وہ صحرائے لق و دق
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا قلق
تھے بیبیوں کے صورتِ مہتاب رنگ فق
آواز سے درندوں کی ہوتے تھے سینے شق
مائیں انھیں سلاتی تھیں منھ ڈھانپ ڈھانپ کے
سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

۳۷

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا
خیمے کے گرد پھرتے تھے عباسؑ باوفا
مانند شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا
بیدار ہوشیار جوانانِ مرتضیٰ
نزدیک صبح جنگ ہے کچھ رات اب نہیں
آقا بھی جاگتے ہیں یہ غفلت کی شب نہیں

۳۸

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور
ناموسِ مصطفیٰ کی خبرداری ہے ضرور
حوروں کی ہے طلب کہ نہ خدمت میں ہو قصور
حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور
اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئیو
کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئیو

۳۹

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور
پھیلی سپیدی ہو گئی ظلمت جہاں سے دور
کافور کی طرح سے اُڑا روئے مہ کا نور
یادِ خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیور
آثار صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے
حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

۴۰

پھیرا سلام جب تو اٹھائے دُعا کو ہات
خالق سے کی یہ عرض کہ اے ربِ پاک ذات
سب راتیں ہو چکیں نہیں باقی ہے کوئی رات
ہے روزِ قتل قطع ہوئی مدتِ حیات
طاعت کا وقت ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی
شاہد ہے تو کہ شام سے سویا نہیں کبھی

۴۱

شرمندہ ہوں کہ کس لیے آیا تھا کیا کیا
جو حقِ بندگی تھا نہ وہ بھی ادا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لا انتہا کیا
یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت روا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین پر
آسان کر دے قتل کی مشکل حسینؑ پر

۴۲

ہتھیار سج کے صحن میں آئے امامِ پاک
دیکھا کہ اہلِ بیت گریباں کئے ہیں چاک
فرمایا الوداع کہ اب ہوں گے ہم ہلاک
ناموسِ مصطفیٰ نے اُڑائی سروں پہ خاک
بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں
زینبؑ قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

۴۳

ہو کر وداع گھوڑے پہ حضرت ہوئے سوار
حلقہ کئے تھے گرد عزیز و رفیق و یار
مانند گل شگفتہ تھا ہر ایک گل عذار
تھی فاطمہؑ کے باغ پہ وہ آخری بہار
مرنے کے شوق میں قدم آگے نہ بڑھتے تھے
ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا پھول جھڑتے تھے

۴۴

مولا کے ساتھ صبح سے کھولی نہ تھی کمر
آتے تھے تیر ادھر سے تو بن جاتے تھے سپر
زخموں سے چور ہو ہو کے گرتے تھے خاک پر
رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر
کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے
منہ اپنا ان کے چہروں پہ شبیرؑ ملتے تھے

۴۵

قاسمؑ نے رن میں لاشوں پہ لاشہ گرا دیا
عباسؑ نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبرؑ نے دم میں ناموروں کو بھگا دیا
اندازِ ضربِ شیرِ الٰہی دکھا دیا
تنہا جب ان کے بعد شہ بحر و بر ہوئے
تیروں کے سامنے علی اصغر سپر ہوئے

۴۶

اس وقت تھی امام پہ کیا بے کسی و یاس
فاقہ تھا تین روز کا سولہ پہر کی پیاس
لاشیں تھیں گرد اور نہ تھا کوئی آس پاس
دشمن کئی ہزار اکیلا وہ حق شناس
اعدا ادھر تو نیزوں پہ نیزے لگاتے تھے
خیمے سے اہلِ بیتؑ اُدھر نکلے آتے تھے

۴۷

میداں میں آکے کہنے لگا شمرِ بے ادب
جو آپ کو بچاتے تھے مارے گئے وہ سب
طاقت علیؑ کی کیا ہوئی لڑتے نہیں ہو اب
ہاتھوں کے کانپنے کا ہے شاید یہی سبب
اب کی جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی
حضرت سے ذوالفقار بھی کھینچی نہ جائے گی

۴۸

یہ سن کے آگیا شہِ ذی جاہ کو جلال
بل کھا کے اُٹھے ریشِ مقدس کے سارے بال
مانندِ شیر ہو گئیں آنکھیں غضب سے لال
فرمایا سامنے سے سرک او زبوں خصال
تو جانتا ہے ابنِ علیؑ کو ہراس ہے
مجھ کو فقط رسول کی امت کا پاس ہے

۴۹

مشہور ہے کنندۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوچتا نہیں کہ مرا ہے جواں پسر
لشکر اٹھا لوں کوہ کا ٹوٹی ہے گو کمر
لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
وارث ہوں ذوالفقارِ جنابِ امیرؑ کا
رگ رگ میں میری زور ہے زہراؑ کے شیر کا

۵۰

دے حکمِ جنگ کس لیے لڑنے میں دیر ہے
گو ہاتھ کانپتے ہیں مرا دل تو شیر ہے
دیکھوں تو فوجِ شام کی کیسی دلیر ہے
شبیرؑ بھوک پیاس میں جینے سے سیر ہے
بھائی کا غم سہا علی اکبرؑ کو رو چکا
کس کس جوان کو انھیں ہاتھوں سے کھو چکا

۵۱

یہ کہہ کے کھینچی تیغ تو تھرا گئے فلک
دیکھی گئی نہ تیغِ یداللہ کی چمک
فریاد کا سما سے ہوا شور تا سمک
آنکھوں کو بند کر کے لگے کانپنے ملک
تابندگی برق نگاہوں سے گر گئی
شکلِ اجل لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی

۵۲

پُھنکتے تھے زخمیوں کے چپ و راست و پیش و پس
جلتے تھے برقِ تیغ سے اعدا مثالِ خس
بجلی سا کوندتا تھا ہر اک غول میں فرس
ہر صف میں تھا یہ شور کہ بس اے حسینؑ بس
تم نے پیا ہے شیر جنابِ بتولؑ کا
امت پہ رحم کیجئے صدقہ رسولؐ کا

۵۳

اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہوئے یہ شاہ
مارا جواں پسر کو یہ کیا منصفی تھی واہ
تم نے کیا نہ رحم کہ اکبرؑ تھا بے گناہ
میں ہو گیا تباہ کہ تم ہو گئے تباہ
پوچھو تو اس سے خاک میں یوں جس کا گھر ملے
ہاں پھر کٹتے یہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

۵۴

یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوئیں حملہ ور
فرماتے ہیں حسینؑ بس امت پہ رحم کر
دیکھا نبیؐ کے ہاتھ کو گھوڑے کی باگ پر
اے لال میرے پاس ہے تیرا جواں پسر
جب تک کہ سر کٹا کے نہ جنت میں آؤ گے
عباسؑ سے ملو گے نہ اکبرؑ کو پاؤ گے

۵۵

یہ سنتے ہی نیام میں لی شہ نے ذوالفقار
اب ہے فقط حسینؑ کو اماں کا انتظار
رو کر کہا کہ آپ کی امت کے میں نثار
آئی صدا بتولؑ کی اے میرے گلعذار
میں پیٹتی تھی برچھی جب اکبر نے کھائی تھی
اماں تو دیر سے تمھیں لینے کو آئی تھی

۵۶

اس بن کی خاک میں کبھی سر پہ اڑاتی ہوں
زینبؑ کو تھامنے کبھی خیمہ میں جاتی ہوں
اصغرؑ کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں
سر پیٹتی ہوئی کبھی میداں میں آتی ہوں
راحت میں فاطمہؑ کی نہ کیونکر خلل پڑے
جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

۵۷

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہؑ پہ فوج شام
چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام
باہم چلے یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام
ہر بی بی در پہ خیمہ کے غش کھا کے گرتی تھی
گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر ننگے پھرتی تھی

۵۸

آخر گرا زمین پہ زہراؑ کا نازنیں
آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شمر آستیں
عرش الٰہ کانپ گیا ہل گئی زمیں
زانو تو رکھا چھاتی پہ گردن پہ تیغ کیں
بے سر نماز میں پسر فاطمہؑ ہوا
سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

۵۹

بس اے انیس ختم کلام اب ضرور ہے
دعویٰ کلام کا نہ بیاں کا غرور ہے
لطف سخن اٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے
حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے
ما را دماغ و بحث و سرکارزار نیست
لیکن دل دو نیم کم از ذوالفقار نیست

سلام

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادل زمانہ ہوا
کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبگیر میں زمانہ ہوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہوا

امیر جس در دولت پہ اک زمانہ ہوا
وہ گھر اجڑ گیا غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

یہ انقلاب غضب کا ہے یا علیؑ فریاد
کہ مسجدیں تھیں جہاں واں شراب خانہ ہوا

حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جس کا خوان کرم
نصیب اسے نہ کئی دن تک آب و دانہ ہوا

شباب تھا کہ دم واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب ادھر آیا ادھر روانہ ہوا

جو زندہ سے پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مُردے
کہ ہم بھی پھرتے تھے یوں ہی اسے زمانہ ہوا

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضور آ گئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

گرائی برق اسی پر فلک نے یا تقدیر
جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا

لحد یہ کہتی ہے میت سے اب ہے تو اور میں
جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دارِ حسینؑ
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا

سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو
لحد کو اس کی میسر نہ شامیانہ ہوا

قطعہ

لگا کے بچے کو اک تیر حرملہ نے کہا
یہ کام مجھ سے دمِ جنگ رستمانہ ہوا

پکارے شاہ کہ اس دردِ دل کو مجھ سے پوچھ
خبر ہے کیا تجھے کس کا جگر نشانہ ہوا

دلہن کو دے کے سدھارے تھے آستیں جس کی
کفن بنے کا وہی خلعتِ شہانہ ہوا

ملا نہ اصغرؑ ناداں کو جام پانی کا
صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا

وہ زلف چوبِ سناں میں بندھی ہزار افسوس
نبیؐ کی پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا

رہا نہ کوئی بہتّر میں ظہر تک باقی
حسینؑ رہ گئے سب کارواں روانہ ہوا

فراقِ شہؑ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہؑ سے
قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیس اٹھو کارواں روانہ ہوا

رُباعی

جس پر کہ نظرِ لطف کی شبیرؑ کریں
ادنیٰ اعلیٰ سب اس کی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

مرثیہ ۱

کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے
خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
اک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے
گل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

۲

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے
جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

۳

گردش ہے اب اور فاطمہ زہرا کا قمر ہے
بستی ہے نہ رستے میں کسی جا نہ شجر ہے
ایک ایک قدم راہ میں لٹ جانے کا ڈر ہے
درپیش ہے سختی کہ پہاڑوں کا سفر ہے
غربت میں گرفتار محن ہوتے ہیں شبیرؑ
بچے لئے آوارہ وطن ہوتے ہیں شبیرؑ

۴

دنیا کی مذمت میں ہے ارشاد پیمبر
اول تو سوال ان میں ہے والد سے بھی ہو گر
ہیں تین مصائب کہ نہیں ان سے فزوں تر
اور دوسرے جس شخص کی ہو ایک بھی دختر
دونوں کے لئے رنج و الم شام و سحر ہے
باقی رہی اب ایک مصیبت وہ سفر ہے

۵

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام
کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

۶

اس فصل میں ہے رخصت فرزند پیمبر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے لو چلتی ہے دن بھر
جن روز دل پھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

۷

وہ لو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا
سردی میں ہو ذکر اس کا تو آجائے پسینا
ویرانہ ہے بستی میں، اُجڑتا ہے مدینا
حضرت بھی گھٹے جاتے ہیں تشویش سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

۸

برپا ہے مدینے میں تلاطم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شور و تظلم کئی دن سے
ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گذری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

۹

یثرب کے زن و مرد ہیں سب بے خور و بے خواب
ہمسائے میں اک غل ہے بکا کرتے ہیں احباب
شبیرؑ کی فرقت کی کسی دل کو نہیں تاب
غل ہے کہ مدینے میں خوشی اب ہوئی نایاب
اس شاہ میں خو بو ہے شہ عقدہ کشا کی
اب کون خبر راتوں کو لے گا فقرا کی

۱۰
کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے
روضے پہ نبی کے شہِ دیں آنے نہ پائے
کیا جانیے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروّت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

۱۱
شب سے ہیں تردّد میں سفر کے شہِ ابرار
اسباب سفر باندھتے ہیں یاور و انصار
گھوڑے بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہے تیار
عباسؑ نکلواتے ہیں صندوقوں سے ہتھیار
ہر فرد پہ الطاف و کرم کرتے ہیں شبیرؑ
ہمراہیوں کے نام رقم کرتے ہیں شبیرؑ

۱۲
خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے
جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

۱۳
اعدا نے شہِ یثرب و بطحا کو ستایا
یاں بیٹھے بٹھائے شہِ والا کو ستایا
بے کس کو نبیؑ زادے کو تنہا کو ستایا
افسوس عجب تارکِ دنیا کو ستایا
اس گوشہ نشیں پر یہ تعدّی نہ روا تھی
کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی خطا تھی

۱۴
کہتے ہیں جوانانِ مدینہ بھی رو رو کر
بے تاب ہیں احباب علمدار دلاور
اب ہم سے بچھڑ جائیں گے ہے ہے علی اکبرؑ
روتا ہوا گرتا ہے کوئی آ کے قدم پر
ہر مرتبہ اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں عباسؑ
چھاتی سے ہر اک دوست کو لپٹاتے ہیں عباسؑ

۱۵
قاسمؑ کے جو ہم سن ہیں وہ سب کرتے ہیں زاری
کہتے ہیں کہ اب تلخ ہوئی زیست ہماری
ایک ایک پہ اندوہ و غم و رنج ہے طاری
کیا ہوگا چلی جائے گی جس وقت سواری
جب آئیں گے یاں نالہ و فریاد کریں گے
سب روئیں گے جب خُلقِ حسنؑ یاد کریں گے

۱۶
ہمجولیوں کا عونؑ و محمدؑ کے یہ ہے حال
ایک ایک سے فرماتے ہیں وہ صاحبِ اقبال
بے تاب ہیں سب روتے ہیں اس درد سے اطفال
بس بھائیو بس رونے سے آنکھیں نہ کرو لال
عزّت ہے اطاعت میں امامِ دوسرا کی
پھر آئیں گے گر زیست نے اس سال وفا کی

۱۷
در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں
ہیں جمع محلّے کی جو سب بیبیاں گھر میں
تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
اک حشر ہے ناموسِ شہِ جنّ و بشر میں
سب مل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

۱۸
سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا
کس طرح کے خط آئے یکا یک ہوا یہ کیا
وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوئیں وہ وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

۱۹
سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی
جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی
کس طرح جیئں گے اسد اللہ کے جانی
تونسا ہوا بچہ کبھی جاں بر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

۲۰
ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے
کچھ تم کو بہار دل کی بھی گرمی کی خبر ہے
رحم اس پہ بھی لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو تو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

۲۱
فرماتی تھیں زینبؑ نہیں بہنوں کو کوئی چارا
گھر چھوڑ کے جانا بھی کسی کو ہے گوارا
قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا
ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

۲۲
جس دن سے ہوئی احمد مرسل سے جدائی
ماں باپ چھٹے پہلی مصیبت وہ اٹھائی
دم بھر بھی مرے جانی نے راحت نہیں پائی
تنہا ہوئے جب زہر سے بے جاں ہوئے بھائی
راحت سے کسی رات کو سوئے نہیں شبیرؑ
دن کون سا ایسا تھا کہ روئے نہیں شبیرؑ

۲۳
قبروں کی زیارت سے بہلتا تھا دلِ زار
شہروں سے زیارت کو یہاں آتے تھے زوّار
روتے تھے ہر صبح کو جا کر شہ ابرار
رہنے نہیں دیتے ہمیں یثرب میں جفاکار
تھی کون سی تکلیف حسینؑ ابن علیؑ سے
مظلوم نواسے کو چھڑاتے ہیں نبیؐ سے

۲۴
باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے
ماں بیٹھی تھی صغراؑ کو جو چھاتی سے لگائے
دیکھا رخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائے
بیٹی شہ ذی جاہ کی تعظیم کو اٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی

۲۵
جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہتی تھیں تو گھبرائے تھے صغراؑ
بے ہوش تھیں تم شب کو جب ہم آئے تھے صغراؑ

۲۶
صحت تمہیں دے حق یہی بابا کی دعا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمہیں پاتا ہوں صغراؑ
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغراؑ

۲۷
ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
سب زرد ہے ازبانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

۲۸
دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیوں کر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ ہو پانی میسر
تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

۲۹
گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
مجبور ہوں بے ہجر نہیں ہے کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

۳۰
صغرا نے کہا آپ کی الفت کے میں قرباں
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائے گا ساماں
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیاں
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درماں
جس پہ نظر لطف مسیح دوسرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا ہو

۳۱
قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منھ کا بھی مزہ تلخ نہیں ہے

۳۲
کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا
سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں ہونے کی ایذا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

۳۳
مر جاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
بیمار میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤں گی نہ غم کھاؤں گی بابا
لپٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

۳۴
شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لے جاؤں تمھیں آہ
آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں
گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

۳۵
وہ صعب پہاڑوں کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہیں جز خار کوئی آ کے قدم بوس
آرام کہیں راہ میں جانی نہیں ملتا
جنگل ہیں وہ چٹیل کہ پانی نہیں ملتا

۳۶
تھوڑے ہی دنوں ہوئے گی کنبے سے جدائی
کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
پردیس سے آ کر تمھیں لے جائیں گے بھائی
ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مر جاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

۳۷
ثابت ہوا صغراؑ پہ کہ اب ہم رہے گھر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
قسمت اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آ گئی اس کو

۳۸
تھرّا کے ہوئی اٹھ کے گری شہ کے قدم پر
تنہائی میں بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
کی عرض کہ مر جاؤں گی یا سبطِ پیمبر
سب بیٹیاں ہیں کیا میں نہیں آپ کی دختر
بے آپ کے اس گھر میں نہ یا شاہ رہوں گی
اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ رہوں گی

۳۹
سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرتِ شبیرؑ
چلّائی سکینہ کہ میں صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر
کم سِن ہیں مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

۴۰
یہ سن کے تو بس ماں کی تو چھاتی امنڈ آئی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
چلّائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
مر جانے سے کچھ کم نہیں صغراؑ کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

۴۱
آغاز سفر میں تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام
کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر میں
بھولے گی وہ چھوڑیں گے اکیلا جسے گھر میں

۴۲
صغراؑ نے کہا آپ کی باتوں کے میں قرباں
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آساں
تم جان بچا لو کہ میں لونڈی ہوں پھوپھی جاں
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احساں
کچھ بات ہے جو گریہ و زاری نہیں کرتیں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

۴۳
پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائیں گی وہ ہمراہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
کیا طعن کریں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطرِ ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے

۴۴
کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
زندہ ہوں پہ مُردے کی طرح ہو گئی دشوار
ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کون سا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

۴۵
تپ کیا مجھے آئی کہ پیامِ اجل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
کیا خوب مرے نخلِ تمنا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ نہیں کوئی زمانے میں کسی کا

۴۶

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے
میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
کنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری فرقت میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

۴۷

تنہائی میں رونے سے اُتر جائے گی یہ تپ
تڑپوں گی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب
ہاں درد بھی اب سر میں مرے ہوگا نہیں اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں

۴۸

کھوئے گا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا
تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا
تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا
تنقیۂ کامل ہے مرے واسطے رونا
راحت سے سبب دروز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

۴۹

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امامِ دوجہاں کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی نہ ماں کی
فرقت میں ہماری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

۵۰

سب جانے والے ہیں کروں کس کی شکایت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت
بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
بولیں نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
فرقت کا الم میرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بُری ہے

۵۱

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے ہیں واری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ و زاری
دو دن سے خبر بھی نہیں لی آ کے ہماری
میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

۵۲

اس وقت نحبت مری ہو جائے گی حالی
لو مر گئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی
جب راہ میں خط پڑھ کے کہیں گے شہِ عالی
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہو گیا خالی
قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر میں
وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر میں

۵۳

پھر ہم نہیں ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا
سب رو کے کہیں گے کہ اسے ہاتھ سے کھویا
کیا نفع اسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
پرسے کے لیے جمع ہوئے لوگ تو پھر کیا
پردیس میں کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

۵۴

یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
سرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخِ انور
اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان ہو خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی

۵۵
بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ
وہ دن ہوں کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کئے جاؤ
گر عمر ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی

۵۶
وہ دن ہو کہ بوٹا سی تمھاری دُلھن آئے
سب پھول کے گہنے میں سنواری دُلھن آئے
جلدی کہیں یا حضرتِ باری دُلھن آئے
تم جیسے ہو ویسی ہی پیاری دُلھن آئے
ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی
بھابی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی

۵۷
رونے کا وہ غل تھا کہ فضّہ یہ پکاری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
تیار ہے ناموسِ محمدؐ کی سواری
کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

۵۸
شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغرا
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغرا
جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغرا
جاں اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغرا
قربان پدر، آب و غذا ترک نہ کیجو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجو

۵۹
بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
صغرا بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ناموسِ محمدؐ بھی چلے ساتھ بہ صد غم
ہمسایاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک پٹختی تھی قدم سے

۶۰
غل تھا شہِ ابرار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
واماندوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غم خوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقوں کے غربت کے ہم کس سے کہیں گے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

۶۱
شہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے سب کا
ساماں ہے کبھی غم کا کبھی عیش و طرب کا
انسان کی کیا آس بھروسا ہے تو رب کا
مضطر نہیں فرزند شہنشاہِ عرب کا
مانگو یہ دعا خیر سے وہ وقت بسر ہو
جس روز کہ شبیرؑ کا دنیا سے سفر ہو

۶۲
یہ کہہ کے برآمد ہوا وہ خلق کا والی
احباب تڑپتے تھے بلکتے تھے موالی
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیّدِ عالی
غل تھا کہ محمدؐ کا بھرا گھر ہوا خالی
یوں روتے تھے سب گرد حسینؑ ابنِ علیؑ کے
جس طرح کہ ماتم تھا جنازے پہ نبیؐ کے

۶۳
صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
جس ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد و دل افگار
اٹھی کئی بار، اور گری در پہ کئی بار
اُس ناقے کے پاس آ کے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

۶۴
مضطر ہوئی یہ سن کے سخن بانوئے بے پر
بیٹی سے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
پردے سے جگر بند کا منھ کر دیا باہر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغرؑ
منھ زرد ہے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
یہ نرگسی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہے ہیں

۶۵
تھرّاتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
بھیّا نہیں جینے کی میں فرقت میں تمھاری
کب آ کے پھر اس جھولے کو آباد کرو گے
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کرو گے

۶۶
عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانیِ حیدرؑ
عماروں سے کہہ دو کہ بڑھیں اونٹوں کو لے کر
مرجائے گی اب فاطمہؑ صغرا مری دختر
اسواریوں کے ساتھ رہیں قاسمؑ و اکبرؑ
احباب جو روتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
سب شہر کے نانا کے پہ تھمیں آتے ہیں ہم بھی

۶۷
یہ سنتے ہی ناقے تو روانہ ہوئے یک بار
گھر پر اُسے پہنچا کے چلے سیدِ ابرار
غش کھا کے گری خاک پہ صغراؑ جگر افگار
غل شہر میں تھا ہائے دو عالم کے مددگار
روتے تھے مجاور جو نواسے کو نبی کے
اک حشر تھا روضے پہ رسولِ عربی کے

۶۸
آئی تھی صدا اے مری تربت کے مجاور
اے فاقہ کش اے منزلِ اوّل کے مسافر
صدقے تری مظلومی کے اے صابر و شاکر
ہے ہے مری امت نے ستایا تجھے آخر
دشمن کو بھی اس طرح اذیت نہیں دیتے
ظالم تجھے مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتے

۶۹
دو چیزوں کو میں چھوڑ کے آیا ہوں امانت
ان دونوں کو یوں بھول گئے اہلِ شقاوت
اک مصحفِ معبود ہے اور اک مری عترت
عترت کا یہ نقشہ ہوا قرآں کی وہ صورت
الفت کو محبت کو مروت کو بھی بھولے
سب ایک طرف امرِ رسالت کو بھی بھولے

۷۰
منھ پھیر لیا سب نے مرے دفن و کفن سے
زہراؑ تو ستم سہہ کے گئی دارِ محن سے
باندھا مرے داماد کی گردن کو رسن سے
کی رسمِ محبت میں دغا سب نے حسنؑ سے
کنبہ مرا دنیا میں گرفتارِ بلا ہے
باقی تھا حسینؑ ایک سو مرنے کو چلا ہے

۷۱
آئی تھی صدا تربتِ زہراؑ سے یہ اس آن
فوجیں ہیں نہ لشکر نہ وغا کا کوئی سامان
تم جاتے ہو جنگل کے بسانے کو مری جان
شبیرؑ یہ مادر تری تنہائی کے قربان
کیا ہوگا ہوا ظلم کی جب آہ چلے گی
مادر بھی سپر ہونے کو ہمراہ چلے گی

۷۲
جس باغ کو زہراؑ نے ریاضت سے لگایا
ان باغیوں نے قبر میں بھی مجھ کو ستایا
جب فصلِ بہار آئی تو پھل آہ نہ پایا
ہے ہے مری بستی کو کسی نے نہ بسایا
داغوں کے چمن سینے میں سب کھل جائیں گے ہے ہے
اب پھول مرے خاک میں مل جائیں گے ہے ہے

۷۳

سنتے ہوئے مادر کی غم انگیز یہ تقریر
یاران وطن گرد تھے افسردہ و دلگیر
روتے ہوئے گھوڑے پہ چلے جاتے تھے شبیرؑ
فرماتا تھا ایک ایک سے وہ صاحب توقیر
کیوں پیٹتے ہو غم میں حسینؑ ابن علیؑ کے
اب تم بھی کرو صبر نواسے کو نبیؐ کے

۷۴

دنیا ہے سرائے غم و اندوہ و مصیبت
احباب کا ہے وصل کبھی اور کبھی فرقت
ہم کیا ہیں پیمبرؐ نے تو پائی نہیں راحت
پر ہم نہ ہوئی ہو کوئی ایسی نہیں صحبت
غم آج تو یہ ہے کہ بچھڑتے ہیں وطن سے
اُٹھ جائیں گے اک روز یونہی دار محن سے

۷۵

لاکھوں ہیں مسافر کہ نہ پھر آئے سفر سے
رُک جاتی ہے شمشیر کی ضربت تو سپر سے
جنگل میں عزیزوں کو اجل لے گئی گھر سے
ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
کہتے ہیں مسافر کہ تہ خاک نہاں ہیں
قبریں تو ہیں ویرانے میں بستی میں مکاں ہیں

۷۶

فرما کے یہ رخصت ہوئے ویران وطن سے
نکلا دُرِ نایاب نبوت کے عدن سے
ایام بہاری نے کیا کوچ چمن سے
طے منزلیں ہوتی تھیں عجب رنج و محن سے
رستے کی وہ سختی وہ سفر رنج و بلا کا
سچ کہتے ہیں سودا ہے کڑا راہ خدا کا

۷۷

کٹتی تھی جو مرمر کے جبل کی وہ کٹھن راہ
ہر کوہ کے طے کرنے میں تھی محنت جاں کاہ
عمریں بھی غریبوں کی ہوئی جاتی تھیں کوتاہ
تھا شور کہ چشمہ نہ کہیں ہے نہ کہیں چاہ
ہاتف کی صدا تھی کہ بہت بُعد نہیں ہے
گھر دور ہے اور منزل مقصود قریں ہے

۷۸

اس دھوپ میں بستان محمدؐ کا یہ تھا حال
چہرے پہ کوئی دھوپ میں روکے ہوئے تھا ڈھال
سنولائے ہوئے رنگ تھے لالے کی طرح لال
رکھتا تھا بھگو کر کوئی رخساروں پہ رومال
لو تھی کہ شجر جل گئے تھے دشت بلا میں
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے آگ ہوا میں

۷۹

ناموس محمدؐ تھے جو آفت میں گرفتار
بچوں کی مصیبت کا بیاں کرتے تھے ہر بار
افسردہ و مغموم و حزیں تھے شہ ابرار
دنیا کی مذمت میں کبھی پڑھتے تھے اشعار
فرماتے تھے اے دہر گرفتار بلا ہوں
میں وہ ہوں جو آغوش محمدؐ میں پلا ہوں

۸۰

رستے میں سنی جب خبرِ مسلم و ہانی
صدمے سے مسافر کا لہو ہو گیا پانی
منہ ڈھانپ کے رویا اسد اللہ کا جانی
فرماتے تھے افسوس برادر کی جوانی
آج ان پہ جو گذری وہ ہمارے لئے کل ہے
مسلم کی شہادت نہیں پیغام اجل ہے

۸۱

عباس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
مظلوم کی بیوہ کو ابھی دینا ہے پُرسا
فراشوں سے کہہ دو یہیں خیمے کریں برپا
آفت ہے صغیروں کے لئے داغ پدر کا
سر پیٹیں گے روئیں گے دمِ سرد بھریں گے
فرصت ہوئی ماتم سے تو کل کوچ کریں گے

۸۲
برپا ہوا خیمہ وہیں اُترے شہِ عالم
سیدانیاں خیمے میں بکا کرتی تھیں باہم
تا صبح رہا ایلچیِ شاہ کا ماتم
مسلم کے پسر پیٹتے تھے چھاتیاں ہر دم
ہلتی تھیں زمیں ہائے مسافر کی صدا سے
سویا نہ کوئی زوجۂ مسلم کی بکا سے

۸۳
فارغ ہوئے حضرت جو فریضے سے سحر کے
ٹکڑے ہیں غمِ مسلمِ بے کس میں جگر کے
ارشاد کیا بھائی سے اشک آنکھوں میں بھر کے
تھمنے کے نہیں اشک مرے دیدۂ تر کے
پُرسے کے لیے خیمے میں جایا نہیں جاتا
منھ زوجۂ مسلم کو دکھایا نہیں جاتا

۸۴
عباسؑ نے کی عرض کہ ارشاد بجا ہے
کوفے میں تو مولا نہ مروّت نہ وفا ہے
خادم کا بھتیجا نا سبب آہ و بکا ہے
بے دیں ہیں آل ان کی محبت کا دغا ہے
بے عہد ہیں کفّار ہیں بے درد ہیں ظالم
مظلوم کو بے سر کیا نامرد ہیں ظالم

۸۵
یہ ذکر ابھی کرتے تھے عباسؑ خوش اطوار
سب ساتھ تھی اولادِ عقیلؑ جگر افگار
جو آئے وہاں مسلمِ مظلوم کے دلدار
دیکھا جو انھیں رونے لگے سیدِ ابرار
دل ہل گیا بچوں کے لیے پیر و جواں کا
دربار میں اک شور ہوا آہ و فغاں کا

۸۶
پاس آ کے جو قدموں پہ جھکانے لگے وہ سر
پیشانی کے بوسے لیے منھ رکھ دیا منھ پر
شبیرؑ نے چھاتی سے لگایا انھیں اٹھ کر
بٹھلا لیا مسند پہ انھیں اپنے برابر
فرماتے تھے یہ راحتِ جاں لختِ جگر ہیں
آگے تو بھتیجے تھے پہ اب میرے پسر ہیں

۸۷
دونوں نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
ہے فخر غلامی ہمیں اے فاطمہؑ کی جان
اس لطف پہ بیٹے بھی فدا باپ بھی قربان
کام آئے جو بابا تو خوشا بخت زہے شان
بیٹوں کو نہ کیوں فخر ہو بابا کی جا ہو
آزاد وہ بندہ ہے جو آقا پہ فدا ہو

۸۸
حضرت نے کہا بھائی کا غم ہے غمِ جانکاہ
درپیش ہمیں بھی کوئی دن میں ہے یہی راہ
کیا کیا نہ ستم سہہ کے وہ دنیا سے گیا آہ
اس غم میں تمھیں صبر عنایت کرے اللہ
آفت ہے غمِ بے پدری دارِ محن میں
اب تم کو مناسب ہے کہ پھر جاؤ وطن میں

۸۹
کافی ہے تمھارے لیے مسلم کی شہادت
لو ماں کو بھی ہمراہ بچانے میں ہے عزت
واللہ میں تم کو بخوشی کرتا ہوں رخصت
ہے مصلحتِ وقت گوارا کرو فرقت
مسلم کی نشانی ہو مرے نورِ نظر ہو
اب تو مجھے تم اکبرؑ و اصغرؑ کی جگہ ہو

۹۰
یہ سن کے سر اُن دونوں نے پہلے تو جھکائے
وہ جائیں کہاں اے اسد اللہ کے جائے
پھر جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
جو اپنا وطن چھوڑ کے مر جانے کو آئے
جائیں گے جدھر آپ ادھر جائیں گے مولا
گھر قبر ہے مر جائیں تو گھر جائیں گے مولا

۹۱

اس وقت میں آقا کی رفاقت سے کنارا
فرمائیے غربت میں ہے اب کون ہمارا
یہ امر غلاموں کو نہ ہووے گا گوارا
اک باپ تھا سر پہ سو وہ دنیا سے سدھارا
مشتاق جناں طالبِ فردوس بریں ہیں
جینے پہ جو مرتے ہیں غلام ان میں نہیں ہیں

۹۲

منہ کس کو دکھائیں جو پھریں راہِ رضا سے
مارا ہے لعینوں نے مسافر کو دغا سے
ہم اپنی اجل کے ہیں طلبگار خدا سے
لیں گے عوضِ خونِ پدر اہلِ جفا سے
مر جائیں گے یا جنگ کو سر کر کے پھریں گے
کوفے کی زمیں خون سے تر کر کے پھریں گے

۹۳

اب دھیان ہے مادر کا نہ بہنوں کا نہ گھر کا
مرہم ہے یتیمی میں یہی زخمِ جگر کا
دعویٰ ہے لعینوں سے ہمیں خونِ پدر کا
دم لیں گے لہو دیکھ کے اُس بانیِ شر کا
دل میں تو پھپھولے ہیں کلیجہ بھی جلا ہے
اب پنجہ ہے اور حاکمِ کوفہ کا گلا ہے

۹۴

دو بھائی تو ہمراہِ پدر جاں گنوائیں
اِس راہ سے پھر جائیں تو منہ کس کو دکھائیں
ہم باپ کے مرقد کی زیارت کو نہ جائیں
حسرت ہے کہ جو باپ کا ورثہ ہے وہ پائیں
مر جائیں گے قدموں پہ شہِ جنّ و بشر کے
قبریں بھی جو اب ہوں گی تو پہلو میں پدر کے

۹۵

جس وقت سنی شہ نے یتیموں کی یہ گفتار
اُٹھ جائیں زمانے سے جب اس طرح کے غمخوار
فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم دونوں وفادار
پھر خلق میں کچھ زیست کی لذت نہیں زنہار
اب دمِ شمشیر کے مشتاق گلے ہیں
بہتر ہے چلو ہم بھی تو مرنے کو چلے ہیں

۹۶

فرما کے یہ اُس بن سے چلا فاطمہؑ کا لال
منزل پہ زبالہ کی جو پہنچا وہ خوش اقبال
تھے زرد مگر صدمۂ ستم سے رخِ آل
عبداللہِ یقطر کی شہادت کا سنا حال
دو صدمۂ تازہ ہوئے اک جانِ حزیں پر
وہ رات بھی اندوہ میں گذری شہِ دیں پر

۹۷

اُکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم
خدّام سے ارشاد کیا آپ نے اس دم
اس منزلِ پُرہَول میں پانی ہے بہت کم
شربے جو ہیں سیراب انھیں اونٹوں پہ دھر لو
جو مشکیں پکھالیں ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

۹۸

یہ کہہ کے ہر اک ظرف میں سقّوں نے بھرا آب
گرمی تھی یہ اس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب
راہی ہوا اس بن سے نبیؐ کا گلِ شاداب
تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہاں تاب
ڈھل رہی تھی رنگ بھی سنولائے ہوئے تھے
جنگل میں گلِ فاطمہؑ کمھلائے ہوئے تھے

۹۹

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر
اس شخص سے فرمانے لگے حضرتِ شبیرؑ
جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
کی عرض قریب آ کے شہِ عرش نشیں سے
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفے کی زمیں کے

۱۰۰

لوگوں نے یہ کی عرض کہ اے دلبر زہرا
عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا
خرمے کے یہاں نخل تو دیکھے نہیں اصلا
کی عرض شہ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا
کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہیں
نوکیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوش فرس ہیں

۱۰۱

شبیرؑ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی
ماتم میں کئی روز سے راحت نہیں پائی
یہ فوج ہمارے لئے کوفے سے ہے آئی
کیا دور ہے گر ہو اسی جنگل میں لڑائی
سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا
خیمہ کہیں برپا کرو ناموس نبیؐ کا

۱۰۲

یہ کہہ کے بڑھے دہنی طرف سبط پیمبرؐ
پہونچے تھے حرم خیموں میں ناقوں سے اتر کر
برپا کیا نزدیک جبل خیمۂ اطہر
جو آ گیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر
سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے
سب ایک ہزار ان میں زرہ پوش جواں تھے

۱۰۳

آتے تھے حضرت کی طرف جب وہ جفاکار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہ ابرار
عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
آئین ادب سے تمھیں بہرہ نہیں زنہار
کچھ عرض جو کرنی ہے تو کر لیجو ٹھہر کر
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اتر کر

۱۰۴

بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے
پیغام ہو یا ہو عریضہ کوئی لائے
کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے
تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے
گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا
ہتیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

۱۰۵

نے عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا سپہ شام
ٹھہرو کہ ابھی بس بد ہے اس آغاز کا انجام
گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں تول کے صمصام
جنگل میں وہ اترا ہے جو مختار زمیں ہے
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے

۱۰۶

گھر سمجھے ہو دربار شہنشاہ عرب کا
ہر چند کرم عام ہے اس خاصۂ رب کا
نے پاس جلالت کا نہ کچھ دھیان ادب کا
غصہ بھی نمونہ ہے مگر حق کے غضب کا
ڈالو گے اگر رنگ لڑائی کی بنا کا
صحرا بھی بن جائے گا بازار فنا کا

۱۰۷

جنگل میں جو گونجا اسد بیشۂ حیدر
بس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر
دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے خود سر
پوچھو تو ذرا کون ہے سرکردۂ لشکر
آئے ہیں ملاقات کو یا قصد وغا ہے
مجھ پر بھی تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے

۱۰۸

یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
سردار ہوں اس فوج کا میں حُر ہے مرا نام
دعوائے غلامی ہے مجھے آل نبیؐ سے
اب عفو ہو محجوب ہوں اس بے ادبی سے

۱۰۹

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ
بس غیظ نہ فرمایئے ہر شہِ ذی جاہ
نے داب سے واقف ہیں نہ آداب سے آگاہ
اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
ہے عفو ترحم کا رواج آپ کے گھر سے
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے

۱۱۰

جب حر نے بہ صد عجز یہ تقریر سنائی
جس وقت اجازت حرِ دیندار نے پائی
شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
خود بھی بہ ادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مجرا کیا صف باندھ کے سلطانِ امم کو

۱۱۱

منہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہ خوش اقبال
تب عرض کی یہ حر نے کہ اے فاطمہ کے لال
کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
بے تاب ہیں سب ماہیٔ بے آب کی تمثال
آہوں کا دھواں اٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے

۱۱۲

کوسوں گئے پانی کے تجسس میں ہوا خواہ
دس سو ہیں سواران عراقی مرے ہمراہ
جز خاک نہ چشمہ کہیں دیکھا نہ کہیں چاہ
بے موت مرے جاتے ہیں سب یا شہِ ذی جاہ
اب جان نہ گھوڑوں میں نہ اسواروں میں دم ہے
اے ساقیِ کوثر کے پسر وقت کرم ہے

۱۱۳

یہ سنتے ہی بے تاب ہوئے سبطِ پیمبر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر
دیکھا رخِ عباس کو اشک آنکھوں میں بھر کر
جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر
بھیا مگر اب کھولیو پیاس ان کی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ بندے ہیں خدا کے

۱۱۴

عباس نے کی عرض کہ اے کل کے مددگار
پر مصلحتاً عرض یہ کرتا ہے نمک خوار
کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں تکرار
اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ابرار
مولا کئی فرسخ ابھی جانا ہے یہاں سے
مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئے گا کہاں سے

۱۱۵

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب
انساں کا انساں سے روا ہوتا ہے مطلب
میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں یہ سب
مر جائیں مسلماں یہ گوارا ہے مجھے کب
میں مالکِ کوثر ہوں تردد تمہیں کیا ہے
پیاس ان کی بجھا دو مرے بچوں کا خدا ہے

۱۱۶

یہ سنتے ہی سقوں کو علمدار پکارے
سقے جو تھے سرکار کے حاضر ہوئے سارے
جو پانی ہو لے آؤ وہ سب پاس ہمارے
مشکیزے بھی ناقوں سے بہ تعجیل اتارے
ہاتھوں میں کٹورے رفقائے شہ کے لئے تھے
سقوں نے پکھالوں کے دہن کھول دئے تھے

۱۱۷

مصروف ہوا خود پسرِ ساقیِ کوثر
تقسیم ادھر کرتے تھے عباس دلاور
پیاسوں کو عطا ہونے لگے پانی کے ساغر
پیاسوں کو ادھر دیتے تھے پانی علی اکبر
ہر لب پہ سخائے شہِ والا کا بیاں تھا
دریائے کرم ساقیِ کوثر کا رواں تھا

۱۱۸

چلاتے تھے سقے یہ کٹوروں کو بجا کر
یخ ہو گیا ہے آب، ہوا دشت میں کھا کر
جو فوج میں پیاسا ہو وہ پانی پیے آکر
گرمی میں جگر سرد کرو پیاس بجھا کر
یہ مشک ہر اک چشمۂ تسنیم سے بھری ہے
کوثر کا جو مالک ہے سبیل اس نے دھری ہے

۱۱۹

سب ہو چکی سیراب جو فوج حرؑ دیندار
مضطر ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے رہوار
عباسؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
یاں ان کو بھی سیراب کرو اے مرے غم خوار
حیوانوں کا بھی قافلہ مغموم نہ رہ جائے
یہ گھر ہے سخی کا کوئی محروم نہ رہ جائے

۱۲۰

سقوں کو لئے ساتھ بڑھے حضرتِ عباسؑ
اسواروں کو جن گھوڑوں کے بچنے کی نہ تھی آس
ہاتھوں میں لگن کوئی لیے تھا کوئی طاس
جان آگئی ان تازیوں کی جب کہ بجھی پیاس
حیوانوں کا یہ پاس تھا جس شاہ اُمم کو
پانی نہ ملا تین دن اس بحرِ کرم کو

۱۲۱

پیاسا نہ رہا جب کوئی راکب کوئی رہوار
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کر اظہار
تب حرؑ سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے مرد وفادار
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے سے جو آیا ہو تو کہہ دے

۱۲۲

تب حرؑ نے یہ کی عرض کہ اے خاصۂ داور
رستے میں جہاں تم کو ملیں سبطِ پیمبرؐ
بھیجا ہے مجھے حاکم کوفہ نے یہ کہہ کر
تو ساتھ سے ان کے نہ جدا ہو جیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

۱۲۳

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اس میں ہے منظور
بس سرخ ہوا غیظ سے شبیرؑ کا رخ پُرنور
کی عرض کہ حاکم کے ہیں ہوں حکم سے مجبور
فرمایا کہ روکے مجھے کس کا ہے یہ مقدور
کیا ہوتا ہے دم میں تو ذرا ٹوک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

۱۲۴

خط بھیج کے منت سے سماجت سے بلانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا
جب آئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
تلوار جو پکڑوں تو الٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

۱۲۵

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار
جب تک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار
کیا سمجھا ہے قیدی وہ مجھے ظالم غدار
دبنے کا نہیں لختِ دلِ حیدرِ کرارؑ
بے کس ہوں مسافر ہوں پریشان ہوں حزیں ہوں
کچھ حاکم کوفہ کا گنہگار نہیں ہوں

۱۲۶

مکار ہے بے دیں ہے جفا جو ہے وہ بے پیر
تھی مسلمؑ بے کس کی بھلا کون سی تقصیر
ہر امر میں ہے کید ہر اک بات میں تزویر
مارا گیا کس ظلم سے وہ صاحب توقیر
کوٹھے سے گرا کر تنِ صد پاش کو کھینچا
پھر پاؤں میں باندھی رسن اور لاش کو کھینچا

۱۲۷

لے تو بھی تو ہے ایلچیِ حاکمِ خود سر
لیکن نہیں یہ شیوۂ اولادِ پیمبر
کیا ہو تجھے گر قتل کرے سب مرا لشکر
ہم لوگ ہیں دشمن کی مدارات کے خوگر
کینے کو دلِ صاف میں ہم جا نہیں دیتے
جو اپنے گھر آئے اسے ایذا نہیں دیتے

۱۲۸

ہم قتل عدو کا بھی اشارا نہیں کرتے
عزت کی جگہ جان کو پیارا نہیں کرتے
کافر ہیں وہ جو پاس ہمارا نہیں کرتے
مر جاتے ہیں پر ننگ گوارا نہیں کرتے
غربت ہے تو ہو جنگ سے معذور نہیں ہیں
مختار کے فرزند ہیں مجبور نہیں ہیں

۱۲۹

پھر جاتے ہیں ہمیں سے کوئی روکے تو بھلا راہ
کیا اس سے علاقہ جو ہے سادات کا بدخواہ
اقلیم ستمگار سے خود ہے ہمیں اکراہ
جائیں گے جدھر اب ہمیں لے جائے گا اللہ
کیا شہروں میں کوفے ہی کی آباد زمیں ہے
وسعت ہے بہت ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

۱۳۰

یہ کہہ کے فرس کو جو پھرا لے گئے سرور
عباسؑ بڑھے غیظ میں تھرّا گئے اکبرؑ
بس ڈال دیا حُر نے بھی ہاتھ اپنا عناں پر
روکا انھیں اور بولے یہ حُر سے شہِ صفدر
ڈر ہے مجھے اس کا کہ نہ تو قتل کہیں ہو
ماں تری ماتم میں ترے سوگ نشیں ہو

۱۳۱

جب مادرِ حُر کا شہِ والا نے لیا نام
تھاما تھا مگر چھوڑ دیا قبضۂ صمصام
اس صاحبِ عزت کا لگا کانپنے اندام
کی عرض بس اے قبلۂ دیں شاہِ خوش انجام
دیں جاتا ہے غصے کو نہ گر ضبط کروں میں
دہشت مجھے اس کی ہے کہ کافر نہ مروں میں

۱۳۲

نام اور کوئی شخص جو لیتا مری ماں کا
ہیں آپ کی ماں نورِ خدا اے شہِ والا
خادم بھی جواب اس کو اسی طرح کا دیتا
تو کہتا یہ اوج نہ مریم کا یہ رتبا
خادم ہیں ملک بنتِ رسولِ دوسرا کے
جل جاؤں کہوں کچھ جو ہوا نسلِ علیؑ کے

۱۳۳

چپکے سے بنِ قیس نے کی عرض یہ اس دم
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم
بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑ لیویں ابھی ہم
پھر آئیں گی فوجیں ادھر اے قبلۂ عالم
یہ در پئے آزار ہیں راحت تو نہ دیجے
پانی تو دیا اب انھیں مہلت تو نہ دیجے

۱۳۴

دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا ہا!
تھوڑوں کو اگر قتل کیا ہم نے تو پھر کیا
ہم حجتِ حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
جب آ دیں گی فوجیں تو سمجھ لیویں گے اچھا
بولیں گے نہ کچھ تن پہ اگر تیر چبھیں گے
ایسا ہی ستانے کی جرأت تو کریں گے

۱۳۵

فرما کے یہ اک دشت میں ٹھہرے شہِ صفدر
شب نصف گئی پر اسے نیند آئی نہ دم بھر
اک تیر کے چلے سے حُر اترا مع لشکر
سب سو رہے جس دم تو اٹھا حُرِّ دلاور
بھرتا ہوا دم عشقِ امامِ ازلی کے
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۳۶

سوتے تھے ادھر بھی شہ مظلوم کے انصار　　پر جاگتے تھے حضرت عباس خوش اطوار
پھرتے تھے کبھی گرد خیام شہ ابرار　　ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اس عاشق رب کو　　جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

۱۳۷

نعرہ کیا ابن اسد اللہ نے بڑھ کر　　کون آتا ہے بتلا نہیں موت آتی ہے سر پر
تھرا کے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاور　　کی عرض کہ میں حُر ہوں غلام شہ صفدر
کر دیجیے خبر ابن شہنشاہ عرب کو　　کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو

۱۳۸

فرمایا کہ یہ آنے کا ہے کون سا ہنگام　　آرام میں ہے فاطمۂ زہرا کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرت عباس خوش انجام　　لے دیجیے جاکر در دولت پہ مرا نام
قسمت جو ہے یاور تو شرف پائے گا خادم　　آقا نہ بلائیں گے تو پھر جائے گا خادم

۱۳۹

تھا پاس ادب خود کہ ہے دربار شہنشاہ　　ہتیار بھی میں باندھ کے آیا نہیں واللہ
اک مرد سپاہی ہوں دغا سے نہیں آگاہ　　کام آئے مرا سر تو ہے نذر شہ ذیجاہ
خاک اس پہ کہ سید سے جو دل صاف نہیں ہے　　محسن کی بدی شیوۂ اشراف نہیں ہے

۱۴۰

عباس اسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے　　خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حُر آیا ہے اے حیدر کرار کے جائے　　ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آیا ہے بلا لو　　گمراہ تھا اب راہ پہ آیا ہے بلا لو

۱۴۱

خود آکے اسے لے گئے عباس دلاور　　مجرا کیا حُر نے سر تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدم سبط پیمبر　　کی عرض کہ بے تاب ہوں اے خاصۂ داور
فوجیں لیے تا ماز یہ شمر و عمر آئے　　کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

۱۴۲

ہوتی ہے لعینوں سے وہاں قتل کی تدبیر　　تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر　　شہروں سے ہے فوجوں کی طلب یا شہ دلگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا　　فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

۱۴۳

اترے ہیں پہاڑوں میں قشون عرب و روم　　ہے چار طرف قتل بنی فاطمہ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم　　سرکردۂ افواج ستم ہے عمر شوم
ایسا نہ ہو جلادوں میں گھر جائیے مولا　　میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

۱۴۴

سب سوتا ہے لشکر بھی مرا یا شہ ابرار　　بہتر ہے اسی وقت اگر ہو جیے اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حُر وفادار　　جو ہوئے سو ہو اب تو ہیں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے　　مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

۱۴۵

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا
مرنا تو ہے غربت میں تو کیا زور ہمارا
کی عرض یہ حر نے کہ بجا ہے یہ اشارا
مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غمخوار ہی کم ہیں
میں اس لئے کہتا ہوں کہ ساتھ اہلِ حرم ہیں

۱۴۶

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبطِ پیمبر
اے دوست یہی رائے ہے تیری تو ہے بہتر
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہوگی مقرر
دیکھیں یہ شبِ تار بسر ہوتی ہے کیوں کر
کس کو خبر اس کی ہے کہاں قبر بنے گی
پر ہوگی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

۱۴۷

روتا ہوا رخصت کو اٹھا حرِ دل افگار
چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ ابرار
لے بھول نہ جانا ہمیں اے یارِ وفادار
جیتے ہیں تو ہو لے گی ملاقات پھر اک بار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
پھر تا بہ قیامت نہ جدا ہوئیں گے بھائی

۱۴۸

اللہ تجھے فوجِ ضلالت سے نکالے
ربِ دو جہاں نور کو ظلمت سے نکالے
دیں دار کو اشرار کی صحبت سے نکالے
معبود زمانے کی صعوبت سے نکالے
مسکن ہو وہاں خلق میں جو نیک جگہ ہو
تو اور حسینؑ ابن علیؑ ایک جگہ ہو

۱۴۹

اس وقت جو میں نے لیا مادر کا تری نام
وہ حق میں دعا تھی ترے اے مردِ خوش انجام
نفرین کریں ابن علیؑ کا یہ نہیں کام
ہم کرتے ہیں امت کی دعائیں سحر و شام
اس امر کو کیا تو ابھی جانے کہ وہ کیا تھا
لے عفو کر اب اس کو جو کچھ ہم نے کہا تھا

۱۵۰

حر نے کہا ارشاد یہ کیا کرتے ہیں سرور
میں بندۂ ناچیز ہوں یا سبطِ پیمبر
حضرت کے غلاموں کی ہے لونڈی مری مادر
نام اس کا اور آئے شہِ والا کی زباں پر
ہر شخص مجھے خادمِ درگاہ کہے گا
تا حشر مری قوم میں فخر اس کا رہے گا

۱۵۱

روتا ہوا رخصت ہوا شہ سے حرِ دیں دار
راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہِ ابرار
وہ دشت پر آشوب کی وحشت وہ شبِ تار
بیہڑ کہیں بن میں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

۱۵۲

جنگل سے جو آتی تھیں درندوں کی صدائیں
دم کرتی تھیں سیدانیاں بچوں پہ دعائیں
کہتی تھی سکینہ کہ میں لیتی ہوں بلائیں
کہہ دو علی اکبرؑ سے کہ صورت تو دکھائیں
عباسؑ بھی آواز سناتے نہیں مجھ کو
اماں کہیں بابا نظر آتے نہیں مجھ کو

۱۵۳

حیران و پریشاں تھا وہ سب لشکرِ شاہی
اسواروں پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی
گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہِ ذیجاہ پہ یوں رہ میں گذریں
جس طرح کہ یوسفؑ پہ شبیں چاہ میں گذریں

۱۵۴

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے
ماندے ہوئے راہوار بھی اور اونٹ بھی سارے
جس طرح کہ ہیں سیرِ شبِ تار میں تارے
سادات نے وہ دوپہر آفت میں گزارے
گردش میں کٹی رات ولی ابنِ ولی کو
منزل پہ ہوئی صبح حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۱۵۵

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی یک بار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ علمدار
اس دشت سے لیکن نہ بڑھا ایک بھی رہوار
یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اُڑتے اسے دیکھا ہے یہ جمتے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

۱۵۶

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اُس ہاتھ میں کوڑا
منھ شہ کی طرف اسپِ وفادار نے موڑا
غیرت سے عرق آگیا تھرّا گیا گھوڑا
کی عرض کہ خود میں نے یہ رستہ نہیں چھوڑا
مانا ہے سدا حکم شہنشاہِ اُمم کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

۱۵۷

یہ سنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ ابرار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرّار
فرمایا کہ بس کھول دو اونٹوں کے یہیں بار
عباسؑ سے فرمایا کہ اُترو مرے غم خوار
ہو لے گا مقام اب یہیں زہراؑ کے پسر کا
لو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

۱۵۸

کیا وادیٔ دل چسپ ہے کیا آب و ہوا ہے
سبزہ ہے کہ اک فرش زمرّد کا بچھا ہے
رنگینیٔ فردوس ہے جنّت کی فضا ہے
گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
دیکھے جو اسے پھر نہ کرے سیر چمن کی
ہر پھول سے یاں آتی ہے بو باس دُلہن کی

۱۵۹

یہ کہہ کے لبِ نہر شہِ بحر و بر آئے
عباسؑ علمدار بھی باندھے کمر آئے
دریا کی طرف دیکھتے ہی اشک بھر آئے
شبیرؑ یہ کہتے ہوئے نزدیک تر آئے
کیوں تم کو جگہ کون سی محبوب ہے بھائی
کی عرض ترائی تو بہت خوب ہے بھائی

۱۶۰

بہتر ہے کہ خیمہ بھی یہیں کیجیے برپا
دور اُترے تو ہوئے گی بہت پانی کی ایذا
لُو چلتی ہے گرمی ہے بہت یا شہِ والا
بھر کر نفسِ سرد کہا آپ نے اچھا
پھر بولے کہ مانع کوئی غدّار نہ ہووے
وہ کیجیے جس امر میں تکرار نہ ہووے

۱۶۱

آئے ہیں یہاں جس لئے مطلوب ہے وہ کام
خس خانہ میں یا دھوپ میں ہو صبح سے تا شام
دونوں ہیں برابر ہمیں ایذا ہو کہ آرام
ہر طرح بسر کرتے ہیں مردانِ خوش انجام
ایذا رہِ خالق میں ہمیں بھاتی ہے بھائی
لُو میں بھی غریبوں کی گزر جاتی ہے بھائی

۱۶۲

سات آٹھ دن اس دشت میں رہنا ہے برادر
اُترے ہیں یہیں شاید ستم ایجادوں کا لشکر
دسویں کو چلے جائیں گے اس تن سے مقرّر
خیر اپنی طرف سے ہمیں منظور نہیں شر
ہے پاسِ نبیؐ ہاتھ نہ قبضے پہ دھریں گے
اُمت جو ستائے بھی تو ہم صبر کریں گے

۱۶۲

عباسؑ نے کی عرض یہ کہیے نہ خدا را
اس نہر کا مختار ہے مختار کا پیارا
خادم نہ کرے گا کبھی دریا سے کنارا
فرمایا کہ تھا باغِ فدک بھی تو ہمارا
حقدار جو تھے حق سے وہ محروم رہے ہیں
اُمت کے ستم سارے بزرگوں نے سہے ہیں

۱۶۳

عبرت کی جگہ ہے رسن اور گردنِ حیدرؑ
بابا کو جو گھر سے لئے جاتے تھے ستمگر
دروازہ گرایا مری مادر کے شکم پر
سر کھولے ہوئے گھر سے نکل آئی تھیں مادر
دکھ سہہ کے زمانے سے مسافر ہوئیں اماں
جھگڑے میں اسی باغ کے آخر ہوئیں اماں

۱۶۴

ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ ظلم کے بانی
سب کوفے میں اور شام میں ہیں دشمن جانی
کیا دور ہے گر بند کریں نہر کا پانی
حاکم وہ ہے جو غاصبِ اوّل کا ہے ثانی
غربت نہ کسی کو فلکِ پیر دکھائے
دیکھیں گے یہاں جو ہمیں تقدیر دکھائے

۱۶۵

یہ کہہ کے پھرے اشک بھرے آنکھوں میں سرورؑ
محمل سے پکاری شہِ مظلوم کی خواہر
آئے حرمِ پاک کے اونٹوں کے برابر
کیا آج اسی دشت میں رہیئے گا برادر
سنتی ہوں جدھر گریہ و زاری کی صدا ہے
بھیا مجھے بتلاؤ تو یہ کون سی جا ہے

۱۶۶

آواز کسی بی بی کی آتی تھی یہ ہر آن
اے دشت یہ بے کس ہے ترا آج سے مہمان
اے وادیٔ غربت کے مسافر ترے قربان
آباد ہے تو اور ہے بستی مری ویران
یہ وہ ہے نبیؐ چومتے تھے جس کے گلے کو
بے چین نہ کیجو مرے نازوں کے پلے کو

۱۶۷

آگے کوئی بستی نہیں کیا اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں اُچھلتا ہے مرا دل
یہ دشت کسی طرح نہیں رہنے کے قابل
بچے بھی ہیں سہمے ہوئے کیسی ہے یہ منزل
پہلو سے ذرا ماں کے جو ہٹتی ہے سکینہؑ
ایک ایک سے رو رو کے لپٹتی ہے سکینہؑ

۱۶۸

حضرت نے کہا خیر ہے گھبراؤ نہ خواہر
چھوڑا ہے اسی ارضِ مقدس کے لئے گھر
یہ پاک زمیں ساری زمینوں سے ہے بہتر
مسکن ہو یہاں جس کا جو تھا اُس کا مقدر
یہ بن ہو نیا خلد وہ ایجاد کریں گے
اب دیکھیو تم ہم اسے آباد کریں گے

۱۶۹

فراشوں سے حضرت نے کیا پھر یہ اشارا
جمالوں نے اونٹوں سے تناتوں کو اُتارا
برپا کرو خیمہ اسی جنگل میں ہمارا
میداں کو ادھر بادِ بہاری نے بہارا
منظور نظر تھی جو وہ جا سرورِ دیں کو
چھڑکاؤ سے تر کر دیا سقّوں نے زمیں کو

۱۷۰

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریٔ شبیرؑ
تکتا تھا بہ حسرت سوئے مقتل فلکِ پیر
اس ارضِ مقدس کی دو بالا ہوئی توقیر
وہ شمسۂ زر ریز کا اوج اور وہ تنویر
مثلِ شجرِ طور کلس نور فشاں تھا
خورشید سرِ کوہ زمرد پہ عیاں تھا

۱۷۲

خود کہتا تھا خیمہ مری رفعت پہ کرو غور
شُقّے ہیں مرے طور و تجلّی کے ہیں سب طور
کیوں آج جہاں میں مرا ثانی ہے کوئی اور
یہ اَوج زمانے میں کسی کا ہے نہ یہ دور
کرسی ہو کہ گردوں کوئی پائے ہیں ہیں میرے
جو عرش کے تارے ہیں وہ چھالے ہیں ہیں میرے

۱۷۳

اللہ رے شرف خیمۂ افلاک حشم کا
گھر آلِ محمدؐ کا محل شاہِ اُمم کا
سایہ کی قناتیں کہ احاطہ تھا کرم کا
گِرد پھرا طوف کیا اُس نے حرم کا
ڈیوڑھی نہ کہو رحمتِ معبود کا در تھا
کعبے میں جو پیدا ہوا اس شاہ کا گھر تھا

۱۷۴

فراش جو باہر گئے فرش اس میں بچھا کر
ہودج سے اُترنے لگیں جب دخترِ حیدرؑ
کس شان سے داخل ہوئے ناموسِ پیمبرؐ
پردے کو سنبھالے ہوئے تھے قاسمؑ و اکبرؑ
رایت لئے عباسؑ فلک جاہ کھڑے تھے
خود اپنی عبا روکے ہوئے شاہ کھڑے تھے

۱۷۵

محمل سے اُتر آئیں جو نہوڑائے ہوئے سر
اک ہاتھ کو تھامے ہوئے تھی بانوئے سرور
نعلین رکھی زوجۂ عباسؑ نے بڑھ کر
سجادؑ اُٹھائے تھے لٹکتی ہوئی چادر
اک دخترِ شبیرؑ ادھر ایک اُدھر تھی
سر بلوے میں کھل جائے گا اس کی نہ خبر تھی

۱۷۶

اک دن تو ہیبت تھا یہ سامان سواری
ہودج تھا نہ محمل نہ کجاوہ نہ عماری
اک روز وہ تھا گِرد تھے نیزے لئے ناری
بے پردہ تھی خاتونِ قیامت کی وہ پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہرے پہ اور ہاتھ بندھے تھے

۱۷۷

ہاں حیدریو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
پُرسا دو کہ ہیں فاطمہ اس بزم میں حاضر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری گردن کی رگیں کٹ گئیں آقا

۱۷۸

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدّق
ان زخموں کے قرباں دلِ محزوں کے تصدّق
آقا ترے پیراہنِ پُرخوں کے تصدّق
ریتی پہ تڑپتے تنِ موزوں کے تصدّق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
آقا ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

۱۷۹

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑا ترے گیسو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے لاشے پہ ردا رہنے نہ پائی

۱۸۰

وہ اوس وہ دھوپ آٹھ پہر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا
خولی نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

۱۸۱

مصروفِ بکا بزم میں ہیں شاہ کے غم خوار
ہر شخص کے بر لائیں مطالب شہِ ابرار
خالق سے انیس اب یہ دعا کر بہ دلِ زار
یارب اسی ماتم سے رہے مجھکو سروکار
ہر دم پسرِ فاطمہؑ کی یاد میں گزرے
دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گزرے

سلام

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں
ماتمِ سجادؑ میں بیمار ہوں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا
وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں

بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں
کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں آئے کون پاس
اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں
ہم دموں میں تیغ جوہر دار ہوں

اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرۂ دستار ہوں

قطعہ

شہ کو عرضی میں یہ صغرا نے لکھا
رحم کیجے طالبِ دیدار ہوں

شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر
صورتِ مہتابِ شب بیدار ہوں

شربتِ دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں بیمار ہوں

قطعہ

کہتے تھے عباسؑ اے فوجِ یزید
میں غلامِ سیدِؑ ابرار ہوں

میرا آقا ہے حسینؑ ابن علیؑ
ابن زہراؑ کا علم بردار ہوں

زورِ جعفرؑ کا مرے بازو میں ہے
جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں

کون ہے کونین میں مجھ سا جری
صف شکن ہوں صفدر و جرار ہوں

کاٹ ڈالوں گا سرِ اعدائے دیں
ذوالفقارِ حیدرِؑ کرار ہوں

قطعہ

کہتے تھے عابدؑ اٹھیں کیوں کر قدم
اے ستمگارو نحیف و زار ہوں

دم بہ دم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو — پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں
میں پیادہ تم ہو گھوڑوں پر سوار — کس طرح دوڑوں بہت بیمار ہوں

قطعہ

کہتے تھے اعدا سے حضرت وقتِ جنگ — وارثِ دارِ حیدرِ کرار ہوں
میں چڑھا ہوں مصطفیٰؐ کے دوش پر — میں شبابِ خلد کا سردار ہوں
خرمنِ ہستی ابھی ہو جل کے خاک — برقِ قہرِ حضرتِ قہار ہوں
بنتِ احمدؐ کا پیا ہے میں نے شیر — شیر ہوں، جرار ہوں، کرار ہوں
پہلے حملے میں اُلٹ دوں فوج کو — ایک دم سے اِن صفوں سے پار ہوں
بیچ میں ہے اُمتِ جد کا قدم — کیا کروں مجبور ہوں ناچار ہوں

قطعہ

بولا حُر لالچ دیا جب شمر نے — میں نثارِ سیدِ ابرار ہوں
پھر فنا ہونے کی حسرت ہو مجھے — شاہ پر صدقے اگر سو بار ہوں
مجھ کو بہکاتا ہے او شیطانِ خلق — تو ہے غافل اور میں ہشیار ہوں
چھوڑ کر کعبے کو آؤں سوئے دیر — نور ہو کر پھر شریکِ نار ہوں

قطعہ

کہتی تھی تیغِ علیؑ یا شاہِ دیں — حکم کر دیجے تو آتش بار ہوں
سب کو کر دیتی ہوں فرش اک آن میں — عرش سے اُتری ہوئی تلوار ہوں
میں نے کاٹے ہیں پرِ روح الامیں — میں علیؑ کی تیغِ جوہر دار ہوں
چار آئینے ہوں گر میں یا زرہ — چار کر دوں اس کو جس سے چار ہوں
کیا کروں اے خاصِ آلِ عبا — آپ کے اس رحم سے ناچار ہوں
کہتی تھی زینبؑ دُہائی یا علیؑ — سر برہنہ میں سرِ بازار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیس — آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

مرثیہ

۱

جب طے کیا شہ نے سفر راہ خدا کو
اک عید ہوئی عاشق ربّ دوسرا کو
منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلد بریں کا

۲

اے قافلے والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے
دینداروں کے یہ سر سے گذرنے کی جگہ ہے
خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
ہمّت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہِ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملے گی

۳

کعبے سے بزرگی میں برابر یہ زمیں ہے
گو فرش کی اور عرش کی ہمسر یہ زمیں ہے
آئینۂ گردوں سے منوّر یہ زمیں ہے
قرباں گہِ اولادِ پیمبر یہ زمیں ہے
بے جاں ہمیں ہونا ہے یہیں جان گئے ہم
اس دشت کو اس نہر کو پہچان گئے ہم

۴

مدت سے اسی خاک کا مشتاق تھا شبیر
اس ارض مقدس کی محبت تھی گلو گیر
پھرتی تھی سدا آنکھوں میں اس دشت کی تصویر
اب منزلِ مقصود پہ لائی مجھے تقدیر
اترو یہ فرشتوں کی صدا آتی ہے مجھ کو
یاں گلشنِ جنّت کی ہوا آتی ہے مجھ کو

۵

کیا سبزۂ نوخیز ہے کیا خوب فضا ہے
جنّت کا نمونہ اسے کہئے تو بجا ہے
کیا چشمۂ شیریں ہے عجب سرد ہوا ہے
آرام سے سونے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
یوں غنچۂ خاطر متبسّم ہوا کھل کر
خوش ہوتا ہے جیسے کوئی معشوق سے مل کر

۶

دریا سے وضو کر کے مصلّوں کو بچھاؤ
کھولو کمریں اب قدم آگے نہ بڑھاؤ
سجدے میں سر اس ارض مقدّس پہ جھکاؤ
حمّالوں کو دو حکم کہ اونٹوں کو بٹھاؤ
گھوڑے بھی تھکے ماندے ہیں زینوں کو اتارو
محمل سے بس اب ناقہ نشینوں کو اتارو

۷

اترے فرسِ خاص سے سبطِ شہِ لولاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رُخِ پاک
تھرّا کے زمیں زرد ہوئی اڑنے لگی خاک
رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

۸

جھونکوں سے ہوا کے جو اڑے پردۂ محمل
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل
سینوں میں اچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آ جائے جہاز آلِ نبیؐ کا

۹

اونٹوں سے نہ اترا تھا ابھی خیمہ و خرگاہ
تھے سارے عزیز و رفقا آپ کے ہمراہ
صحرا سے نکلتے ہوئے دریا پہ گئے شاہ
گرد اختر تابندہ تھے اور بیچ میں وہ ماہ
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

۱۰

اکبرؑ تو یہ کہتے تھے کہ صحرا یہ ہے عالم
فرماتے تھے عباسؑ ترائی بھی نہیں کم
اچھی تو اسی سمت نظر پڑتی تھی اس دم
خیمہ ہو کہیں آن کے سوئیں گے یہیں ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
نہروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

۱۱

ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر
رنگِ رُخِ عباسِؑ علیؑ ہو گیا تغیر
منہ دیکھتے تھے دونوں کا اور روتے تھے شبیرؑ
پوچھا سببِ گریہ تو بولے شہِ دلگیر
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بہ خود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

۱۲

جاتے تھے لڑائی پہ جو صفین کی حیدرؑ
مغموم تھے اُس روز بہت فاتحِ خیبر
ہے خوب مجھے یاد یہیں اترا تھا لشکر
جب تک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر
کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

۱۳

تب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذی شان
کیا وجہ ہے بے تابی کی کیوں آپ ہیں گریاں
لپٹا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں
اے احمدِؐ مرسل کے پسر میں ترے قرباں
اک دن تو مرے بعد یہاں آئے گا شبیرؑ
عقدہ مرے اس رونے کا کھل جائے گا شبیرؑ

۱۴

سب چھوٹے بڑے رونے لگے سن کے یہ گفتار
خیمہ ہو کہاں اترے کجاووں سے کہاں بار
ہم شکلِ پیمبرؐ نے کہا یا شہِ ابرار
فرمانے لگا مصطفیؐ حشر کا علمدار
کم سن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے

۱۵

گرمی تو صغیروں کی ہلاکت کا سبب ہے
کھینچی ہے جو ایذا کے سفر حال عجب ہے
پیاسے رہیں دم بھر یہ تامل انھیں کب ہے
کھانے سے زیادہ انھیں پانی کی طلب ہے
منزل پہ ہمیں رکھوا تا تھا مشکیزوں کو بھر کر
پانی پہ گرے پڑتے تھے ناقوں سے اتر کر

۱۶

حضرت نے کہا یاں بھی خدا واں بھی خدا ہے
ہر چند کہ تدبیرِ حفاظت کی بجا ہے
صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے
یہ ہوگا وہی جو کہ مقدّر میں لکھا ہے
دریا پہ اُترنے کا سرانجام نہ کیجے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجے

۱۷

ہر چند حقیقت میں یہ دریا ہے ہمارا
ہے مالکِ کوثر یہ ید اللہ کا پیارا
پر کرتے ہیں ہم دیدہ و دانستہ کنارا
کیا بحرِ کرم کے لئے چشمے کا سہارا
فکر اس کی عبث ہے کہ نہ ہاتھ آئے گا پانی
اللہ وہیں پیاسوں کو پہنچائے گا پانی

۱۸

فرما کے یہ حضرت اسی صحرا میں پھر آئے
خیمے کئے اِستادہ سراچے بھی لگائے
فراشوں نے جھاڑی وہ زمیں اونٹ بٹھائے
اور ڈیوڑھی پہ ناموس کے جمازوں کو لائے
پاس آ کے گھٹا ٹوپ کو کھلوا تے تھے عباسؑ
ہر بی بی کو محمل سے اُتروا تے تھے عباسؑ

۱۹

جمازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہونچا
گرد آ کے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا
کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحا
محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ
اک ہاتھ علیؑ اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ یداللہ نے تھاما

۲۰

چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اُتریں
آنسو رُخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
پردہ تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں
آگاہ نہ تھی اس ستمِ چرخِ کہن سے
کھل جائے گا سر ہاتھ بندھے ہوں گے رسن سے

۲۱

داخل ہوئیں خیمہ میں جوں ہی دخترِ حیدر
جب کھل گیا پردا تو اُترنے لگا لشکر
پیچھے گئیں ناقوں سے کنیزیں بھی اُتر کر
بالیں بھی کھڑی ہوگئیں، اور لگ گیا بستر
کمروں کو پیادوں نے اور اسواروں نے کھولا
دوکانوں کو لشکر کے دوکانداروں نے کھولا

۲۲

اک سمت بندھے آن کے اصطبل میں رہوار
اُٹھے پئے گل گشت جوانانِ خوش اطوار
محمل جو اُتارے تو ہوئے اونٹ سبک بار
زہراؑ کے گلستاں سے وہ صحرا ہوا گلزار
صورت نظر اللہ کے مقبولوں کی آئی
بستے گئے جس سمت مہک پھولوں کی آئی

۲۳

وہ خیمۂ زرنگارِ شاہنشہِ والا
اوج اس کا جو دیکھے تو کہے دیکھنے والا
بے چوبۂ گردوں سے تھا رفعت میں دو بالا
سرِ چرخِ چہارم سے زمیں نے ہے نکالا
دستار پہ رکھ ہاتھ جو دیکھا ہے فلک سے
خورشید کا منھ زرد ہے خیمے کی چمک سے

۲۴

وہ خیمہ وہ لشکر وہ بیاباں وہ ترائی
رونق چمنِ خلد کی اس دشت نے پائی
اک قدرتِ اللہ کی تھی جلوہ نمائی
ویرانے میں بستی ہوئی جنگل میں ترائی
کانٹوں کے جہاں ڈھیر تھے گلشن نظر آیا
پھولوں سے بھرا دشت کا دامن نظر آیا

۲۵

سقّے گئے اور مشکوں میں آنے لگا پانی
موقوف اُسی دن سے ہوئی تھی رسد آنی
تونسے ہوئے گھوڑوں کی بجھی تشنہ دہانی
لشکر میں ہوئی شاہ کے، سقّے کی گرانی
مہمانوں پہ رحم آیا نہ پیماں شکنوں کو
فاقوں کے پیام آنے لگے بے وطنوں کو

۲۶

گذرا تھا جو دن عالمِ غربت میں ہوئی شام
مصروفِ عبادت میں ہوئے شاہِ خوش انجام
اک بار اذاں دینے لگے اکبرِ گلفام
طاعت کے لئے جمع ہوا لشکرِ اسلام
جوں دانۂ تسبیح برابر وہ جواں تھے
صف پیچھے تھی اور آگے امامِ دو جہاں تھے

۲۷

فارغ جو فریضہ سے ہوئے سیدِ ذی جاہ
پہونچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ
سجادۂ طاعت سے اُٹھے خیمہ کی لی راہ
رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں
اختر تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

۲۸

مسند کو شہ دیں نے منور کیا جا کر
جا بیٹھی سکینہؑ بھی قدم جلد بڑھا کر
لینے لگی بھائی کی بلائیں بہن آ کر
کہنے لگی منہ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
کس کس سے بلانے کے لیے میں نے کہا تھا
بابا تمہیں کب سے مرا دل ڈھونڈھ رہا تھا

۲۹

کس بات کا اندیشہ ہے میں آپ کے قربان
سونے کی نہ کچھ فکر ہے کھانے کا نہ کچھ دھیان
خاطر بھی پریشان ہے گیسو بھی پریشان
کیا ہو گئے وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہمان
ہر مرتبہ کیوں اشکوں سے منہ دھوتے ہو بابا
کیا فاطمہؑ صغرؑا کے لیے روتے ہو بابا

۳۰

ڈھل پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے جب کرتے ہو کچھ بات
پچھلے کو یہ کرتے ہو دعا بعد مناجات
رونے میں کئی دن سے گذر جاتی ہے سب رات
مشکل مری آسان کر اے قاضیٔ حاجات
تو چاہے تو مقصد پہ پہنچ جاتا ہے شبیرؑ
اب دیر جو ہوتی ہے تو گھبراتا ہے شبیرؑ

۳۱

حضرت نے کہا کچھ نہیں تشویش مری جان
عاشق وہ ہے جو ہو رہ معشوق میں قربان
اللہ سے لازم ہے طلب خیر کی ہر آن
اب آتے ہیں وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہمان
فارغ الم و رنج سے ہونے کے دن آئے
صدقے پدر اب چین سے سونے کے دن آئے

۳۲

منہ دیکھ کے زینبؑ کا یہ کہنے لگے شبیرؑ
کیوں آنکھیں ہیں سوجی ہوئی کیا روتی ہو ہمشیر
پاتا ہوں بہت میں تمہیں افسردہ و دلگیر
ہے غم سے تمہارے مرا حال اور بھی تغیّر
ہاتھوں سے نہ مادر کا چلن دیجیو بہنا
مر جائے گا شبیرؑ تو رو لیجیو بہنا

۳۳

زینبؑ نے کہا شاہ سے با گریۂ و زاری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری
یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
گھبراتی ہے ڈر ڈر کے سکینہؑ مری پیاری
بانوؑ کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغرؑ نے بھی منہ پھیر لیا ہے

۳۴

زینبؑ سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر
اس دشت کا میں حال سناؤں تمہیں ہمشیرؑ
کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیرؑ
کونین میں اس ارض مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

۳۵

یہ سن کے اڑا رنگ رخ زینبؑ مضطر
حضرت نے کہا خیر ہے کیا کرتی ہے خواہر
منہ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے تجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

۳۶

اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی
بہنا کو مدینے بھی نہ پہنچاؤ گے بھائی
گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
میں دیکھوں گی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولاد سے بابا کے یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموس نبیؐ کے بھی لٹنے کی جگہ ہے

۳۷
جب سنتی تھیں یہ نام تو غش ہوتی تھیں اماں
نے کھاتی تھیں نے پیتی تھیں نے سوتی تھیں اماں
منہ شام تلک آنسوؤں سے دھوتی تھیں اماں
جیسے کوئی مر جاتا ہے یوں روتی تھیں اماں
وہ بین وہ فریاد و بکا یاد ہے مجھ کو
وہ بالے حسینا کی صدا یاد ہے مجھ کو

۳۸
حجرے سے صدا آتی تھی ہے ہے مرے شبیرؑ
بچے تری ثابت ہوئی تھی کون سی تقصیر
اماں ترے قربان ہوا اے کشتۂ شمشیر
اے لال ترا سینہ کہاں اور کہاں تیر
ماتم میں ترے کوکھ مری جل گئی بیٹا
تو ذبح ہوا مجھ پہ چھری چل گئی بیٹا

۳۹
زینبؑ سے جو یہ ذکر سنا رونے لگے شاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ
ناموس محمدؐ کو صدمۂ جاں کاہ
پہونچا یہ خبر دار کو حکم شہ ذی جاہ
ہاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے طرف یا ادھر آیا

۴۰
مانند نظر دور گیا پیکِ صبا دم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم
پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
کوسے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزاروں میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

۴۱
اس فوج میں تیار ہے سب جنگ کا ساماں
گھوڑے دو دو کا ہے ہیں جوانوں کے تہِ راں
نیزوں کی یہ کثرت ہے کہ گویا ہے نیستاں
دیکھا جسے سر تا قدم آہن میں ہے پنہاں
ڈھالیں عقب دوش ہیں چار آئینے بر میں
تلواریں تو قبضوں میں ہیں خنجر ہیں کمر میں

۴۲
شہ نے کہا سرکردۂ لشکر کا ہے کیا نام
سن کر یہ خبر بولے شہنشاہ ذوالاکرام
کی عرض یہ اس نے عمرِ سعد بد انجام
صد شکر کہ آ پہونچا ہمیں موت کا پیغام
دشمن کو اگر رے کی حکومت کی خوشی ہے
موجود ہیں ہم کو بھی شہادت کی خوشی ہے

۴۳
اکبرؑ نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا
تھرا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
ہو جائے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا
کہتا تھا یہ لشکر عمرِ سعدِ شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا

۴۴
عباسؑ لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج کو جا کر
کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آ کر
روکا شہِ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

۴۵
شہ نے کہا کیوں روتے ہو کیا جی میں یہ آئی
رو لے گی غریبی پہ مری ساری خدائی
تم میری طرف دیکھو کہ بے کس ہوں میں بھائی
جو چاہیں کریں ہم کیے جائیں گے بھلائی
غصے کی یہ جا گہ نہیں کیا اس میں ضرر ہے
سر لینے کو آئے ہیں تو حاضر مرا سر ہے

۴۶
مظلوم ہیں ہم غیظ سے مظلوم کو کیا کام
ہر رنج کو سمجھو رہِ معبود میں آرام
غصے کا نہیں وقت یہ ہے صبر کا ہنگام
منظور ہے یاں بخششِ اُمت کا سرانجام
کچھ جان کا ضرر نہیں حیدرؑ کے پسر کو
وہ مانگیں تو خود کاٹ کے میں بھیج دوں سر کو

۴۷
کیا ہوتا ہے کہتے ہیں تو کہنے دو ستمگر
موجود ہے اکبرؑ سا پسر تم سا برادر
طاقت ہے کوئی ہاتھ اُٹھا سکتا ہے مجھ پر
کیوں روتے ہو تم کاٹتا ہے کون مرا سر
آنسو نہ بہاؤ کہ لہو میرا گھٹے گا
آگے نہ تمہارے سے صبرِ شبیرؑ گھٹے گا

۴۸
تم سا کوئی دنیا میں نہیں صاحبِ شمشیر
عالم کے زبردستوں کو بابا نے کیا زیر
موقع نہیں غصے کا ہر اک وقت مرے شیرؑ
کیا کیا نہ سہے رنج ہوئے زیست سے جب سیر
اُس روز نہ تقدیر سے کچھ زور چلا تھا
رسّی سے بھلا بند چھٹنے کے قابل یہ گلا تھا

۴۹
ہر دم یہ صدا آتی تھی تیغِ دو زباں سے
فرماتے تھے اس صاعقۂ شعلہ فشاں سے
یا شیرِ خدا مجھ کو نہ کھینچو گے میاں سے
مجبور ہیں ہم حکمِ خدائے دو جہاں سے
یہ دیدہ و دانستہ جفائیں نے سہی ہے
تلوار وہی زور وہی ہاتھ وہی ہے

۵۰
اماں مرے پہلوئے شکستہ کو سنبھالے
چلاتی تھیں کوئی مرے وارث کو بچا لے
پیچھے چلی جاتی ہیں ردا دوش پہ ڈالے
بازار میں سر پیٹتے تھے دیکھنے والے
نے ہم پہ نہ اماں کے کھلے سر پہ نظر تھی
بابا کی فقط خالقِ اکبر پہ نظر تھی

۵۱
غصہ تھا تمہاری ہی طرح ہم کو بھی بھائی
مرجانے پہ تیار تھے پر کچھ نہ بن آئی
کچھ غیظ میں آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
بابا نے قسم روحِ محمدؐ کی دلائی
جب والدہ روتی تھیں تو چلاتے تھے ہم بھی
لپٹے ہوئے بابا سے چلے جاتے تھے ہم بھی

۵۲
میری تو کسی نے ابھی باندھی نہیں گردن
بہنیں مری نکلی نہیں کرتی ہوئی شیون
شبیرؑ کو پکڑے لئے جاتے نہیں دشمن
گھر میرا جلا دینے کو آئے نہیں بدظن
بے تیغ چلے غیظ میں تم آ گئے بھائی
سر کٹنے کے مذکور پہ تھرا گئے بھائی

۵۳
تیروں کا نشانہ جو بنا میں تو ستمگر
اس پیار سے معلوم یہ ہوتا ہے برادر
پھر تم سے بھلا صبر کیا جائے گا کیوں کر
مر جاؤ گے جب تیغ کوئی کھینچے گا مجھ پر
لو بس کرو اتنا بھی کوئی روتا ہے بھائی
بھائی تو ابھی ذبح نہیں ہوتا ہے بھائی

۵۴
اتنے میں صدا دور سے نقاروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوجِ ستمگاروں کی آئی
آواز جفاکاروں کے رہواروں کی آئی
پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی
کی عرض وہ لشکر ہے یہ جس کے علم ہیں
اک شمر ہے اور چار ہزار اہلِ ستم ہیں

۵۵

جس جا پہ ہے فوجِ پسرِ سعدِ بداختر
عباسؑ سے شہ بولے کہو اس سے برادر
داہنی طرف اس فوج کے اترا ہے وہ لشکر
آہستہ کہے راز کہ شمرِ ستمگر
اک حشر بپا زینبؑ ناشاد کرے گی
سر کھول کے اللہ سے فریاد کرے گی

۵۶

جس وقت سے اترا ہوں میں اس دشتِ ستم میں
مادر کی طرح روتی ہے زینبؑ مرے غم میں
لب خشک ہے منھ فق ہے دم اس کے نہیں دم میں
دھڑکا ہے کہ مر جائے نہ بھائی کے الم میں
شبیرؑ کے بچنے کا بھی کچھ طور نہیں ہے
اس کا تو کوئی میرے سوا اور نہیں ہے

۵۷

اس فکر میں سوئے نہ ذرا سبطِ پیمبر
دن کو بھی خبریں چلی آتی تھیں برابر
صحرا میں رہی تا بہ سحر آمدِ لشکر
شیث آیا ہے اب ساتھ لئے فوجِ ستمگر
خود آگے ہے اور پیچھے کمانداروں کی صف ہے
ایک ایک کا رخ فوجِ حسینی کی طرف ہے

۵۸

یہ سنتے تھے جو دوسرا آ کر یہ پکارا
عمانِ شقاوت نے ہے اک جوش سا مارا
آ پہنچا یزید ابنِ رکابِ ستم آرا
گھوڑوں سے رکا جاتا ہے دریا کا کنارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

۵۹

آئے دہلِ فتح بجاتے ہوئے باہم
تھے چار ہزار اہلِ ستم اور بھی اظلم
حجاج و سنان ابنِ انس خولی و منتقم
انبوہ ہوا تا ششمِ ماہِ محرم
اندھی ہوئی بادل کی طرح فوج کہاں تھی
مقتل میں زمیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

۶۰

اس فوج سفر جوج کی تعداد ہے دشوار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ وارد اخبار
لکھتا ہے کوئی تیس ہزار آئے تھے غدار
اکثر کا یہ ہے قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے
یاں بے کس و مظلوم امامِ دوسرا تھے

۶۱

اُڑتے تھے نشانوں کے پھریرے تو ہوا سے
اندھیر کئی کوس تھا ڈھالوں کی گھٹا سے
اور گونجتا تھا دشت وہ گھوڑوں کی صدا سے
سب تیغ زن اس پیاس کے تھے خون کے پیاسے
غل تھا کہ نہ مہلت دو شہِ جن و بشر کو
سادات کا سر کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

۶۲

تانے ہوئے نیزوں کو سوار ایک طرف تھے
اور تیر فگن تیس ہزار ایک طرف تھے
تلواریں لیے ظلم شعار ایک طرف تھے
کوفے کے جواں باندھے قطار ایک طرف تھے
بدلی سپہِ شام کی پیاسوں پہ جھکی تھی
شہ بیچ میں تھے چار طرف راہ رکی تھی

۶۳

اللہ رے جوانانِ حسینیؑ کے ارادے
کل تیس تو اسوار تھے چالیس پیادے
ساونت نہ ہوں کیوں جنھیں توفیق خدا دے
اک ایک پرا ایسا کہ لاکھوں کو بھگا دے
جنت ہی شہیدوں کی شہادت کا صلا تھا
ہفتم سے دہم تک انھیں پانی نہ ملا تھا

٦٤
کچھ پیاس کا شکوہ تھا نہ فاقوں کی شکایت
تھی دل میں ولائے پسرِ شاہِ ولایت
ایک ایک تھا پروانۂ مصباحِ ہدایت
لب پر فسیکفیکہم اللہ کی آیت
ہر چند یہ سامان وغا ان کی طرف تھا
حضرت کے یہ تھے ساتھ خدا ان کی طرف تھا

٦٥
پڑھ پڑھ کے نمازیں شبِ عاشور گزاری
ہر دم یہی نعرہ تھا کہ یا ایزدِ باری
خشکیدہ زبانوں پہ رہا شکر ہی جاری
ہے شکر کہ عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
خوشنود رہیں فاطمہؑ وہ کام کریں ہم
پہلے ترے محبوب کے پیارے سے مریں ہم

٦٦
جانکاہ ہے تسبیح شبِ عاشور کا احوال
جس وقت کمر باندھ چکے شاہ خوش اقبال
زہراؑ کا اسی روز چمن ہو گیا پامال
سر پیٹ کے سب بیبیوں نے کھول دئے بال
رومال جو حضرت نے رکھا دیدۂ نم پر
گھبرا کے بہن گر پڑی بھائی کے قدم پر

٦٧
رو کر سرِ زینبؑ کو قدم پر سے اُٹھایا
فرما کے سخن صبر و رضا کا یہ سنایا
پیشانی سے بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا
مجبور ہیں قسمت نے ہمیں تم سے چھڑایا
نیکوں سے صدا نیک عمل ہوتا ہے زینبؑ
اب ٹھہریں تو وعدے میں خلل ہوتا ہے زینبؑ

٦٨
یہ کہہ کے چلے آپ ہوا گھر تہ و بالا
کرسی پہ جلو خانے میں بیٹھے شہِ والا
زینبؑ جو گری دوڑ کے فضہؑ نے سنبھالا
گردِ مہِ زہراؑ رُفقا ہو گئے ہالا
کہنے کو تو کرسی تھی مگر عرش نما تھی
پایہ میں کہیں تختِ سلیماں سے سوا تھی

٦٩
شہ نے نظرِ لطف سے غمخواروں کو دیکھا
گہ ان کو کبھی فاطمہؑ کے پیاروں کو دیکھا
مرجانے پہ تیار وفاداروں کو دیکھا
کمروں سے لٹکتے ہوئے تلواروں کو دیکھا
پوشاک کو مانندِ کفن چاک کئے تھے
دربار میں سر نذر کو ہاتھوں پہ لیے تھے

٧٠
خوش بھی ہوئے رونے بھی لگے سرورِ ذی شاں
عرصہ نہیں تیار ہے سب فوج کا ساماں
ہم شکلِ پیمبرؐ سے کہا اے مہِ تاباں
لاؤ علمِ فوج کو خیمے سے مری جاں
زینت ہے وہی فوجِ حسینؑ ابنِ علیؑ کی
سب کر لیں زیارت کہ نشانی ہے نبیؐ کی

٧١
جب لے کے چلے اکبرؑ وہ علم خیمہ سے باہر
جس وقت نکالا اسے ڈیوڑھی سے جھکا کر
روئے حرم آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
فضہؑ لگی سر پیٹنے پردے کو اٹھا کر
ہوتے تھے بیاں بے کسیٔ شاہِ اُمم کے
تھیں بیبیاں سر کھولے ہوئے پیچھے علم کے

٧٢
زینبؑ علمِ شاہ کی لیتی تھی بلائیں
اللہ کرے خیر سے پھر گھر میں سب آئیں
کہتی تھی کہ دو بیبیو! نصرت کی دعائیں
بھائی کی عداوت سے عدو ہاتھ اٹھائیں
سادات کا اقبال و حشم جاتا ہے دیکھو
گھر سے مرے نانا کا علم جاتا ہے دیکھو

۷۳

عباسؑ کی زوجہ یہ بیاں کرتی تھی رو رو
کیوں صاحبو دیکھیں یہ علم ملتا ہے کس کو
زینبؑ کے پسر عمر میں چھوٹے ہیں ابھی تو
ہم شکل پیمبرؐ ہیں علی اکبرؑ خوش خو
خادم شہ دیں کے ہیں تو عباسؑ علی ہیں
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

۷۴

اکبرؑ سے کہا بانوؑ نے کیوں اے مرے دلدار
یہ منصب والا کسے دیں گے شہ ابرار
وہ بولے کہ مجھ پر تو ابھی کچھ نہیں اظہار
پر چاہیئے عباسؑ علیؑ ہوویں علمدار
اس وقت انھیں پر نظر سرور دیں ہے
اور ایسا جواں بھی کوئی لشکر میں نہیں ہے

۷۵

خاموش کھڑے ہیں جو لگائے ہوئے ہتھیار
ہے شانِ حسنؑ دبدبۂ حیدرؑ کرار
پڑتی ہے انھیں پر نظر ایک کی ہر بار
حمزہؑ کوئی کہتا ہے کوئی جعفرؑ طیار
شہ دیکھتے ہیں اشک بھرے دیدۂ تر میں
تصویر علیؑ پھرتی ہے بابا کی نظر میں

۷۶

مژدہ یہ سنا زوجۂ عباسؑ نے جس دم
منھ سرخ خوشی سے ہوا تشویش ہوئی کم
بولی کہ بڑی فکر تھی پر اب نہیں کچھ غم
قربان تمھارے ہیں شہنشاہ دو عالم
مخدومۂ کونین کے جانی کے تصدق
آقا ہیں تری تشنہ دہانی کے تصدق

۷۷

کیوں کر نہ ہو اس بھائی کو ہے گود میں پالا
نعلین اُٹھانے لگے جب ہوش سنبھالا
نام اپنا ہے خادم کا جو رتبہ ہے دو بالا
سب ملتے ہیں ملتا ہے کہاں چاہنے والا
توقیر جو اُن کی ہے تو نام شہ دیں ہے
جانیں گے یہی سب کہ غلام شہ دیں ہے

۷۸

کونین میں والی کو مرے کر دیا ممتاز
عزت وہ نہ دیویں تو کرے کون سرافراز
ہے دلبر زہراؑ کی محبت پہ اسے ناز
وہ شمع ہدایت ہے یہ پروانۂ جانباز
شمشیر کے شعلے سے نہ ٹل جائے گا عباسؑ
آنچ آئے گی آقا پہ تو جل جائے گا عباسؑ

۷۹

شوہر کی بس خاطر سے یہ کرتی نہیں گفتار
عباسؑ سا دنیا میں نہ ہووے گا وفادار
بھڑکانے کے در پے ہی رہا شمر ستمگار
سالاری لشکر کا پیام آیا کئی بار
جھنجھلا کے وہ کہتے تھے کہ مرجانے کی جا ہے
تلوار کے بھی زخم سے یہ زخم سوا ہے

۸۰

شاید مجھے محتاج سمجھتا ہے وہ بے پیر
ہے اُس ولد التقلب کا سر اور مری شمشیر
منصب مرا مرجانا ہے اور خلد کی جاگیر
دنیا کے لئے چھوڑیں گے ہم دامن شبیرؑ
کیا قہر ہے کیوں کر نہ مجھے رنج و تعب ہو
سن لیویں کہیں قبلۂ عالم تو غضب ہو

۸۱

یہ حال یہ تمنا ہے کہ ہوں شہ کا علمدار
اس رات تلک مجھ سے یہی کہتے تھے ہر بار
صاحب یہ دعا مانگو کہ اے کل کے مددگار
عباسؑ کو لشکر کا علم دیں شہ ابرار
حسرت ہے کہ جب سامنے افواج ستم ہو
اس دوش پہ تلوار ہو اور اس پہ علم ہو

۸۲
میں کہتی تھی کیوں شاہ سے کرتے نہیں مذکور
میں ذرہ ہوں وہ مہر ہیں میں خاک ہوں وہ نور
گھبرا کے وہ کہتی تھی کہ میرا نہیں مقدور
ہاں فضل خدا سے دو جہاں سے نہیں کچھ دور
سامان تو خالق نے کیے سارے خوشی کے
پھولے نہ سمائیں گے وہ اب مارے خوشی کے

۸۳
مذکورِ علمداریِ عباسؑ کو سن کر
کہنا کہ مبارک ہو تمہیں منصب جعفرؑ
چلاتی سکینہؑ مرے بھیا علیؑ اکبر
کیا اب بھی نہ پانی سے کرو گے مرے لب تر
بھولے گی مری یاد نہ میدان ستم میں
میں باندھتی ہوں سوکھی ہوئی مشک علم میں

۸۴
لائے علیؑ اکبرؑ علم شاہ کو جس دم
تھی نور کی چادر یہ پھریرے کا تھا عالم
پنجہ تھا کہ اک نیر ہے یہ تھا نیرِ اعظم
حسرت سے عزیز و رفقا کہتے تھے باہم
تا عرش خدا رتبہ کو پہونچاتا ہے کس کے
دیکھیں یہ ہما فرق پہ پھر جاتا ہے کس کے

۸۵
عباسؑ کو کس پیار سے حضرت نے بلایا
بھائی کو علم فوج کا دے کر یہ سنایا
آداب سے ہاتھوں کو وہ جوڑے ہوئے آیا
لو پایۂ جعفرؑ کی تمنا تھی سو پایا
خوش ہو کے رکھا ہاتھ تو غازی نے علم پر
اور جھک کے نہوڑا دیا سر شہ کے قدم پر

۸۶
فرمایا شہِ دیں نے کہ منگواؤ سواری
عباسؑ بہن صدقے ہو شوکت پہ تمہاری
ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
زہراؑ کی امانت سے خبردار میں واری
سونپا ہے تمہیں میں نے دل و جان نبیؐ کو
لیوے گی بہن تم سے حسینؑ ابن علیؑ کو

۸۷
بھیا مرے ماں جائے کا دشمن ہے زمانا
بھائی کو کہیں چھوڑ کے گھوڑا نہ اٹھانا
بڑھ کر بھی کوئی بولے تو غصے میں نہ آنا
تلواروں سے زہراؑ کے کلیجے کو بچانا
چھٹیں یہ نہ دونوں کے نظر کیجیو بھائی
بیٹے مرے بچوں کو سپر کیجیو بھائی

۸۸
بانو یہ پکاری علیؑ اکبر کو مری جان
تم کیا چلے واری مرا گھر ہو گیا ویران
صدقے تری سج کے ترے ہتھیاروں کے قربان
ہشیار خبردار لڑائی کا ہے سامان
تاثیر مرے دودھ کی دکھلائیو بیٹا
گر آن بنے باپ پہ مر جائیو بیٹا

۸۹
قاسمؑ کو صدا ماں نے یہ دی ڈیوڑھی پہ آکر
دامن کو بھی گردان لو ہتھیار لگا کر
پگڑی پہ پہنو مری جاں سہرا اٹھا کر
بھجوانا ہے میداں میں بنا تجھ کو بنا کر
دو گھر کی ترے مرنے سے بربادی ہے بیٹا
صدقے ہو چچا پر یہ تری شادی ہے بیٹا

۹۰
خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ

۱
جب شاہؑ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب مُلکِ عدم کی
اُس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
بطحا سے چلی فوج شہنشاہِ اُمم کی
جوں قبلہ نما قصد جدھر کرتے تھے شبیرؑ
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے تھے شبیرؑ

۲
کہتے تھے بصد درد کہ اے قبلۂ داور
طاقت نہیں سیّد کو اماں دا لئے مقدّر
اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
دوری ہوئی اس گھر سے بس اب دل کو یقیں ہے
قربانیٔ شبیرؑ کا ہنگام قریں ہے

۳
اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ جہاں سے
اس دشت میں مشتاق قضا جاتا ہوں یاں سے
چھٹتا ہے مکیں خالق اکبر کے مکاں سے
ٹکڑے مجھے ہوتا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوند دو عالم کی رضا پر

۴
اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب
رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بے آب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
جا ہیں گے کنوؤں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

۵
اے کوہ صفا دل ہے مکدّر ترے غم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے
صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ اَلم سے
قسمت لئے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
سب لعل مرے گردِ غریبی سے اٹیں گے
گرمی کے یہ دن بچوّں پہ سختی سے کٹیں گے

۶
پھر قبرِ محمدؐ کی طرف بڑھ کے زیارت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت
کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

۷
ملجا ہے نہ ملجیٰ ہے نہ مامن نہ مَفَر ہے
تلوار میں ہیں جلّادوں کی اور اک مرا سر ہے
غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
قدریں اُنھیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

۸
نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچّوں کو کھانا نہیں ملتا
جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں بلتا
پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سایہ میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

۹
دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہ ابرار
بے خوف یہاں آ کے جو مخفی ہو گنہگار
اک خانۂ حق اک درِ احمدؐ مختار
کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لئے مامن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

۱۰

حاکم نے ہوس نے کے او عمر مجھ کو ستایا
جلادوں سے یہاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
میں دھوپ میں ہوا، جب نہ تھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

۱۱

فریاد ہے راحت مجھے مولا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
اک خیمہ بپا کرنے کی بھی جا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری امت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجھکو تو کچھ دور نہیں ہے

۱۲

میں بچوں کو لے کر کدھر اس شہر سے جاؤں
سیدانیوں کو کون سے پردے میں چھپاؤں
کس دشت میں اس آپ کی بستی کو بساؤں
مخفی ہوں اگر قبر کا گوشہ یہاں پاؤں
کب دن میں کئی بار اسے غش نہیں آتا
زینبؑ کا وہ ہے حال کہ دیکھا نہیں جاتا

۱۳

بانو غمِ صغرا میں بکا کرتی ہے دن رات
سہمی ہے سکینہؑ بہت اے قبلۂ حاجات
تلخی سے بسر ہوتی ہے مولا مری اوقات
رو دیتی ہے مجھ سے بھی جو کرتی ہے کوئی بات
ساتھ اس کے زمانے سے گذر جاؤں گا میں بھی
یہ مر گئی غربت میں تو مر جاؤں گا میں بھی

۱۴

تا شام تو لو جلتی ہے جنگل میں سحر سے
چلاتی ہے برسا کے لہو دیدۂ تر سے
کم دودھ ہے بانو کا صعوبات سفر سے
بچی میں تجھے ڈھونڈھ کے لے آؤں کدھر سے
پہلو میں تری پالی ہوں خوشبو نہیں صغرا
افسوس کہ سب ساتھ ہیں پر تو نہیں صغرا

۱۵

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خاصۂ باری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری
گویا کہ بیاباں میں چلی باد بہاری
فیاض نے صحرا کے بھی کی کار برآری
نکلے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیم ختن آئی

۱۶

اونٹوں کو بھی تھا وجد حُدی خواں کی صدا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے
گھوڑے بھی طراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
صاف آتی تھی تکبیر کی آواز درا سے
صحرا تھا دمِ ظہر کہ دامن تھا جبل کا
غل ہوتا تھا اک حیّ علیٰ خیر عمل کا

۱۷

وحشت کو فراموش کیے دشت کے آہو
غل تھا پسرِ شیرِ الٰہی سے یہ ہر سو
تکتے تھے بہ حسرت طرفِ سیدؑ خوش خو
خوشبو میں یہ از مشکِ ختا ہیں یہی گیسو
رخ ماہِ دو ہفتہ ہے تو قد سرو سہی ہے
دے آئی تھی بچہ جسے ہرنی وہ یہی ہے

۱۸

کچھ دن سے اترتے تھے جہاں سیدِ ابرار
اردو میں دکانیں جو لگاتے تھے دکاندار
ہو جاتی تھی تاریک جبین مطلعِ انوار
آراستہ ہو جاتا تھا اک چھوٹا سا بازار
نیت میں فرزندوں کے ثابت قدمی تھی
پانی کا نہ تھا قحط نہ غلّے کی کمی تھی

۱۹

کھولے ہوئے پر کہتے تھے سب ابنِ ترازو
سن لے جو فرد شدہ ہے سنجیدہ و خوش خو
تُلے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہے اُردو
خاسر ہے جو میزاں میں ہوا فرق سرِ مو
اک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے
اعمال یوں ہی عدل کی میزاں میں تلیں گے

۲۰

قریوں سے زیارت کو جو آجاتی تھی خلقت
یکساں تھی ہر اک پر نظرِ لطف و عنایت
کرسی پہ بہ تجمل بیٹھتے تھے خیمے سے حضرت
محتاجوں سے باتیں تھیں غریبوں سے محبت
ہر عاجز و بےکس کی مدد کرتے تھے مولا
درویش کا ہدیہ بھی نہ رد کرتے تھے مولا

۲۱

عقدے تھے اگر حل انھیں کر دیتے تھے حضرت
بے برگ درختوں کو ثمر دیتے تھے حضرت
خالی تھے جو دامن انھیں بھر دیتے تھے حضرت
لاتا کوئی دو پھول تو زر دیتے تھے حضرت
پھل اس کو دیے جس کو برومند نہ دیکھا
فیاض کی مٹھی کو کبھی بند نہ دیکھا

۲۲

کافر بھی جو آیا اسے دی دولتِ ایماں
تھا مصحفِ ناطق کی طرح خلق یہ احساں
بے زاد مسافر تھا ہر اک آپ کا مہماں
منزل کوئی بے فیض نہ تھی صورتِ قرآں
وہ کون سا عاجز ہے جو کچھ پا نہیں جاتا
دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا

۲۳

جس دشت میں اس سروِ رواں کے قدم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ اُمم آئے
پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

۲۴

سب کہتے تھے اے احمدِ مختار کے جائے
فرماتے تھے شبیر کہ ہم رہنے نہ پائے
کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر آئے
یوں کوئی مسلماں، نہ مسلماں کو ستائے
تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی تھی
تدبیر گرفتاری شبیر ہوئی تھی

۲۵

گر دستِ ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسِ خوش اطوار
چلتی حرمِ حضرتِ معبود میں تلوار
باندھے رہے تا صبح سرِ شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے
نے مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

۲۶

کہتے تھے یہ شمشیرِ دو دم تول کے ہر بار
پاس اس کا نہ ہوگا کہ یہ ہے خانۂ غفار
شیروں کے پسر بھی کہیں ہوتے ہیں گرفتار
کر دوں ابھی تا کوہ صفا لاشوں سے انبار
یوں قتل ہو سب فوج لڑائی کی بنا میں
جس طرح گلے کٹتے ہیں دُنبوں کے منا میں

۲۷

ہونٹوں کو چباتے تھے علیؑ اکبرِ گلفام
زینبؑ کے پسر کہتے تھے تولے ہوئے صمصام
تھرا رہا تھا غیظ سے قاسم کا بھی اندام
اب کعبے سے لڑتے ہی چلے جائیں گے تا شام
تلواریں پکڑ کے جو غنیموں پہ جھکیں گے
روکیں گے جو آقا بھی تو پھر ہم نہ رکیں گے

۲۸

جھنجھلائے ہوئے سنکر ذی جاہ کے دلدار
آئے ہیں جو چھپ کر پئے قتلِ شہِ ابرار
ایک ایک سے کرتے تھے تفحص یہی ہر بار
بتلا دو تو جس قافلے میں ہیں وہ ستمگار
پائیں تو پھریں قلب و جگر کاٹ کے ان کے
کونے میں ابھی بھیج دیں سر کاٹ کے ان کے

۲۹

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی اولاد
حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پہلے جو فساد آہ اُدھر سے نہ نکلتا
مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

۳۰

راضی ہوں کہ اس بن میں کٹے تن سے مرا سر
کچھ غم نہیں لاشے کو کفن بھی نہ ملے گر
جس بن میں نہ پانی ہو نہ دانا ہو میسّر
پر خوں نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے
پشّے کے ستانے کا یہاں حکم نہیں ہے

۳۱

کس کو نہیں معلوم تہِ چرخ مقرنس
فرصت نہ ملی حج کی ہیں ایسا ہوا بے بس
مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
مقدور پہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بے بس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

۳۲

جس گھر کو بتوں سے اسدِ حق نے کیا پاک
بدعت سے لعینوں کی کلیجہ ہے مرا چاک
جانے نہیں دیتے اُسی گھر میں ہمیں سفاک
شاید میں نہیں لختِ دلِ سیدِ لولاک
قابض ہوئے ہیں گھر پہ خداوندِ احد کے
جانے نہ دیا مجھ کو مصلّے پہ بھی جد کے

۳۳

کعبہ جو حقیقت میں ہے لاریب وہ میں ہوں
جس میں نہیں دنیا کا کوئی عیب وہ میں ہوں
ہاں جس کے لیے رہے مددِ غیب وہ میں ہوں
معصوم ہے طفلی سے جو تا شیب وہ میں ہوں
اُدرج اُن کے ہیں جو اوجِ سعادت کے ہما ہیں
کعبہ بھی ہمیں سے ہے ہمیں قبلہ نما ہیں

۳۴

عالم ہیں سب اس کے کہ میں خود کعبۂ دیں ہوں
شاہد ہے فلک اس کا ہے کہ مختارِ زمیں ہوں
حق مجھ سے ہے نزدیک تو میں حق سے قریں ہوں
کعبہ کی طرح خاتمِ دنیا کا نگیں ہوں
سمجھے وہی اس رمز کو جو حق کی طرف ہے
حج سے بھی سوا میری زیارت کا شرف ہے

۳۵

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری
ناجی ہے جو مرتا ہے اطاعت میں ہماری
حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
ہم جس سے پھرے سب کی نگاہوں سے پھرا وہ
جو ہم سے پھرا کعبۂ ایماں سے پھرا وہ

۳۶

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی
قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اُس کا ہے رخ آپ کا جس در کی طرف ہو
عزت ہو تو مُردوں کی جو زندوں کا شرف ہو

۳۷

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پرآب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے نایاب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دے دیتے ہیں صرفہ نہ کریں گے

۳۸

گھر چھوڑ کے اب آپ کہاں جاتے ہیں مولا
خادم انھیں قدموں سے شرف پاتے ہیں مولا
یہ کیا ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں مولا
سب آپ کا صدقہ ہے جو ہم کھاتے ہیں مولا
خالی ہو جو دنیا قدمِ سرورِ دیں سے
دانا کبھی برسوں میں نہ پیدا ہو زمیں سے

۳۹

دیکھے جو قدم اس پہ امامِ دوسرا نے
ایک دانے کو سو سو جو خدا دیتا ہے دانے
بخشی برکت خاک کے طبقے کو خدا نے
جینا ہو تو سمجھے اسے دانا ہو تو جانے
جو دل سے بھلا دیتا ہے حق آلِ نبی کے
بجلی بھی جو گرتی ہے تو خرمن پہ اسی کے

۴۰

اللہ نے چشمے جو کیے خلق میں جاری
منھ آپ پھرا لیں تو زمیں خشک ہو ساری
سب یہ ہے کرم آپ کا اے خاصۂ باری
صحرا کی طرف رُخ نہ کرے ابرِ بہاری
باغوں میں کوئی پھول نہ پتّا نظر آئے
کوسوں کہیں جنگل میں نہ سبزہ نظر آئے

۴۱

یہ عجز یہ الطاف ہے اس جاہ و حشم پر
تنہا یہ ترحم یہ عنایت نہیں ہم پر
وہ قطع ہو جو ہاتھ اٹھے شاہِ امم پر
مہماں ہیں دنیا میں سب اس خوانِ کرم پر
نور آپ جو بخشیں تو ستارے بھی قمر ہوں
اس گھر کے طفیلی ہیں ملک ہوں کہ بشر ہوں

۴۲

وہ کون ہے ان ہاتھوں سے جو پا نہیں جاتا
گھر اس کے پہنچتا ہے جو کچھ کھا نہیں جاتا
خالی کوئی اللہ کا بندہ نہیں جاتا
دشمن بھی جو آتا ہے تو بھوکا نہیں جاتا
درباں کوئی روکے یہ وہ سرکار نہیں ہے
کافر ہے جو اس گھر کا نمک خوار نہیں ہے

۴۳

گھر جتنے ہیں مولا کے غلاموں کے وہ گھر ہیں
ہم بندے ہیں اور آپ محمدؐ کے پسر ہیں
کھینچے کوئی تلوار تو ہم سینہ سپر ہیں
جانیں ہیں تصدق تو فدا قدموں پہ سر ہیں
اشراف ہیں صادق ہیں وفادار ہیں مولا
اس دہ کے زن و مرد وفادار ہیں مولا

۴۴

عورات بھی ہیں فاطمہؑ کے نام پہ قرباں
فخر اس کا نجیب زادہ ہو جس قوم کا مہماں
کیا دخترِ زہراؑ کی زیارت کا ہے ارماں
فضہؑ کو بھی تکلیف نہ ہو ان کو ہے یہ دھیاں
ہو گا وہی شہزادیاں جو منھ سے کہیں گی
سب بیبیاں زینبؑ کی کنیزی میں رہیں گی

۴۵

فرمانے لگے حضرت تمھیں خالق رکھے آباد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بے کس و ناشاد
دنیا ہی برباد ہو ایک ایک کی اولاد
رو دو گے مفصّل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے گنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

۴۶
جائے گا اسی سمت یہ مظلوم مسافر
بستی ہو کہ جنگل وہی ہے حافظ و ناصر
منزل ہے معیّن جو ازل سے مری خاطر
آتا ہے محرّم یہ مہینا بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

۴۷
ہر چند کہ لو چلتی ہے آ سکتے ہیں بگولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھو لے
اشجار خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
تم لوگوں کی ایسی نہیں الفت کہ جو بھولے
موت آئی تو ہم کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آکے رہیں گے

۴۸
ان سب سے یہ فرما کے چلے سیّدِ ابرار
پھر تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار
روتے ہوئے بستی میں گئے اپنی وہ دیں دار
بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

۴۹
اس بن میں چلے جاتے تھے مولائے خوش اطوار
پہونچی جو قریبِ فرسِ سیّدِ ابرار
ہرنی ہوئی اک دور سے ناگاہ نمودار
ہاتھوں کو زمیں پر وہ پٹکنے لگی اک بار
پیدا تھا غم و درد و الم اس کی صدا سے
کچھ کہتی تھی گویا پسرِ شیرِ خدا سے

۵۰
قرباں کبھی ہوتی تھی شہِ عرش نشیں پر
رکھتی تھی اُٹھا کر کبھی سُم دامنِ زیں پر
جھک کر کبھی ماتھے کو رگڑتی تھی زمیں پر
آنکھیں کبھی ملتی تھی وہ پائے شہِ دیں پر
پایا تھا زبس عقدہ کشا اہلِ عبا کو
ہونٹوں سے پکڑ لیتی تھی دامانِ قبا کو

۵۱
نزدیک تھے بیٹے جو کئی شیرِ خدا کے
ہنس دیتے تھے شہ ہاتھ کو ماتھے پہ پھرا کے
ایک ایک کا منہ تکتی تھی وحشت میں وہ آ کے
رَم کرتی نہ تھی خلق کے سرتاج کو پا کے
علم اس کا کسی اور کو کیوں کر ہو جہاں میں
کچھ کہتے تھے حضرت اسی ہرنی کی زباں میں

۵۲
عباس سے ارشاد کیا آپ نے مڑ کر
اس ہرنی کی عرض کہ اے نائبِ حیدر
تم جانتے ہو مجھ سے جو کہتی ہے یہ مضطر
جانے کوئی کیا غیرِ دل و جانِ پیمبرؐ
سمجھے یہ زباں وہ جو امامِ دو جہاں ہو
عقدہ یہ وہ کھولے جو سلیمانِ زماں ہو

۵۳
جنّات ہوں احرار ہوں ہوں یا کہ ذوالاکرام
اک بات میں بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے سب کام
دم بھرتے ہیں مولا کی عطا کا سحر و شام
عالم کا وسیلہ ہے شہنشاہ خوش انجام
سب اس درِ دولت پہ جھکائے ہوئے سر ہیں
دنیا میں اگر ہیں متردد تو بشر ہیں

۵۴
مور و ملخ و گرگ و غزال و فرس و شیر
کی جس نے جفا اس پہ چلی عدل کی شمشیر
سب آتے ہیں جب ہوتا ہے کچھ خلق میں اندھیر
فریاد رسی میں کبھی حضرت نے نہ کی دیر
بچ بچ گئے یاں ذبح سے جاں دار ہزاروں
چھٹ چھٹ گئے مرغانِ گرفتار ہزاروں

۵۵

دیکھے کوئی ہرنی کو نہ وحشت ہے نہ رم ہے
اخلاقِ حسینؑ ہے تو محمدؐ کا کرم ہے
پہچانتے ہیں سب کہ یہ آہوئے حرم ہے
زائل نہیں ہوتا ہے وہ جو کچھ جسے غم ہے
اللہ رے شرف سبطِ رسولِ دوسرا کے
مالک تو خدائی کے ہیں بندے ہیں خدا کے

۵۶

مظلوم کو دنیا میں ملی داد اسی گھر سے
احرار ہوا بھی ہوئے آزاد اسی گھر سے
غمگیں بھی جو آیا وہ گیا شاد اسی گھر سے
آہو کی بھی آنکھوں پہ ہوا صاد اسی گھر سے
کھاتا ہے ملا بچہ جو دلیر آتا ہے مولا
اس در پہ دبکتا ہوا شیر آتا ہے مولا

۵۷

اے تختِ دل قاضیِ شہباز کبوتر
مولائے جہاں نورِ خدا سبطِ پیمبر
حیوانوں کے جھگڑے یہیں فیصل ہوئے اکثر
دنیا میں اگر ہے تو ہے عادل کا یہی گھر
ظالم کو سزائے شرِ بیداد ملے گی
فریاد کو آئی ہے تو یاں داد ملے گی

۵۸

فرمایا خدا دے نہ کسی کو غمِ اولاد
کہتی ہے کہ اس دشت میں مجھ پر ہوئی بیداد
یاں آئی ہے فریاد کو یہ مضطر و ناشاد
مولا! مرے بچے کو پکڑ لے گیا صیاد
بے کل ہوں طبیعت مری جینے سے ہٹی ہے
آقا مجھے یہ رات تڑپنے میں کٹی ہے

۵۹

ملتا نہیں حضرت مرے بچے کا ٹھکانا
سوجھے مجھے کس طرح چراگاہ میں جانا
پانی نہ بغیر اس کے خوش آتا ہے نہ دانا
اندھیر ہے مولا مری آنکھوں میں زمانا
بے تاب ہے دل خون ٹپکتا ہے جگر سے
میں چوکڑی بھولی ہوں چار پہر سے

۶۰

جاں آئے جو کھوئے ہوئے بچے کو میں پاؤں
صیاد کے گھر کس کے وسیلہ سے میں جاؤں
کس دیس سے کس بن سے اسے ڈھونڈ کے لاؤں
شق چھاتیاں ہوتی ہیں کسے دودھ پلاؤں
جیتی رہوں یہ وہ ستم و جور نہیں ہے
اب تو کوئی بچہ بھی مرا اور نہیں ہے

۶۱

اس رات کو باپ اس کا سحر تک نہیں سویا
کہتا تھا کہ تو آپ ہے آرام کا جویا
پٹکا کبھی سر کو، کبھی تڑپا، کبھی رو دیا
غافل ہوئی ایسی کہ جگر بند کو کھویا
جائے گی سحر کو تو اس گھر میں نہ آنا
بچہ نہ ملے گا تو مرے گھر میں نہ آنا

۶۲

کیوں تو نے سزا دور چلے جانے کی پائی
ساری یہ مصیبت تری غفلت نے دکھائی
کیا کام ہے اب گھر میں مرے کس لئے آئی
یاں سے تو اسے لے گئی اور ساتھ نہ لائی
چھوڑا تجھے جنگل میں الگ جا کے مروں گا
اب سر کو پہاڑوں سے میں ٹکرا کے مروں گا

۶۳

سایہ بھی نہیں دوپہر اب ڈھلتی ہے آقا
کب دیکھئے یہ سر سے بلا ٹلتی ہے آقا
ہیں دھوپ میں آب اور زمیں جلتی ہے آقا
میرے تو کلیجہ پہ چھری چلتی ہے آقا
فریاد اسی دشت پُر آفت میں لٹی ہوں
بچے سے بھی چھوٹی ہوں گھر سے بھی چھٹی ہوں

۶۴

بن میں اسے ہیں ڈھونڈتی پھرتی تھی بعد یاس
جنگل میں ہے فخر خضر و عیسیٰ و الیاس
اک آہوئے صحرا نے کہا کچھ نہیں وسواس
فریادی ہو جا کر پسر فاطمہؑ کے پاس
صحرا سے کہیں بادِ بہاری نہ نکل جائے
جا جلد کہ مولا کی سواری نہ نکل جائے

۶۵

شہزادوں کو دنیا میں سلامت رکھے اللہ
حیوانوں کو دلبندگی ہوتی ہے بہت چاہ
اولاد کی الفت سے تو خوب آپ ہیں آگاہ
لِلّٰہ مدد کر مرے اے ابن ید اللہ
بچھڑے ہوئے دلبر سے مجھے جلد ملا دے
اصغرؑ کا تصدق مرے بچے کو دلا دے

۶۶

دے گا مجھے صیاد جو بچہ مرا لا کے
بچ جائے گا صدقے میں امام دوسرا کے
میں پیار کروں گی اسے چھاتی سے لگا کے
دے دوں گی اسی شخص کو پھر دودھ پلا کے
دم بھر بھی جو شکل اس کی نظر آئے گی مولا
تسکین تو کچھ قلب کو ہو جائے گی مولا

۶۷

فرما کے یہ صیاد کے گھر پر گئے سرور
گھر سے نکل آیا تو یہ بولے شہ صفدر
ہرنی بھی گئی ساتھ سراسیمہ و مضطر
اس بچۂ آہو کو یہاں چھوڑ دے لا کر
حسرت اسے دودھ اس کو پلانے کی پڑی ہے
بچہ وہ اسی کا ہے یہ ہرنی جو کھڑی ہے

۶۸

صیاد ہوا شہ کی طرف دیکھ کے ششدر
دوڑا گیا اور گود میں بچے کو اٹھا کر
دل میں کہا مقبول ہے یہ بندۂ داور
لایا تو اسے چھوڑ دیا ماں کے برابر
منہ بچے کے چہرے سے ملانے لگی ہرنی
بو سونگھ کے دودھ اسکو پلانے لگی ہرنی

۶۹

جب سیر ہوا دودھ سے مادر کے وہ بچا
صیاد سے فرمانے لگے سیدِ والا
ہرنی نے اسے چھوڑ کے منہ شاہ کا دیکھا
دے بچۂ آہو مجھے اور لے عوض اس کا
جس چیز کی خواہش ہو ابھی تجھ کو منگا دوں
بچہ اسے دے دوں تجھے بخشش کی دعا دوں

۷۰

دنیا میں بشر دل کو کسی کے نہ ستائے
کیا جانیے کب کوچ ہو کس دم اجل آئے
لازم ہے کہ پاک آیا ہے اور پاک ہی جائے
ہم خوش ہوئے تو حق سے جزا خیر کی پائے
ربِّ دوجہاں گھر ترا آباد رکھے گا
بھائی ترے بچوں کو خدا شاد رکھے گا

۷۱

منظور نظر ہے کہ نہ غمگیں ہو یہ حیوان
میں اور مرا گھر آپ کے الطاف کے قربان
بولا وہ کہ بخشا اسے میں نے بہ دل و جان
ہرنی سے یہ فرمانے لگے سرورِ ذی شان
بس اب مری جانب نہ بہ حسرت نگراں ہو
لے بچے کو لے کر طرفِ دشت رواں ہو

۷۲

آنکھوں سے لگا کر قدمِ سید ابرار
کچھ بولتی جاتی تھی مگر راہ میں ہر بار
بچے لیے واں ہو لی ہرنی سوئے کہسار
سب نے کہا کیا کہتی ہے اب یہ جگر افگار
فرمایا عوض خیر کا ہے خیر جہاں میں
دیتی ہے دعائیں یہ مجھے اپنی زباں میں

۷۳

کہتی ہے کہ اے احمدؐ مختار کے جائے
اللہ سے تو اس کی جزا خلق میں پائے
خالق ترے بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے ملائے
غربت میں بلا کچھ ترے بچوں پہ نہ آئے
ہے لطف و کرم ختم گھرانے پہ علیؑ کے
قربان غزالانِ حرمِ لم یزلی کے

۷۴

کیوں اہلِ عزا رحم کا حضرت کے سنا حال
مارے گئے کس ظلم سے اس شاہ کے اطفال
حیواں پہ بھی کرتا تھا کرم فاطمہؑ کا لال
نازک کئی بچے صفتِ گل ہوئے پامال
اکبرؑ تو جواں تھا اسے شمشیر سے مارا
اصغرؑ کی خطا کیا تھی جسے تیر سے مارا

۷۵

کیسے وہ مسلماں تھے کچھ رحم نہ آیا
حضرت نے تو یوں بچۂ آہو کو بچایا
بے شیر کو مرتے ہوئے پانی نہ پلایا
زنداں سے سکینہؑ کو کسی نے نہ چھڑایا
بسمل سی تڑپتی رہی وہ قیدِ محن میں
مر جائے پہ بھی ننھی سی گردن تھی رسن میں

۷۶

اعجاز اسی طرح دکھاتے ہوئے شبیرؑ
گر شام کو ٹھہرے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
جاتے تھے بہ صد شوق سوئے نیزہ و شمشیر
ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے مالکِ تقدیر
کشتی مری طوفاں میں ہے ساحل نظر آئے
مشتاق ہے دل جس کا وہ منزل نظر آئے

۷۷

خورشید درخشانِ امامت ہے سفر میں
احباب و وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں
گردش نظر آتی ہے نظر دورِ قمر میں
صغراؑ کے بچھڑ جانے کا بھی درد جگر میں
تشویش سے منہ قافلے والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہراؑ کو قلق ہے

۷۸

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو چاہیں
یہ دھوپ میں شدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
اٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

۷۹

چہروں پہ جوانانِ علیؑ رو کے تھے ڈھالیں
گرمی سے وہ کیوں کر نہ زبانوں کو نکالیں
لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
دھوپ ان پہ جنھیں سایے میں سیدانیاں پالیں
اللہ ری تب و تاب بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھینچتا تھا گرمی سے ہوا کی

۸۰

مخفی تھے شررِ شدتِ گرما سے حجر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
جلتی تھی یہ لوں آگ بھڑکتی تھی جگر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتے بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

۸۱

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ڈوبے تھے عرق میں اسد اللہ کے پیارے
ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
دھڑکا تھا کہ یہ لوں کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

۸۲

تھا ہر کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار
تمہید میں جنباں تھے لبِ لعلِ گہر بار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

۸۳

گرمی سے یہ تھا حضرتِ عباسؑ کا عالم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمہیں جائی نہ ملے گی
جب تک کبھی دریا کی ترائی نہ ملے گی

۸۴

یوں اکبرِ مہرو تھے پسینے میں نہائے
جب جھکنے نکالا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
جیسے تپِ محرق میں جواں کو عرق آئے
ربِ دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گذرے گا ہر اک دم تپشِ دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہوں گے عرق میں

۸۵

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم
محمل میں گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
برسے گی یوں ہی آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہے ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیے بابا

۸۶

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ
لو پانی پیو تجھکو لگی ہو جو بہت پیاس
کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

۸۷

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گلِ تر سے
تم کیا ابھی واقف ہو صعوباتِ سفر سے
گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کے لئے ترسے
مجبور ہوں کچھ بن نہیں آتا ہے سکینہؑ
نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہؑ

۸۸

مشکیں لیے سقے جو سواری کے تھے ہمراہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بہ سرِ راہ
چھڑکاتے تھے پانی پئے زوجِ شہِ ذی جاہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
جنگل میں عطش کا تھا جو صدمہ رخِ شہ پر
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

۸۹

بھرتا تھا دمِ سرد پریشاں کوئی ہو کے
بچتا تھا کوئی لو سے ردا چہرہ پہ رو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

۹۰

کہتے تھے قریبِ ناقوں کے آ کر شہِ ابرار
آندھی سے تناٹوپ اڑے جاتے ہیں ہر بار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
اے بنتِ یداللہ سکینہؑ سے خبردار
رحمت یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچوں کو چھپا لے رہو لو آج بڑی ہے

۹۱

محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
قربان بہن دھوپ میں سونلا گئے بھائی
کیا بن گئی جنگل میں امام دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ خدا پر

۹۲

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں جلیے
منھ دھویئے دم لیجئے پوشاک بدلیے
دن کاٹیے سایے میں کہیں رات کو چلیے
لوں چلتی ہے آفت کے پہاڑوں سے نکلیے
ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

۹۳

غربت کی جفائیں یوں ہی سہتے ہوئے دن رات
ہو جاتی تھی جس مرد مسافر سے ملاقات
طے راہ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات
گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی
کوفے کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

۹۴

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا
دور اُن کا ہے کچھ جن کو مروت نہیں اصلا
ہر سمت ہیں قضیے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
ٹوٹا ہے فلک ظلم کا شیعوں کے سروں پر
جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پر

۹۵

اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے
ہو جاتی ہے جب شام تردد میں سحر سے
دروازے نہیں کھولتے لٹ جانے کے ڈر سے
سب کرتے ہیں سجدے کہ بلا ٹل گئی سر سے
یہ ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر
مولا یہ تباہی ہے محبانِ علیؑ پر

۹۶

گھر گھرتے ہیں بستی میں یہ بدعت ہے یہ بیداد
پھرتے ہیں مکانوں کے مکیں مضطر و ناشاد
ویراں ہیں جو سو گھر تو کہیں ایک ہے آباد
حاکم ہے وہ مغرور کہ سنتا نہیں فریاد
کوچے بھی اُجڑ جانے سے بے ربط ہوئے ہیں
جو بھاگ گئے تھے ان سب کے مکاں ضبط ہوئے ہیں

۹۷

کچھ خوف سے مخفی ہیں گرفتار ہیں کچھ لوگ
کوفے سے نکل جانے پہ تیار ہیں کچھ لوگ
بگڑے ہوئے آمادۂ پیکار ہیں کچھ لوگ
کچھ قتل ہوئے ہیں جو سردار ہیں کچھ لوگ
بے جرم ستاتے ہیں محبانِ علیؑ کو
غل ہے کہ چھپائے نہ کوئی گھر میں کسی کو

۹۸

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر
ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کس پر
ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سناں بھی تبر بھی
رخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

۹۹

گھبرا کے یہ اس شخص سے بولے شہِ مظلوم
ایسا نہ ہو رہ جائیں ملاقات سے محروم
بھائی تجھے مسلم کا بھی کچھ حال ہے معلوم
اس نے کہا یاں سے چلا تھا کہ یہ تھی دھوم
بے قتل سواروں کو نہ آرام ملے گا
مسلمؑ کا جو سر لاؤ تو انعام ملے گا

۱۰۰

کوچوں میں منادی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
گھر میں کوئی مجرم کو چھپائے نہ خبردار
بھاگا ہے نکل اک مسجد کوفہ سے گنہگار
آفت ہے محلوں میں بپا بند ہیں بازار
بچنے کا نہیں در پئے جاں دشمن دیں ہیں
مسلم کہیں پوشیدہ ہیں فرزند کہیں ہیں

۱۰۱

آشوب ہے اس شہر میں اے خلق کے سرتاج
کیا کیا شرفا نان شبینہ کو ہیں محتاج
جو دیں کے ستوں تھے وہ مکاں ہو گئے تاراج
کل قتل ہوا وہ جو گرفتار ہوا آج
وہ خوش ہیں رعیت میں جو حاکم سے ملے تھے
پرسش ہے کہ کیا سوچ کے مسلم سے ملے تھے

۱۰۲

جس روز کہ ہانی کو ستمگار نے مارا
ایک ایک کا صدمے سے کلیجہ تھا دو پارا
عبرت تھی غضب شہر لرزتا رہا سارا
نے ضبط کی طاقت تھی نہ فریاد کا یارا
دل پھنک رہے تھے آگ لگی تھی جگروں میں
فاقہ رہا دو روز محلے کے گھروں میں

۱۰۳

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مرد مسافر
منہ بھائی کا تکتے تھے شہ صابر و شاکر
خاموش کھڑے سنتے تھے سب یاور و ناصر
وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ اس میں ہے نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

۱۰۴

مسلم گئے بس اب یاس ہے یا حضرت شبیر
غدار ہیں بدعہد ہیں مرتد ہیں وہ بے پیر
افسوس کہ پردیس میں بیوہ ہوئی ہمشیر
اب کوفے میں چمکے گی ید اللہ کی شمشیر
یہ معرکہ دیکھے گا وہ جو زندہ رہے گا
خوں تابہ کمر دارالامارہ میں بہے گا

۱۰۵

پردیس میں ہونا تھا انھیں خاک کا پیوند
ہر طرح گزر جائیں گے یہ بھی نفس چند
جو مرضی حق ہم ہیں بہر حال رضا مند
ہم ہوں کہ مسلم ہوں برادر ہوں کہ فرزند
یاور ہیں تو کیا ہیں جو یگانے ہیں تو کیا ہیں
سب ناخن پائے شہ والا پہ فدا ہیں

۱۰۶

مسلم کا تو شاد ج زہے بخت تجھے را اے
ایذا بھی زیادہ ہوئی رتبے بھی بڑے پائے
زندہ ہے وہی راہ محبت میں جو مر جائے
وہ کام کا ہے کام میں مولا کے جو کام آئے
لاکھوں سے لڑے نام کیا تیغ زنی میں
داخل ہوئے دربار رسول عربی میں

۱۰۷

بھر کر نفس سرد بڑھے شاہ فلک جاہ
مشہور یہ ہے عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ
جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ ہوش نہ فرماتے تھے شبیر
تشویش تھی ایسی کہ کھنچے جاتے تھے شبیر

۱۰۸

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی
راہی ہوئے پھر دھوپ جو ڈھلائے سر آئی
جب آئی خبر راہ میں وحشت اثر آئی
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ موا وہ
جس دوست سے پوچھا یہ سنا قتل ہوا وہ

۱۰۹
ہانی کے لئے روئے عزیزوں سے فزوں تر
اس طرح کیا ماتم عبداللہ یقطر
آنسو نہ تھما قتل کی افتاد کو سنکر
جس طرح کہ روتا ہے برادر کو برادر
ہوتا ہے غریبوں کا تاسف غربا کو
روتے ہیں یوں ہی اہلِ وفا اہلِ وفا کو

۱۱۰
جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں منھ خشک زبانیں
آپہونچی تھیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
اللہ کے جو نور ہوں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کونسی ایذا ہے جو در پے نہیں ہوتی
بے خارِ الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

۱۱۱
اس راہ میں سالک کوئی دم تھم نہیں سکتے
گر ہاتھ بھی تھامے تو قدم تھم نہیں سکتے
کہتے ہیں ملائک بھی کہ ہم تھم نہیں سکتے
سختی ہے کہ ارباب ہمم تھم نہیں سکتے
پھر راہ میں کس طرح ڈگے پاؤں کسی کا
جب قافلہ سالار نواسہ ہو نبی کا

۱۱۲
جب منزلِ عاجز سے بڑھے سبطِ پیمبر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر
آئی یہ مفصل خبرِ مسلمؑ بے پر
فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے پر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اُن کی ہے سر قلعہ کے در میں

۱۱۳
رنگ اُڑ گیا رخساروں سے تھرانے لگے شاہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ
اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یہ رضا اللہ
برپا ہوئے خیمے وہیں اُترے شہِ ذی جاہ
لشکر پہ اداسی تھی غریب الغربا کے
سب روتے تھے رونے پہ امام دوسرا کے

۱۱۴
فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
مقتولِ جفا صابر و شاکر مرا بھائی
الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلاشک نہیں پایا
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

۱۱۵
اللہ رے غم کے جگر بندوں کی زاری
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
ہوش آیا کئی بار غش آیا کئی باری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش کہ جلاتی ہے جگر کو
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

۱۱۶
اس قافلے میں رونے کا اک شور ہوا جب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یارب
گھبرا گئے ناموسِ رسولِ عربی سب
دوڑی گئی سر کھولے در خیمہ پہ زینبؑ
چلاتے تھے کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
کس کی خبر آئی ہے ارے یہ کیا ہوا لوگو

۱۱۷
صغراؑ کو لئے کہتی تھی بانوئے دل افگار
اے بیبیو صغراؑ کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار
میرا تو جگر منھ کو چلا آتا ہے ہر بار
یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپتے ہیں شہِ ابرار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

۱۱۸

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلم تھی کھُلے سر
جلتی ہے چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر
کہتی تھی غضب ہو گیا اے شاہ کی خواہر
میں رانڈ ہوئی لٹ گیا کوفے میں مرا گھر
دو بچوں کے دنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ ایلچیٔ شاہ کے مرنے کی خبر ہے

۱۱۹

یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمہ میں آ کر
مسلمؑ سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر
اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مارا ستم ایجادوں نے تنہا انھیں پا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

۱۲۰

جس وقت یہ خیمہ میں غضب کی خبر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کی چادر اُتر آئی
ناموسِ محمدؐ پہ قیامت نظر آئی
واں کوئی گئی پیٹتی کوئی اِدھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلم کے بیاں پر

۱۲۱

وہ بنتِ نبی زادیوں کے اور وہ ماتم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم
مقتول کی بیوہ کو غش آ جاتا تھا ہر دم
ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سوئم کر کے روانہ ہوئے واں سے

۱۲۲

منزل پہ اِدھر کوفے سے تھے سبطِ ابرار
کچھ نیزوں کی نوکیں نظر آئیں تو کچھ اسوار
جو ایک طبق گرد اُٹھا دشت سے اک بار
اکبرؑ نے کہا فوج کی آمد کے ہیں آثار
گھوڑوں سے زمیں ہلتی ہے اک شور بپا ہے
آوازیں یہ زرہوں کی ہیں ٹاپوں کی صدا ہے

۱۲۳

عباسؑ نے کی عرض کہ ہم دیکھنے جائیں
فرمایا یہ کیا ہیں جنھیں ہم دھیان میں لائیں
ارشاد ہو مولا کا تو یہ آنے نہ پائیں
جاتے ہیں تو جائیں اِدھر آتے ہیں تو آئیں
کیا غم جو نہ تابع نہ ملازم ہو کسی کا
فوجوں سے وہ ڈرتا ہے جو مجرم ہو کسی کا

۱۲۴

شر اپنی طرف سے نہ ہو مطلب ہے یہ سارا
غربت میں ہمیں آپ ہے دُنیا سے کنارا
اُمت جو کرے خیر تو یہ بھی ہے گوارا
شاید کہیں اس فوج میں ہو دوست ہمارا
لازم ہے مدارات گدا ہو کہ غنی ہو
وہ کیجیے کہ دشمن کی نہ خاطر شکنی ہو

۱۲۵

جس کا تمھیں اندیشہ ہے یہ وہ نہیں صحرا
یاں ہے وہ ترائی نہ وہ ریتی نہ وہ دریا
پہچانتا ہوں خوب اسے اے مرے شیدا
رستہ ہے یہ فوجیں ہوں کہ لشکر ہو ہمیں کیا
وہ گھیر لیں آتے ہیں تو خیر آنے دو ان کو
تم روک لو باگوں کو نکل جانے دو ان کو

۱۲۶

انبوہ کا غل سن کے نہ سیدانیاں گھبرائیں
ٹھہریں وہیں گر کوہ کے دامن میں جگہ پائیں
جمّالوں سے کہہ دو کہ الگ ناقوں کو لے جائیں
ناقے بھی تھکے ماندے ہیں دم لے لیں ہوا کھائیں
جا خوب ہے حیواں بھی نہ تکلیف سہیں گے
رہ جائے گا دن کم تو ہمیں آج رہیں گے

۱۲۷

ناگاہ قریب آگیا جنگی وہ رسالا
گھوڑوں سے ہوا سبزۂ صحرا تہ و بالا
بھالوں کو ادھر فوجِ خدا نے بھی سنبھالا
سب رک گئے وہ آپ بڑھے جب شہِ والا
مولا نے سوئے فوج نظر کی جو ٹھہر کر
مجرا کیا سردار نے گھوڑے سے اتر کر

۱۲۸

فرمانے لگے تب بہ محبت شہِ ذی جاہ
آتا ہوا کس سمت سے اے بندۂ اللہ
کی عرض کہ اے خلقِ دو عالم کے شہنشاہ
آتا ہے ادھر کوفے کی سرحد سے ہوا خواہ
سب کچھ مرے لشکر میں ہے پر آب نہیں ہے
پیاسا ہوں تکلّم کی مجھے تاب نہیں ہے

۱۲۹

رستہ میں کنواں کوئی نہ چشمہ نظر آیا
جس چاہ پہ گرمی میں گئے خشک ہی پایا
اس دھوپ میں ہے ابرِ کرم آپ کا سایا
اب چشمۂ کوثر پہ مقدّر ہمیں لایا
کیا عرض کروں جو تپشِ دل سے تعب ہے
فیاض کی سرکار سے پانی کی طلب ہے

۱۳۰

سب ایک ہزار اس مرے لشکر میں ہیں اسوار
پر پیاس سے اب تاب کسی میں نہیں زنہار
کچھ رہ گئے کچھ سقط ہوئے راہ میں رہوار
پیاسوں میں تلاطم ہے عجب یا شہِ ابرار
ہر شے کی حیات اے مرے مولا ہے اسی پر
پانی کی نہ تکلیف ہو دنیا میں کسی پر

۱۳۱

اس دھوپ میں مر جائے گا لشکر مرا سارا
چشمہ ہے نہ برکا ہے نہ دریا کا کنارا
اب ہے تو اسی بحرِ کرم کا ہے سہارا
اے ساقیِ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
اب بات کسی سے نہیں کی جاتی ہے مولا!
ہر بار زباں منھ سے نکل آتی ہے مولا!

۱۳۲

فریاد جو کی حرؑ نے بصد اشک فشانی
گھبرا کے یہ بولا اسد اللہ کا جانی
حاضر ہے وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہے پانی
آ اے حرِ دیں دار بجھا تشنہ دہانی
ہم دوست کی تکلیف گوارا نہیں کرتے
پانی کو تو کافر سے بھی پیارا نہیں کرتے

۱۳۳

عباسؑ سے فرمایا کہ سقّوں کو بلاؤ
ناقوں پہ جو سیراب ہیں شربے انھیں لاؤ
قاسمؑ سے کہا چھاگلیں تم پینے کو جاؤ
اکبرؑ سے کہا جلد پکھالوں کو منگاؤ
یہ قافلہ سب دھوپ میں لب تشنہ کھڑا ہے
دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس میں بڑا ہے

۱۳۴

یہ سنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ
مجمع ہوا سرکار کے سقّوں کا سرِ راہ
اک جام بھرے دستِ مبارک پہ بڑھے شاہ
جلد آئے پکھالیں لیے عباسؑ فلک جاہ
کی جب کہ نظر لطفِ شہِ جنّ و بشر پر
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر

۱۳۵

حر کو شہِ والا نے دیا پانی کا ساغر
سیراب ہوا جب تو پکارا وہ دلاور
صدقے ترے اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
ٹھنڈے جگر و قلب ہوئے روح معطر
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

۱۳۶

مجمع ہوا پھر گردِ شہنشاہ خوش انجام
مصروف تھے اک سمت علیؑ اکبر گل فام
بٹنے لگے پھر پیاسوں کو پانی کے بھرے جام
تقسیم ادھر کرتے تھے عباسؑ نکو نام
فرزند بھی حیدرؑ کے لڑا سے بھی ہم تھے
اک جا کئی سرچشمۂ دریائے کرم تھے

۱۳۷

چلاتے تھے سقے کہ جو پیاسا ہو وہ آئے
عثمانِ کرم سب ہیں ید اللہ کے جائے
ٹھنڈا کرے گرمی میں جگر پیاس بجھائے
دریا نے بھی یہ دستِ کشادہ نہیں پائے
دم میں مس و آہن کو زر و سیم کریں گے
اک دن یوں ہی کوثر کو بھی تقسیم کریں گے

۱۳۸

اُس پیاس میں اُس دھوپ میں جو ہوتا تھا سیراب
دنیا میں یہ زہراؑ کی زراعت رہے شاداب
کرتا تھا دعا ہاتھ اُٹھا کر بصد آداب
پامال جو دشمن ہوں تو سیراب ہوں احباب
اللہ رے کرم پیاس کے ماروں کو جلایا
دم بھر میں مسیحا نے ہزاروں کو جلایا

۱۳۹

جاں آگئی جس وقت بجھی تشنہ دہانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
گویا کہ بلا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہے خدا کی

۱۴۰

انساں جو بچے جانوروں کی ہوئی باری
سرگرم تھا بخشش میں جو وہ خاصۂ باری
اک چشمۂ حیواں ہوا پھر دشت میں جاری
برساتا تھا بارانِ کرم ابرِ بہاری
غل تھا کہ عجب رحم ہے زہراؑ کے پسر میں
پیاسوں کے لئے بحر کو لے آئے ہیں بر میں

۱۴۱

جب بادیہ و طاس و لگن ہوتے تھے خالی
سیراب تھے گھوڑے بھی زہے ہمتِ عالی
بھروا دیتے تھے پھر سبطِ پیمبرؐ کے موالی
خود پانی پلاتا تھا وہ کونین کا والی
ہر دم کرمِ حضرتِ باری تھا زمیں پر
اک فیض کا دریا تھا کہ جاری تھا زمیں پر

۱۴۲

جتنے تھے الاغ و شتر و قاطر و رہوار
بچھڑوں کو ہوا دینے لگے شاہ کے انصار
سیراب ہوئے سب تو بھرے سینۂ ابرار
ساتھ آئے یہ کہتے ہوئے عباسؑ خوش اطوار
پیاسے نہ اب اشتر ہیں نہ شبدیز ہیں مولا
دو چار پکھالیں ابھی لبریز ہیں مولا

۱۴۳

ہم شکل پیمبرؐ نے یہ کی عرض کہ حضرت
کثرت تو یہ کچھ پیاسوں کی پانی کی یہ قلت
لاریب کہ ذات آپ کی ہے آیۂ رحمت
سیراب ہوئے سب یہ ہے اعجاز و کرامت
ممنون ہر اک تا بہ لبِ گور رہے گا
اس پانی پلانے کا بھی اک شور رہے گا

۱۴۴

فرمانے لگے سر کو جھکا کر شہِ عالم
اُس بحرِ کرم کا ہے مگر شکر مقدم
میں کیا کہوں ہے سب کرمِ خالقِ اکرم
پیاسے تھے بہت اور یہ پانی تھا بہت کم
بات آج دو عالم کے شہنشاہ نے رکھ لی
غربت میں مری آبرو اللہ نے رکھ لی

۱۴۵

وہ چاہے تو اک قطرے کو دریا ابھی کر دے
ذرّوں کو صدف کے دُرِ یکتا ابھی کر دے
چشمہ جو ہو پنہاں اسے پیدا ابھی کر دے
جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کر دے
گر اوج وہ بخشے تو زمیں عرشِ بریں ہو
ذرے پہ کرے مہر تو خورشید کمیں ہو

۱۴۶

فرما کے یہ گریاں جو ہوئے سیّدِ والا
فرمایا کہ دل نرم ہے اولادِ نبیؐ کا
حُر نے کہا مولا کہ یہ رونے کا سبب کیا
روتا ہوں کہ تم سب کو ہوئی پیاس کی ایذا
ذکر اس کا مناسب نہیں صدمہ ہے جو مجھ پر
حال اس مرے رونے کا بھی کھل جائیگا تجھ پر

۱۴۷

واقف نہیں تو اس سے یہ ہے رازِ نہانی
ہم نے جنھیں الفت سے پلایا ہے یہ پانی
سہنی ہے ہمیں بھی کئی دن تشنہ دہانی
ہو جائیں گے اک روز یہی دشمنِ جانی
ہم نالہ و فریاد بھی ہر چند کریں گے
پانی مرے بچّوں پہ بھی یہ بند کریں گے

۱۴۸

کھل جائے گا جب آئے گا جس دم وہ زمانا
رہنا ہو تو شب کو بھی ملاقات کو آنا
اب کہہ تجھے یاں آج ٹھہرنا ہے کہ جانا
ہمرہ نمک و نانِ جویں ابھی ہیں کھانا
حاضر ہے جو موجود ہے محتاج کے گھر میں
تجھ سے بھی وطن دور ہے ہم بھی ہیں سفر میں

۱۴۹

سر خم سے نہوڑا کے یہ بولا حُرِ ذی جاہ
بہتر ہے کہ اب کوفے میں چلیے مرے ہم راہ
میں حاکمِ کوفہ کا فرستادہ ہوں یا شاہ
میں اور طرف جانے نہیں دینے کا واللہ
ہر چند غلامِ پسرِ شیرِ خدا ہوں
مامور ہوں اس پر کہ نہ حضرت سے جدا ہوں

۱۵۰

حُر سے یہ سخن سنتے ہی برہم ہوئے سرور
گھبرا کر نہیں جانے کا جگر بندِ پیمبرؐ
فرمایا کہ اس جانے سے مرجانا ہے بہتر
لے کہہ دے کہ روکے مجھے سارا ترا لشکر
ڈرتے ہیں نہ تیروں سے نہ شمشیر و سناں سے
بس ہم وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں زباں سے

۱۵۱

اس نے کہا لے جاؤں گا میں یا شہِ ابرار
یہ ردّ و بدل جب ہوئی آپس میں کئی بار
فرمایا نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا میں زنہار
پاس آ گئے یہ کہتے ہوئے عباسِ علمدار
بے دیں ہے جو حکمِ شہِ خوش خو میں نہیں ہے
بس چُپ ہو زباں کیا ترے قابو میں نہیں ہے

۱۵۲

کرتا ہے یہ کس سے سخنِ بے ادبانہ
ہو گا ترے بیٹے پہ اگر سارا زمانہ
حیدرؑ کا پسر احمدؐ مرسل کا یگانہ
کر دوں گا ابھی موت کے ناوک کا نشانہ
ڈالے گا اگر ہاتھ لجامِ شہِ دیں پر
سر ہو گا کہیں جسم کہیں ہو گا زمیں پر

۱۵۳

سرداروں سے کرتے ہیں اسی طور کی تقریر
کیا کوفے کے اور شام کے حکام کی توقیر
لے جائے گا کس طرح نہیں جائیں گے شبیرؑ
یہ دشمنِ ایماں ہے تو مرتد ہے وہ بے پیر
ہم شیر ہیں صحرا کے وہ نامرد ہے ظالم
ہے ایک شغال ایک سگِ زرد ہے ظالم

۱۵۴

یہ چند جو وحشی ہیں عرب کے ترے دنبال
کرار کے دلبند ہیں سب صاحبِ اقبال
چھپٹے گا جو یک شیر تو ہو جائیں گے پامال
کر دیتے ہیں دم بھر میں زمیں خون سے یہ لال
تلوار میں لاکھوں کو رفاہ ان سے نہیں ہے
گردوں بھی سپر ہو تو پناہ ان سے نہیں ہے

۱۵۵

کچھ کہنے یہ تھا حر کہ پکارے شہِ ذی شان
تھرا کے کہا حر نے کہ اے قبلۂ ایمان
کیا کہتا ہے بیٹھے ترے ماتم میں تری ماں
سرکار شہنشاہ سے عزت کا ہوں خواہاں
ذلت ہوئی اب منہ کسے دکھلاؤں گا مولا
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا مولا

۱۵۶

کہتا یہ سخن منہ سے جو کوئی مرا ہمسر
ہیں روشنیِ عرشِ خدا آپ کی مادر
لاتا وہیں نام اس کی بھی ماں کا میں زباں پر
صدیقۂ و راضیۂ و مرضیۂ و اطہر
فضّہ کے غلاموں کا بھی رتبہ نہیں رکھتا
زہرا کہوں زہرا کو یہ زہرہ نہیں رکھتا

۱۵۷

عباسؑ نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
عزت ہوئی آقا نے جو لونڈی کا لیا نام
بگڑے ہوئے اب حق نے بنالئے ترے سب کام
غلماں ہیں غلامانِ شہنشاہِ ذوالاکرام
ایماں کچھ اس فاطمہؑ کے راحتِ جاں کو
بھائی ہوں یہ ہے فخر کنیزی مری ماں کو

۱۵۸

حر نے کہا میں بھی یہی رکھتا ہوں عقیدت
سن لے گا تو کیا جانیے کیا دے گا اذیت
پر جس کا ملازم ہوں وہ ہے بانیِ بدعت
چھوڑے گا وہ سفاک نہ جان اور نہ عزت
کنبہ مرا آفت میں گرفتار رہے گا
نے مال نہ فرزند نہ گھر بار رہے گا

۱۵۹

یہ عرض ہے مولا اسے مقبول جو فرمائیں
راہی ہوں کسی اور طرف امن جہاں پائیں
نے جائیں وطن پھر کے ادھر سے نہ ادھر آئیں
پھر جانے کا جھنجھلا کے زباں پر نہ سخن لائیں
بہتر ہے جو اس طور سے یہ مرحلہ سر ہو
پھر میں ہوں نہ بدنام نہ مولا کا ضرر ہو

۱۶۰

یہ سنتے ہی انصار سے فرمانے لگے شاہ
کی عرض حرِ تاج نے اے فاطمہؑ کے ماہ
کیوں جانتا ہے تم میں سوا اس کے کوئی راہ
ہاں راہ ہے پر قلب ہے میں اس سے ہوں آگاہ
زد ہوگا اگر خیر کوئی نااہل کرے گا
فرمایا بڑھو آگے کہ خدا سہل کرے گا

۱۶۱

بڑھتا جو آگے بڑھا وہ مردِ دلاور
افسردہ و مغموم تھے رہوار پہ سرور
سب پیچھے چلا قبلۂ کونین کا لشکر
ہمراہ تھے ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ
مجمع تھا یگانوں کا شہنشاہِ امم کے
اور بیچ میں سب فوج کے ناقے تھے حرم کے

۱۶۲

واں سے گئے جب دم کئی فرسخ وہ مسافر
جنگل سے نہ واقف نہ کوئی راہ سے ماہر
خورشید چھپا شب کی سیاہی ہوئی ظاہر
غل تھا کہ بس اب عمر کی مدت ہوئی آخر
غربت میں یہ گردش یہ تباہی نہیں دیکھی
ایسی کبھی آنکھوں سے سیاہی نہیں دیکھی

۱۶۳

تھی تیرہ شب تار کہ تارے بھی تھے مستور
دوڑے کہیں شبدیزِ نظر کا تھا نہ مقدور
اک پارہ ہے جس کا شبِ یلدا شبِ دیجور
ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہو یا دور
حضرت پہ وہ اس تین پہر رات میں گزری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گزری

۶۴

جب سورۂ واللیل میں گردوں نے سحر کی
حضرت نے یہ فرما کے سوئے شرق نظر کی
صورت نظر آنے لگی زہراؑ کے قمر کی
یہ رات بھی تو اس کی عنایت سے بسر کی
کیا فیض ہے کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے
ٹھہرو کہ یہی وقتِ نمازِ سحری ہے

۱۶۵

معبودِ یگانہ کا ادا کر کے دوگانا
واں پوچھے کہ جس بن میں نہ پانی تھا نہ دانا
صحرا سے ہوئے آپ بہ تعجیل روانا
ہاتف نے صدا دی کہ بس اب آگے نہ جانا
بڑھنے کا کسی اور طرف حکم نہیں ہے
وعدہ تھا جہاں کا یہ وہی پاک زمیں ہے

۱۶۶

بوسے دئے نعلین پہ اُٹھ اُٹھ کے زمیں نے
محمل سے جو دیکھا یہ ہر اک پردہ نشیں نے
سجدہ کیا گھوڑے سے اُتر کر شہِ دیں نے
سر پیٹ لیا زینبِ ناشاد و حزیں نے
چلّائی میں واقف ہوں جو انجام ہے یاں کا
پوچھو ارے لوگو کوئی کیا نام ہے یاں کا

۱۶۷

یہ کہہ کے بلکتی تھی ید اللہ کی جائی
زینبؑ نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی
جو گریۂ زہراؑ کی صدا دشت سے آئی
یہ کون سی بی بی ہے جو دیتی ہے دُہائی
کیا غل ہے بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا
کس کا وہ چمن ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

۱۶۸

خواہر سے تسلی کا سخن کان میں کہہ کر
اُترا ہوا تھا حُرِّ جری واں معہ لشکر
دریا پہ گئے واں سے ٹہلتے ہوئے سرور
قدموں پہ گرا وہ تو یہ بولے شہِ صفدر
پائی نہ کہیں شب کو جگہ امن و اماں کی
لائی وہیں تقدیر کہ تھی خاک جہاں کی

۱۶۹

گرمی کی ہے یہ فصل تمازت کے ہیں یہ دن
بھائی مرے ہمراہ ہیں بچے کئی کم سن
جھیلوں میں پڑے رہتے ہیں سب دشت کے ساکن
بے نہر پہ اُترے مجھے راحت نہیں ممکن
پانی کی تو غربت میں نہ تکلیف سہوں میں
گر مشورہ تیرا ہو تو دریا پہ رہوں میں

۱۷۰

کی عرض یہ حُر نے کہ تصدق مرا گھر بار
فوجیں لیے آتا ہے مگر شمرِ ستمگار
میں منع کروں یہ مری طاقت نہیں زنہار
ڈھونڈھیں گے سبھی نہر کا قرب اے شہِ ابرار
تکرار نہ کچھ ہو مجھے ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
شب سے پسرِ سعد کے آنے کی خبر ہے

۱۷۱

عباسؑ کا منہ دیکھ کے شہ بولے کہ اچھا
اس شیر نے کی عرض کہ چھوڑیں گے نہ دریا
جلتی ہوئی ریتی ہی پہ خیمہ کرو برپا
فوجیں ہیں تو کیا خوف ہے لشکر ہے تو پھر کیا
بہ جائے گا لاکھوں کا لہو تیغِ دو دم سے
دریا کی ترائی کوئی لے سکتا ہے ہم سے

۱۷۲

حضرت نے کہا لو تمھیں غیظ آ گیا بھائی
قہر اُن پہ جہنم سے جنھیں دو گے رہائی
دریا کے لئے اُمتِ احمدؐ سے لڑائی
یکساں ہے مسافر کو جو ریتی کہ ترائی
دریا ہے تو یہ قطرہ ہے چشمہ ہے تو کیا ہے
کوثر کا خدا نے تمھیں مختار کیا ہے

۱۷۳

سمجھا کے برادر کو پھرے سیدِ بے کس
اوج اُس کا جو دیکھا تو دبا چرخِ مقرنس
میدان میں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
خورشید نے رخساروں کو شقے سے کیا مس
یہ رنگ تھا اس پر فلکِ مہرِ شرف کا
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبا ہے کلف کا

۱۷۴

محمل سے اُترنے جو لگی بنتِ یداللہ
خود بازو لئے ہمشیر کو تھامے ہوئے تھے شاہ
تھیں چادریں روکے ہوئے سب لونڈیاں ہمراہ
اس پردے میں بھی سر کو جھکائے تھی وہ ذی جاہ
اس دن تو یہ پردہ تھا یہ شوکت یہ حیا تھی
اک دن وہی زینبؑ تھی کہ محتاجِ ردا تھی

۱۷۵

خالی ہوئے وہ محمل و ہودج جو نہیں سارے
تارے بھی وہ تارے کہ جو اللہ کے پیارے
خیمہ میں چھپے عرشِ معلّٰے کے ستارے
جن تاروں پہ انجم کو فلک صدقے اُتارے
جیسے قمر اُس برجِ جہاں تاب میں دیکھے
یوسفؑ نے وہ کوکب نہ کبھی خواب میں دیکھے

۱۷۶

تھا عرش کے تاروں پہ اُسی خیمہ کا سایا
فرش اس کا دبائے ہوئے تھا عرش کا پایا
ظل تھا یہ شرف برجِ شرف نے نہیں پایا
بن میں جسے فردوس کے پھولوں نے بسایا
تکیوں سے چلی آتی تھی بو جسمِ نبیؐ کی
کرسی تھی کہ مسند تھی رسولِ عربیؐ کی

۱۷۷

اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں
در پردہ صدا دیتی تھیں سارے کی قناتیں
شقے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں
یاں ملتی ہیں آزادیٔ دوزخ کی براتیں
اب خلق میں ایسا کوئی محتاج نہیں ہے
اس در کا گدا اور کا محتاج نہیں ہے

۱۷۸

اُترے اِدھر اس برجِ شرف میں شہِ عالم
لکھا ہے چھٹی تک ہوئی یہ فوج فراہم
دریا پہ اُدھر آنے لگا لشکرِ اظلم
حیراں تھی خرد جس کے کم و کیف میں ہر دم
لاکھوں میں بھی تعداد نگار اس کا نہ ہو گا
بے روزِ حساب آئے شمار اس کا نہ ہو گا

۱۷۹

کر لیجے شمار اس کا محاسب نے یہ چاہا
دی کلک نے آواز کہ ہاں عقل پناہا
جو کچھ تھا مہندس کا طریقہ وہ نباہا
لشکر کی سیاہی سے لکھا جائے سیاہا
تحریرِ خط و خال کا اب دھیان نہیں ہے
روزوں کا یہ گننا ہے کچھ آسان نہیں ہے

۱۸۰ — مطلع چہارم

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
شب آئی کہ فوجِ غم و رنج و تعب آئی
غربت میں نبی زادوں پہ آفت عجب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
راحت نے کنارا کیا زہراؑ کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اسی شب کی سحر سے

۱۸۱

ہشتم کو مصیبت تھی قیامت تھی نہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی نہم کو
اک حشر تھا خیمے میں یہ رقت تھی نہم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی نہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

۱۸۲

مر مر کے کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
غل تھا کہ تلاطم کا دُہائی کا دن آیا
ہمشیرۂ برادر کی جدائی کا دن آیا
زہراؑ کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا
بیت الشرف صاحبِ معراج لٹے گا
محبوبِ الٰہی کا چمن آج لٹے گا

۱۸۳ مطلع پنجم

ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمے میں خبر کی
خود شاہ نے مشرق کی طرف اُٹھ کے نظر کی
لو صاحبو رخصت ہے شبِ جنّ و بشر کی
تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھیں گے
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

۱۸۴

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبرؑ ذی شاں
زینبؑ نے صدا دی کہ اس آواز کے قرباں
چپ ہو گئے سب دشت کے مرغانِ خوش الحاں
کیا صوتِ حسن ہے کہ زمانہ ہے ثنا خواں
آوازِ حزیں سن کے دلوں کو نکل آئی
بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی

۱۸۵

آنا وہ دمِ صبح کا وہ رات کا جانا
وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا
وہ وقت عبادت وہ تضرّع کا زمانا
پھولوں کی وہ شادابی ہواؤں کا وہ آنا
بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے
مرغانِ چمن وجد میں چہکار رہے تھے

۱۸۶

فارغ ہوئے حضرت جو صلوٰۃِ سحری سے
طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے
غائب ہوئے تارے فلکِ نیلوفری سے
ذرّے بھی سرافراز ہوئے تاجِ زری سے
آمادہ جو تھی فوجِ لعیں بے ادبی پر
تیر آنے لگے لشکرِ اللہ و نبیؐ پر

۱۸۷

شاہِ شہدا خیمہ میں جا کر نکل آئے
مشتاقوں کو دیدار دکھا کر نکل آئے
آنسو رخِ اقدس پہ بہا کر نکل آئے
ہمشیر کو چھاتی سے لگا کر نکل آئے
خوں بہتا تھا فریادِ سکینہؑ پہ جگر سے
پوچھے کوئی بیٹی کے بچھڑنے کو پدر سے

۱۸۸

پہلے سے مسلح تھا یہاں لشکرِ جرار
گھوڑے پہ چڑھے پڑھ کے دعا سیدِ ابرار
نکلے علمِ فوجِ خدا لے کے علمدار
پیدل ہوئے ہمراہ سبھی یاور و انصار
بوسہ دیا نصرت نے قریب آ کے علم پر
اقبال نے سر رکھ دیا مولا کے قدم پر

۱۸۹

خورشید صفت جلوہ نما تھا علم آگے
چاؤش یہ دیتے تھے صدا دم بہ دم آگے
عباسؑ تو پیچھے تھے سپاہِ حشم آگے
سر بازو بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
گرد اڑنے نہ پائے فرسوں کی تگ و دو میں
سر کھولے ہوئے فاطمۂ زہرا ہے جلو میں

۱۹۰

حوریں سرِ پُرنور دریچوں سے نکالے
تلواریں تو ہیں زیرِ کمر ہاتھوں میں بھالے
کہتی تھیں کہ کیا کیا ہیں جواں گیسوؤں والے
یہ شیر ہیں سیدانیوں کے گود کے پالے
مجمع کبھی دیکھا نہیں اس جاہ و حشم کا
دنیا بھی مرقع ہے گلستانِ ارم کا

۱۹۱

حیدرؑ کا وہ گلشن ہے، وہ جعفرؑ کا چمن ہے
وہ زیرِ علم ابنِ شہِ قلعہ شکن ہے
جو چاند سا دولھا ہے وہ فرزندِ حسنؑ ہے
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے، وہ جو غنچہ دہن ہے
انساں یہ نہیں چاند اتر آیا ہے زمیں پر
محبوبِ خدا عرش پہ، سایا ہے زمیں پر

۱۹۲

یہ جسم لطافت میں فزوں ہے کہیں جاں سے
کیا کہیے بجز صلِّ علیٰ اور زباں سے
افضل ہے یہ محبوبِ حسینانِ جہاں سے
یوسف سے یہ تجمل یہ نمک لائے کہاں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمی و مطلبی کی
اس میں تو ملاحت ہے رسولِ عربی کی

۱۹۳

اس شان سے پہنچے سرِ میداں جو وہ جانباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
جنگل کو گئے چاند زمیں ہوگئی ممتاز
پہلے تو غازی سے لڑائی ہوئی آغاز
انجام ہوا یہ کہ سفر کر گئے اکبرؑ
سینے پہ سناں کھا کے جواں مر گئے اکبرؑ

۱۹۴

پیری میں ہوا داغ جو فرزند جواں کا
ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا
گم ہوگیا خوں جسمِ شہِ تشنہ دہاں کا
ماتم تھا برادر کا الم راحتِ جاں کا
غل اٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبیؐ کے

۱۹۵

یاں کانپتا تھا ضعف سے ٹوٹا ہوا بازو
اک شیر کا لاشہ نظر آتا تھا لبِ جو
نے تیغ پہ قبضہ تھا نہ تھا ہاتھ پہ قابو
اور سامنے تھی لاشِ علی اکبرؑ مہرو
سوتے تھے وہ تنہا جو ہزاروں سے لڑے تھے
ریتی پہ ورق مصحفِ ناطق کے پڑے تھے

۱۹۶

چلّاتا تھا بڑھ بڑھ جو شمرِ ستم آرا
وہ چاند نہاں خوں میں ہے یا آپ کا تارا
کر لیجیے بیعت جو دغا کا نہیں یارا
یہ لاشۂ اصغرؑ ہے کہ ریتی پہ ستارا
جلدی کہیں اب یہ کہ ہم جنگ کی سر ہو
بھیجو اگر اکبرؑ سا کوئی اور پسر ہو

۱۹۷

شہ کہتے تھے اب تشنہ دہاں کوئی نہیں ہے
بھیجوں کسے اب شیر ژیاں کوئی نہیں ہے
قاسمؑ سا مرا راحتِ جاں کوئی نہیں ہے
ہاں اکبرِ مہرو سا جواں کوئی نہیں ہے
تکیہ نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پر
بلکہ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پر

۱۹۸

یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آگیا ناگاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے جو کہا یا اسد اللہ
خورشید ہوا غیظ سے رخ سے شہِ ذی جاہ
تھرّا گیا سب دشتِ ستم ڈر گئے گمراہ
سینہ تنے تو ہوئے تنگ زرہ ہوگئی بر میں
ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں

۱۹۹

روئی ہوئی آنکھوں میں جو سرخی تھی نمودار
ابرو جو ہلے فوج پہ چلنے لگی تلوار
ثابت تھا کہ آیا غضبِ حضرتِ قہار
پلکیں جو اٹھیں تیر کلیجے کے ہوا پار
رہوار ہرن شیرِ ژیاں ہو گئے شبیرؑ
غل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبیرؑ

۲۰۰

حیدر کی طرح ہاتھ کو قبضے پہ جو ڈالا
چمکا کے فرس کو یہ پکارے شہِ والا
چلّائے ملک اب ہوئی دنیا تہ و بالا
ہاں کون ہے لاکھوں میں مرا رد کرنے والا
تو تیغ کوئی دم میں چمکتی ہے علیؑ کی
آگاہ میں کرتا ہوں کہ امت ہو نبیؐ کی

۲۰۱

تم نے تو کوئی بات ہدایت کی نہ مانی
صدمے سے کلیجے کا لہو ہو گیا پانی
مارا علی اکبرؑ سا مرا یوسفِ ثانی
مشتاقِ اجل اب ہے یداللہ کا جانی
ہر چند کہ طاقت نہیں ماتم میں پسر کے
جوہر تو دکھا دوں تمھیں شمشیرِ دو سر کے

۲۰۲

سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پر آئے
یوں تیغ بکف لشکرِ گمراہ پر آئے
میداں سے کئی تیرِ ستم شاہ پر آئے
جس طرح اسد مجمعِ روباہ پر آئے
دل ہل گئے جی خوف سے چھوٹا نظر آیا
دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا

۲۰۳

چھوڑا بہ غضب تیغِ دو پیکر نے جو مسکن
تولا جو اسے سیر ہوئے زیست سے دشمن
شیروں سے نیستاں تو غزالوں سے چھٹا بن
اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن
تھی صاحبِ ضو کیوں نہ اجالا نظر آئے
اک دو مہِ نو واں تہ و بالا نظر آئے

۲۰۴

کھنچ آئیں صفیں کھنچ کے جو دم تیغ نے کھینچا
سر کے جو قدم سوئے عدم تیغ نے کھینچا
سب فوج کے مابین شکم تیغ نے کھینچا
ہر فرد کے چہرے پہ قلم تیغ نے کھینچا
تھا غل کہ برستی ہوئی آتش نہیں دیکھی
یہ کاٹ یہ کس بل یہ کشاکش نہیں دیکھی

۲۰۵

حملہ کیا جس غول پہ ضرغامِ علیؑ نے
پانی کیے شیروں کے جگر نامِ علیؑ نے
بے ذبح لیا دم نہ گل اندامِ علیؑ نے
سر خاک پہ برسا دیے صمصامِ علیؑ نے
مجروح جو بھاگے تھے اُدھر فوجِ عدو کے
جنگل کی طرف ڈونگڑے پڑتے تھے لہو کے

۲۰۶

سر تن پہ کسی ظالمِ خودسر کے نہ چھوڑا
زندہ کسی جرّار کو لشکر کے نہ چھوڑا
مغفر کو سلامت کسی افسر کے نہ چھوڑا
تھا کون سا یکتا جسے دو کر کے نہ چھوڑا
مارا جسے دوزخ کو وہ راہی نظر آیا
یک رنگ سپاہی پہ سپاہی نظر آیا

۲۰۷

ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتی تھی شمشیر
منھ ناریوں کے منھ سے پھرا دیتی تھی شمشیر
خود آئنۂ تن کو جلا دیتی تھی شمشیر
پانی میں کفِ مار پلا دیتی تھی شمشیر
زہر اس کا جو ٹپکا جس پہ وہ بسمل نظر آیا
فولاد کا جوہر ستمِ قاتل نظر آیا

۲۰۸

کرتی تھی اشارے پہ وہ شمشیرِ دو پیکر
میں تیغ ہوں اس کی کوئی جس کا نہیں ہمسر
دو کر دیا جس نے تنِ مرحب کو برابر
دو انگلیوں سے جس نے اکھاڑا درِ خیبر
جن اہیرِ علم میں انھیں شکلوں سے چلے تھے
فقرے یہ وہی ہیں جو شریروں پہ چلے تھے

۲۰۹

دل فوج کا سلطانِ فلک جاہ نے توڑا
سرِ ہر متمرد کا شہنشاہ نے توڑا
ہر صف کو ہزبرِ صفِ جنگاہ نے توڑا
در کفر کا ضربِ اسد اللہ نے توڑا
یوں تیغ سے ٹکڑے کیا ثابت قدموں کو
توڑا تھا ید اللہ نے جیسے صنموں کو

۲۱۰

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہونچی
دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہونچی
طرحِ سرِ گردن سے چلی شانے میں پہونچی
شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہونچی
سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اس نے
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اس نے

۲۱۱

لکھا ہے یہ اربابِ تواریخ نے اکثر
اٹھتی تھی پئے ضرب جو شمشیرِ دو پیکر
بڑھ جاتی تھی ہفتاد گز اس دم وہ سراسر
ہر ہاتھ میں کتنے ہی لعیں ہوتے تھے بے سر
پھر کس سے رکے وار امامِ ازلی کا
تلوار وہ اور ہاتھ حسین ابنِ علیؑ کا

۲۱۲

کاٹا اسے جس تیغ سے میداں میں لڑی تیغ
ٹکڑے ہوا چار آئینہ جس کے وہ پڑی تیغ
بکتر میں نہ الجھی نہ چلنے میں اڑی تیغ
زرہوں کو کیا چاک یہ تھی منھ کی کڑی تیغ
دو کرتی تھی وہ ہر کس و ناکس کو یہ کس تھا
اک ہاتھ میں فارس تھا نہ زیں تھا نہ فرس تھا

۲۱۳

مشہور تھی وہ رشکِ پری قاف سے تا قاف
جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیورِ شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف
پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منھ سے شرارے نکل آئے
دریا سے گہر ابر سے تارے نکل آئے

۲۱۴

وہ روپ وہ چم خم وہ دل اس کا وہ برا اس کا
وہ قد وہ بدن صاف وہ رخ جلوہ گر اس کا
ہر ہاتھ میں منھ چوم رہی تھی ظفر اس کا
محبوب تھی ہر خانۂ تن میں تھا گھر اس کا
کس کا یہ جگر تھا اسے روکے جو سپر سے
سینے میں درآمد تھی برآمد تھی جگر سے

۲۱۵

کشتہ تھا ہر اک تیغ کے بے ساختہ پن کا
عریاں تھی مگر ہوش نہ تھا کچھ سر و تن کا
گرتا تھا لہو چھٹ کے نہ جوہر کے چمن کا
اُبلی ہوئی تھی رنگ ٹپکتا تھا بدن کا
سب جسم جھبھوکا تھا حرارت تھی غضب کی
گلنار کو جھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

۲۱۶

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی بھی جہاں گرد
بجلی کی بھی تھی گرمیِ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دمِ نا درد
ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گلِ ورد
بولے تنِ رنگین نگار آ گئی گویا
آیا وہ جدھر بادِ بہار آ گئی گویا

۲۱۷

کیا وصف لکھوں اشہبِ سرورؐ کے قدم کا
بوئی اُٹھی قیامت کی طرارہ تھا ستم کا
سرپٹ ہے رواں حال ہے یہ رخشِ قلم کا
تھرّا گیا اس صفت کو یہ اُترا تو وہ چمکا
حیرت زدہ و ششدر و دلگیر تھے آہو
اڑتا تھا یہ اور آہوئے تصویر تھے آہو

۲۱۸

کھینچی جو کبھی نظر میں اس رخش کی تصویر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اس میں کسی تدبیر
ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر
رنگِ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک تو وہ ورق ہاتھ میں دیکھا

۲۱۹

زیبا ہے جو کہئے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا
مشرق میں لیا دم اسے مغرب سے جو چھوڑا
تھا وسعتِ عالم کا بھی میداں اسے تھوڑا
جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں اسے ٹوکیں تو رکے وہ
چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رکے وہ

۲۲۰

وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام
خوش قامت و خوش سیر و خوش انداز و خوش انجام
ہوئے جو فلک سیر زمیں سے اسے کیا کام
تھا نعل در آتش کہیں دم بھر تھا نہ آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا
دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

۲۲۱

نعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے
ہر دم جو گندھی چوٹیوں کا دم نہ الجھ جائے
برہم ہو اگر شکل دو رنگ اس میں نظر آئے
فتراک کے پر کھولے ہوئے چرخ پہ اُڑ جائے
ششدر رہوں فلک زینِ جواہر کی چمک پر
سم رکھ دے ابھی جا کے یہ سر سبز فلک پر

۲۲۲

تھم تھم کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا
وہ برہمیٔ فوج وہ ہر صف کا اُلٹنا
جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ تیغِ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا
دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی
کس گھات سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی

۲۲۳

تھا شور کہ یہ قہر ہے تلوار نہیں ہے
کس فوج پہ یہ برق شرربار نہیں ہے
بحرِ غضب اللہ کا ہے دھار نہیں ہے
لاشوں کا کدھر دشت میں انبار نہیں ہے
یوں لاکھوں سے اک پیاسے کو لڑتے نہیں دیکھا
کھیت ایسا جہاں میں کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۲۲۴

ہر سو تھا تلاطم شہِ والا کی وغا سے
اوتادِ زمیں کرتی تھی یہ عرض سما سے
سب دشتِ ستم ہلتا تھا نعروں کی صدا سے
تھرّاتے ہیں تیغِ پسرِ شیرِ خدا سے
کٹ جاتا ہے آہن یہ ہے تیغِ دو سر ایسی
سر جس سے بچے دے نہیں کوئی سپر ایسی

۲۲۵

کہتا تھا یہ گردوں کہ ہمیں اللہ بچائے
اس تیغ کی ضربت کوئی کس طرح اٹھائے
میں بھی ہوں ادھر چرخ میں سینہ کو چھپائے
ڈر ہے کہ کہیں گاؤ زمیں بیٹھ نہ جائے
سکانِ فلک چھپتے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
پر خوف سے جبریلؑ بھی سرکائے ہوئے ہیں

برساتی تھی وہ تیغ لہو منھ سے جو ہر بار	۲۲۶	پیکر تھا ہر اک ناریٔ خوں خوار کا گلنار
جن کہتے تھے اب جان نہ چھوڑے گی یہ زنہار		ڈوبے گا زمانہ کہ رگ ابر ہے خوں بار
بہتر ہے کنارہ کرو گر فوج عدو سے		بھر جائے کہیں کشتیٔ گردوں نہ لہو سے
دیکھا شہِ والا نے ہزاروں کو جو بے دم	۲۲۷	جوش آ گیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
دل دُکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پُر نم		بس میان میں صابر نے رکھی تیغ شرر دم
صدمہ ہوا امت کے لئے جانِ حزیں پر		روتے ہوئے گھوڑے سے اتر آئے زمیں پر
ہرنے پہ رکھے آپ نے سب کھول کے ہتھیار	۲۲۸	فرمایا کہ رخصت ہو بس اے اسپ وفادار
پوچھے جو خبر بھائی کی زینبؑ جگر افگار		کہہ دیجو کہ اب حلق ہے اور خنجر خونخوار
تم قصد نکلنے کا نہ کیجو ابھی گھر سے		واں فاطمہؑ بیٹھی ہوئی روتی ہیں پسر سے
در پر نکل آئے جو عصا تھام کے سجّاد	۲۲۹	کہنا مری جانب سے کہ اے بیکس و ناشاد
اب آ نہیں سکتے کہ ہمیں گھیرے ہیں جلّاد		بابا کی وصیت نہ بھلانا یہ رہے یاد
مشکل ہے جو کچھ سہل ہوئی جاتی ہے بیٹا		بچوں سے خبردار کہ فوج آتی ہے بیٹا
ماں بہنوں کی تم دیکھیو خبر اے مرے پیارے	۲۳۰	یہ قافلہ رانڈوں کا حوالے ہے تمہارے
چادر کوئی زینبؑ کے نہ سر پر سے اتارے		سیلی کوئی نادان سکینہؑ کو نہ مارے
گھٹ جائے گا دم جان نکل جائیگی تن سے		ننھا سا گلا اس کا بچا لیجو رسن سے
یہ کہتے تھے شبیرؑ کہ قاتل نظر آئے	۲۳۱	تلواریں لیے قتل کو بیداد گر آئے
جلّادوں کے قابو میں شہِ بحر و بر آئے		نیزے بھی لگے تیر بھی سینوں میں در آئے
ٹکڑے ہوا تیغوں سے جگر حق کے ولی کا		خوں بہنے لگا احمد و زہراؑ و علیؑ کا
کھاتے تھے جو کچھ زخم بدن پر دمِ پیکار	۲۳۲	ہر جا انھیں زخموں پہ لگے زخم پھر اک بار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار		بدلا ہے یہی رحم کا اے قوم ستمگار
تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے		سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے
جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقۂ بے پیر	۲۳۳	کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیرؑ
اترا ہوں فرس سے کہ چلے حلق پہ شمشیر		پڑھ لوں میں نماز اتنی کرو قتل میں تاخیر
سجدے میں شہادت ہو امام دوسرا کی		یہ فکر ہے فرض ادا کر کے قضا کی
غل میں کوئی سنتا تھا نمازی کی نہ تقریر	۲۳۴	منھ تکتے تھے حضرت کہ لگا حلق پہ اک تیر
کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر		غش کھا کے گرے سینے کے بل خاک پہ شبیرؑ
خولی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا		اک شامی نے نیزا کمر پاک پہ مارا

۲۳۵
شمر آیا جو حضرت کے قریں کھینچ کے خنجر
بڑھ کر یہ سواروں کو پکارا وہ ستمگر
دیکھا سرِ مجروح ہے سجدے میں زمیں پر
نیزوں سے اُلٹ دو تنِ فرزندِ پیمبر
یہ سن کے قدم سب نے زد و کشت پہ مارا
نیزہ بن اشعب نے ادھر پشت پہ مارا

۲۳۶
سیدھے ہوئے ریتی پہ تڑپ کر شہِ ابرار
اینٹھی تھی زباں پیاس سے چھلکا تھا دلِ زار
تھے خاک سے اور خوں سے بھرے چاند سے رخسار
یہ ذکرِ خدا تھا لبِ خشکیدہ پہ ہر بار
حق بندگیِ حق کا ادا کرتے تھے مولا
تم لوگوں کی بخشش کی دعا کرتے تھے مولا

۲۳۷
جلاد نے صدرِ شہِ ذی شاں کو دبایا
فریاد ہے آئینۂ ایماں کو دبایا
محبوبِ خدا کے دلِ نالاں کو دبایا
زانو کے تلے زور سے قرآں کو دبایا
صدمہ جو ہوا اشکِ شہِ ذی شاں نکل آئے
سینے میں جو ڈوبے تھے وہ پیکاں نکل آئے

۲۳۸
ماتم کی صدا دشتِ پُر آشوب سے آئی
آندھی نے سیہ خاک بیاباں میں اُڑائی
چلاتی تھیں پریاں کہ دہائی ہے دہائی
درد و غم و حسرت کی گھٹا خلق پہ چھائی
ریتی پہ طپاں دیکھ کے خورشید زمیں کو
گردش تھی بگولے کی طرح چرخِ بریں کو

۲۳۹
یہ واقعہ اب لکھتے ہیں یاں راقمِ اخبار
منھ پیٹ رہے تھے حرمِ احمدِ مختار
جب زانوئے قاتل کے تلے تھے شہِ ابرار
آثارِ قیامت ہوئے ناگاہ نمودار
دیکھا کہ سوئے ابنِ علیؑ آتی ہے زینبؑ
کالی کفنی پہنے چلی آتی ہے زینبؑ

۲۴۰
سر پر نہ عصابہ ہے نہ مقنع ہے نہ چادر
دو ایک قدم پیٹتی آتی ہے وہ مضطر
گردن ہے جھکی بال ہیں لٹکے ہوئے منھ پر
گہ سینہ کبھی منھ کبھی زانو تو کبھی سر
کہتی ہے یہ سب صابر و معصوم کا ماتم
یوں چاہیے شبیرؑ سے مظلوم کا ماتم

۲۴۱
وہ دوڑی ہوئی مقتل کے جو نزدیک وہ آئی
چلائی کہ اے دشت کدھر ہے مرا بھائی
ثابت ہوا اس دم کہ یہ زہراؑ کی ہے جائی
اے خاک پڑی ہے کدھر اماں کی کمائی
اے چرخ احمد کے نواسے کو بتا دے
اے نہر کئی روز کے پیاسے کو بتا دے

۲۴۲
سر پیٹ کے کہتی تھی کبھی ہائے برادر
مظلوم برادر مرے دکھ پالے برادر
کیا تجھ پہ بنی اے مرے ماں جائے برادر
کیوں کر ترے لاشے پہ بہن آئے برادر
تلواروں میں رستہ نہیں پاتی ہے زینبؑ
محروم زیارت سے رہی جاتی ہے زینبؑ

۲۴۳
لکھا ہے کہ جب کٹ گیا تن سے سرِ سرور
زینبؑ کو جو دیکھا تو کہا ہاتھ اٹھا کر
پکڑے ہوئے زلفوں کو چلا شمرِ ستمگر
جس کا ہے یہ سر دیکھ تو اے دخترِ حیدرؑ
مقتل میں ابھی تیغِ ستم جس پہ چلی ہے
یہ اور کوئی ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۲۴۴

منھ پیٹ کے چلّانے لگی زینبؑ دل گیر
حلقِ پسرِ فاطمہؑ پر پھیر دی شمشیر
یہ ہاتھ ترا قطع ہو اے ظالمِ بے پیر
ہے ہے لیے جاتا ہے سرِ حضرتِ شبیرؑ
آواز مجھے کیوں مرا بھائی نہیں دیتا
اندھیر ہے کچھ مجھ کو سجھائی نہیں دیتا

۲۴۵

اعجاز سے گویا ہوا اس دم یہ سرِ شاہ
چلتے ہیں جہاں سر سے مجاہد یہ وہ ہے راہ
بس صبر کرو بھائی کو اے زینبِ ذی جاہ
ہم شاہِ شہیداں ہوئے الحمد للہ
معراج ملی مرتبہ بڑھتا ہے ہمارا
تم جاؤ سرِ نیزہ پہ چڑھتا ہے ہمارا

۲۴۶

خیمے کو چلی خاک اُڑاتی ہوئی زینبؑ
زینبؑ نے قریب آکے پکارا یہ انھیں تب
نکلے ہوئے پردے سے حرم پیٹتے تھے سب
اے پیٹنے والو صفِ ماتم پہ چلو اب
تڑپوں گی زمیں پر کہ جگر پھٹ گیا لوگو
بے کس مرے بھائی کا گلا کٹ گیا لوگو

۲۴۷

خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا خوں
ہر چشم ہے گریاں تو ہر اک قلب ہے محزوں
مصرعے ہیں کہ چھریاں ہیں یہ نشتر ہیں کہ مضموں
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ میں کیا اس کا صلہ دوں
ارشادِ پیمبرؐ ہے کہ پاس اپنے مکاں دو
حلّے اسے فردوس کے دو باغِ جناں دو

سلام

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رُو سکتا نہیں

رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کار ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
گرد اپنے منھ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے کہ دُنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رُو سکتا نہیں

نظم ہے یا یہ دُرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

رُباعی

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
واللہ کہ حقِ خانہ زادی یہ ہے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؑ نکلے
نکلے جو خدا کے گھر سے مَر کر نکلے

رُباعی

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا
تلوار سے اک شق کی سُبحان اللہ
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
سجدہ میں اسی کا سر دو پارا ہوگا

مرثیہ

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
خورشید محو حسنِ حسینؑ حسیں ہوا
پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

۲

زہراؑ کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

۳

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
بس اب تو ان بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ درِ نجف ملے

۴

یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں
کعبہ کہاں نبیؐ کا یہ دارِ محن کہاں
جنگل کہاں بتولؑ کے گل پیرہن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کے وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈھتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

۵

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
باغی جو چمنِ دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
آیا گلِ ریاضِ محمدؐ خوشا نصیب
فخر اس زمیں کا جس پہ شہِ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

۶

خوشبو سے اُن گلوں کی ہوا دشت باغ باغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کئے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

۷

جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
بس اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اسکی فرش سے غل عرش تک گیا
لو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا

۸

کہتی تھی آسماں سے زمینِ فلک حشم
مجھ پر ہیں وہ جو مُہرِ نبوت پہ تھے قدم
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم
ذرّے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم
اب تو یہ خاکسار بھی کیواں اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

۹

پھیلی جو نکہتِ چمنِ شاہِ بحر و بر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر
آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر
جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم تو لے تو تری آبرو بڑھے

۱۰

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امامِ دہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
دریا دلی کا ہوگا تری شور شہر شہر
سر کو قدم کئے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
آمد سنی جو سبطِ رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

۱۱

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
منزل پہ ہم پہنچ گئے احسان کردگار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لئے دل ہے بیقرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

۱۲

اُترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام
مقتل یہی زمین ہے یہی مشہدِ امام
کوچ ہوگا اب نہ حشر تلک ہے یہیں مقام
اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

۱۳

شکلِ زمینِ خلد مُصفّا ہے یہ زمیں
روئے زمیں پہ عرشِ معلّیٰ ہے یہ زمیں
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشا ہے یہ زمیں
اس کے مکیں نہوں گے پراگندہ حشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے حشر میں

۱۴

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزندِ بوتراب
جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سرنوشت میں
جائے گا انھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

۱۵

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے
بطحا یہ ہے مدینۂ اربابِ دیں یہ ہے
جس پر کھدا ہے نقشِ شفاعت وہ نگیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے نجف یہ ہے خلدِ بریں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

۱۶

ذرّوں سے اس کے اشرفیِ مہر زرد ہے
کردے سقر کی آگ کو پانی یہ سرد ہے
ریتی طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے
کحلِ بصر ہے داروئے اندوہ و درد ہے
زندے الم سے بچتے ہیں مُردے فشار سے
آنکھوں میں نور آتا ہے اسکے غبار سے

۱۷

خاک اس کے دل میں ہو جسے اس خاک سے غبار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اسکی ایک بار
مجرم بھی اس کے فیض سے اُٹھے گا رستگار
سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار
یوں دور ہوں گناہ سب اس نیک بخت سے
پتے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

۱۸

کام آئے گی لحد میں یہ ہنگامِ درد و یاس
تسبیح اس کی قبر میں ہو لے گی جس کے پاس
اس خاک سے بنے گا کفن نور کا لباس
سو سو طرح کی پائے گا راحت وہ حق شناس
فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چین سے یہ مطیعِ امام ہے

۱۹

دیں گے جو اسکی خاک سے بچھا ہوا کفن
ڈھانپے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالمنن
میت پہ پھر نہ ہوگا کوئی صدمہ و محن
خوشبو سے ہوگا کنجِ لحد خلد کا چمن
پھولوں میں خاک پاک کفن کو بسائے گی
غنچوں سے نکہتِ گلِ فردوس آئے گی

۲۰

توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد
یہ خاک آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
لے آئے گی ہوائے موافق درِ مراد
دیکھے گا پاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو

۲۱

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمت کا ناخدا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

۲۲

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند
کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شبیرؑ اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

۲۳

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہِ انام
مشہور غاضریہ ہے شاید اسی کا نام
ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

۲۴

رو کے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام
گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا میں اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی چند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

۲۵

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال
سبزے سے واں کے ابنِ حسنؑ خوش ہوئے کمال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
کی عرض اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسروِ زمیں یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطرِ عروس کی

۲۶

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِؑ اُمم
اُچھلیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
الیاسؑ شاد ہو کے پکارے یہ صد حشم
بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

۲۷

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رُو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو
دھویا کسی نے رخ کسی نے کیا وضو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرؑ نیک خو
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

۲۸
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامور
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیت پر
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہ بحر و بر
بیٹھے ہیں تازگی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رکے ہوئے

۲۹
کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
زینبؑ جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

۳۰
بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ہے نثار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختار کائنات کے تم نورِ عین ہو
اترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

۳۱
عاقل ہو تم تو نام خدا اے علیؑ کے لال
دریافت کر لو پہلے کسی سے یہاں کا حال
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
واری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں نہ فضا ہو نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

۳۲
آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر
کن آفتوں سے پانچ مہینے ہوئے بسر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل میں پہاڑ تھا

۳۳
آج اس زمیں پہ ہمیں لایا ہے آسماں
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جاں
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
یارب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
دشمن بہت ہیں بادشہِ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

۳۴
بھائی سے اس زمیں کی سنی ہے بہت صفت
جو جو سخن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

۳۵
دست ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضیٰ
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ فاطمہؑ میں ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قربِ نہر کا آبِ حیات ہے

۳۶
جس سرزمیں پہ دلبرِ زہراؑ عمل کرے
مانع وہ ہو جو دین نبیؐ میں خلل کرے
زہرہ کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
کافر ہے جو حسینؑ سے جنگ و جدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

۳۷

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جاں نثار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُتریں یہیں یہ مرضیِ آلِ رسولؐ ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

۳۸

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
حاضر ہوں آب پاش تحمّل دیر کا نہیں
فرّاش آ کے جلد مصفّا کریں زمیں
یاں ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں
جلد اُن کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اُشتروں سے قناتیں اُتار کے

۳۹

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآب کا
سر پہ لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

۴۰

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاجدار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
رایت سیاہ و سُرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

۴۱

یک جا ہوئے یہ سُن کے جوانانِ صف شکن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم چھوڑ کے وطن
نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن
تو سب کی خیر کیجیو اے ربِّ ذوالمنن
اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

۴۲

کہنے لگے پکار کے عباسؑ حق شناس
دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلامِ یاس
ہاں ناصرانِ قبلۂ کونین با حواس
جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
دونوں طرح مآل تمھارا بخیر ہے

۴۳

کیا ڈر قشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام
جو مرد ہیں ہراس کے کرتے نہیں کلام
ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
ہونے دو گر ہیں سُرخ علم یا سیاہ فام
سرسبز ہیں وہی جو علیؑ کے نشان ہیں
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

۴۴

یہ ذکر تھا کہ بَن میں سیاہی سی چھا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیر زور تہمتن شکوہ تھا
توسن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

۴۵

بولے ملازموں سے یہ عباسؑ باوفا
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسولؐ زادیوں کا احترام ہے
اُتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

۴۶

کرسی نشیں ہے تخت دلِ سیدالبشر
آتی ہے اُڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادھر
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑے پہ ظالم سوار ہیں

۴۷

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام
حکم امیر ہے یہیں اُترے سپاہ شام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

۴۸

کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی دم میں کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا

۴۹

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
گِردے میں جس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

۵۰

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں اِدھر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر
ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

۵۱

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا ہے قدم
بپھرے جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

۵۲

دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
ہے سب طرح کا رعب محمدؐ کی آل میں
دریا ہے کیا یہ شیر ہیں جس کو چھوڑ کے
جب پل بنا دیا درِ خیبر کو توڑ کے

۵۳

تم کون ہو حسینؑ ہیں مختار خشک و تر
دیکھو فساد ہوگا بڑھو گے اگر ادھر
اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
شیروں کا یاں عمل ہے تمھیں کیا نہیں خبر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

۵۴

دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے تم ہو کون
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون
اس کا مُحبّ رسولؐ کا پیارا ہے تم ہو کون
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون
ہیہات غصبِ حق سے بھرے آج تک نہیں
منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فدک نہیں

۵۵
کیا ابنِ سعدِ شوم کی فوج اور کیا حشم
اُترے ہیں آ کے تختِ سلیماں کے ساتھ ہم
سَر تو کٹیں گے پھریں گے بڑھا یا اگر قدم
کیا اُن کے مورچے کہ جو ہو چیونٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں چھ لاکھ اگر بدخصال ہیں
ہم بھی کُشندۂ درِ خیبر کے لال ہیں

۵۶
کیا سَر پہ موت آئی ہے بس سامنے سے جاؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر تو آؤ
فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
بیٹا رحیم کا ہوں مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار ادھر کھنچی کہ اُدھر کھیت پڑ گیا
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

۵۷
ہم شیر ہیں قسم اسدِ کردگار کی
سوکی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی
رکھتے ہیں ناخنوں میں بُرِش ذوالفقار کی
ٹوکے یہ کیا مجال کسی نابکار کی
گرجیں ابھی تو رعد ہیں برسیں تو ابر ہیں
اک ببر نہیں بہت ابھی ایسے ہژبر ہیں

۵۸
چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسمان
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان
بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشان
ریتی پہ ہم بپا کریں خیمہ خدا کی شان
مر جائیں وہ جو ساتھ کئی شیر خوار ہیں
فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیروار ہیں

۵۹
ہم چلے آئے ہیں کہ تم آئے ہو تا بہ نہر
چھوڑ آئے ہیں تمہارے بلانے پہ اپنا شہر
کیوں غاصبو یہ نہر نہیں فاطمہؑ کا مہر
کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر
اُترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی

۶۰
شر اس قدر زمیں پہ تمہارے سروں پہ خاک
ہے بوترابیوں کی جگہ یہ زمین پاک
مٹی ہوئے جھے تھے عزیزوں میں جو تپاک
ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں گر ہوئے ہلاک
تم لوگ کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

۶۱
سوچو تمہیں دلوں میں کہ حقدار کون ہے
ہادی ہے کون سیدِ ابرار کون ہے
عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے
ہے بے قصور کون گنہگار کون ہے
لازم ہے تم کو پاسِ کلامِ مجید کا
کلمہ نبی کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا

۶۲
یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمہیں
صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمہیں
ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمہیں
پھلتا نہیں نہالِ حسد پھولتا نہیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

۶۳
ہم تو تمہیں سمجھتے ہیں سید کا خیر خواہ
الفت نہ دلدہی نہ تعارف نہ رسم و راہ
کیا خوب میہمانوں کی دعوت ہے واہ واہ
معصوم سے وہ کونسا ایسا ہوا گناہ
چشمے پہ جنگ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
نا منصفو پھراتے ہو آنکھیں حسینؑ سے

۶۴
ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب
کہنی تک آستین جو الٹیں دمِ عتاب
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
آ جائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پر

۶۵
ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خون کا دریا کریں ابھی
جو سرکشی کرے اُسے پسپا کریں ابھی
ساحل تک آئے جو اسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

۶۶
ظالم گجر بجا کے بڑھے ایک بار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
اک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

۶۷
بگڑے ابو ثمامۂ سعدِ فلک سریر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر
تولی زہیرِ قین نے شمشیرِ بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکرِ بد خو پہ آ گیا
غصّے سے بل ہلال کے ابرو پہ آ گیا

۶۸
بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بولے حبیب ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بس اب سزا یہی ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

۶۹
الٹی جنابِ قاسمِ ذی شاں نے آستیں
بولے بگڑ کے بیٹے زینبؑ کے مہ جبیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرِ حسین
شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے یہ اہلِ کیں
کھینچے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

۷۰
آگے تھے سب کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم
تیغیں جو تولتے تھے اُدھر بانیِ ستم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
کہتے تھے بس نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیرِ جری دس ہزار کو

۷۱
بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیرِ نر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اودھر شور و شر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی اُدھر
گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

۷۲
چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہِ خوش نہاد
ہمشیر کو نثارِ امامِ اُمَم کرو
لوگو دعائیں اکبرِ مہ رو پہ دم کرو

۷۳
محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
بلوہ تمھارا نہو ہے اے بنت مرتضیٰؑ
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

۷۴
زینبؑ پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد ملال
کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

۷۵
لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر
عباسؑ تم تو ساقیِ کوثر کے ہو پسر
محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رنج اس قدر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گزری ترائی سے

۷۶
دریا کو روکتے ہیں اگر بانیِ ستم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم
جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
پھر آؤ بس سکینہؑ کے سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

۷۷
یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہِ انام
عباسؑ ادھر غضب میں بڑھے بولے فوج شام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

۷۸
ہر چند اس میں کوئی تمھارا نہیں قصور
خیر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
ناحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
جانے دو جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا
بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

۷۹
لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار
جرأت میں تم نہ ایک نہ یہ اہل کیں ہزار
کس پر یہ خشم اے شہِ مرداں کے یادگار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
بے آبِ تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
گر منہ سے اُف کرو تو ابھی جل کے خاک ہوں

۸۰
ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابلِ سزا
جنگل ہو یا ترائی ہو ہے ہر جگہ خدا
پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبیؐ کی روحِ مطہر کا پاس ہے

۸۱
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
جعفرؑ ہو دبدبے میں شجاعت میں بوترابؑ
یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

۸۲

بھیا پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال
بلوہ تھا بعد رحلتِ محبوبِ ذوالجلال
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب ان کا حال
یاں تک کہ باندھ لے گئے رسّی سے بدخصال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

۸۳

توڑا ہو ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
تھرائیں جس کی ضرب سے روح الامیں کے پر
پھونکیں گھر اس کا اور کریں یوں وہ درگذر
رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر
کمزور دست و بازوئے خیبر کشا نہ تھا
سب قدرتیں وہی تھیں پہ حکمِ خدا نہ تھا

۸۴

ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سیّدِ انام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و تبر سے کام
باندھے رہا اُسی پہ کمر وہ فلک مقام
مظلوم ہو گئے تھے اطاعت ہے اس کا نام
ہم ہیں امام ہم کو بھی جانو اُسی طرح
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

۸۵

لازم ہے ان پہ رحم یہ اُمت ہے بے شمار
اُن کے لئے حسنؑ نے کیا جبر اختیار
کرتے تھے مصطفٰےؐ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
دشمن پہ بھی رہا کرمِ شیرِ کردگار
ہیں نوجواں مزاج میں غصہ ہے آپ کے
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

۸۶

آؤ تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

۸۷

تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا
جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
آرام کا محل نہیں یہ عاریت سرا
اب وہ کہاں ہیں قصر جنھوں نے بنائے ہیں
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں

۸۸

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
پڑتی شکن جبیں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

۸۹

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نام وَر
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر
کہہ دیجے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
اب کچھ کہوں زباں سے میں کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

۹۰

ٹھہرے گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی نہ چاہ
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ روسیاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
یہ عینِ مصلحت ہے جو حکمِ جناب ہے

91

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
لو اب اٹھاؤ تیغ و سپر تم پہ میں فدا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں

92

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمھیں
قرب خدائے عزّ و جلّ چاہیے تمھیں
غصّہ نہ برہمی نہ جدل چاہیے تمھیں
جو ہم کہیں اسی پہ عمل چاہیے تمھیں
بھائی جگہ مزاروں کی پہچانتا ہوں میں
جو ہوگا اس زمیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں

93

ہے منکشف امام پہ احوال بحر و بر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر
حق نے کیا ہے واقف اسرار خشک و تر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
دولت ملے گی یاں اسد کردگار کی
بھیا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی

94

ہوتا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آ کے صبح و شام
بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
یاں ہوگی قبر حضرتِ عباسؑ نیک نام
دیندار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

95

سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے کیا جگہ
ٹھنڈی ہوائیں سونے کو پائی ہے کیا جگہ
پیارے ہمارے بھائی کو بھائی ہے کیا جگہ
کیا سبزہ کیا نفیس ترائی ہے کیا جگہ
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قرب نہر بہشتی کے واسطے

96

آؤ اب اپنے قبر کی جا ہم تمھیں دکھائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ جنگل کی دھوپ کھائیں
مقتل میں نخل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
چالیس روز تک نہ کفن اور غسل پائیں
میداں ہو اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

97

عباسؑ آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام
فرمایا واں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام
بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
دیکھو حسینؑ ہوگا یہیں قتل تشنہ کام
بھائی مقام خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے تربت کی جا ہے وہ

98

رونے لگے پکار کے عباسؑ نامدار
سن پائے گی جو زینبؑ بے کس یہ حال زار
شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں نثار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

99

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
پہلے مرے گا آپ سے یہ بادشا غلام
ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلۂ انام
رو کر کہا کہ ہاں یہی ہووے گا لاکلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
روؤ گے تم نہ ہم کو ہمیں تم کو روئیں گے

۱۰۰

مژدہ یہ سن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
زینی پہ آ کے گاڑ دیا شاہ نے علم
برپا ہوئے خیام شہِ آسماں حشم
ذرّے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

۱۰۱

کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و در
تارے شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
پردا حرم کا تھا کہ قناتیں ادھر ادھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمہ کی شان سے
پلّہ زمیں کا اٹھ کے ملا آسمان سے

۱۰۲

تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
سکّانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج اوج تھا خیمے کا دَور دَور
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اتر گیا ورقِ آفتاب کا

۱۰۳

خیمہ میں جا چکے جو حرم باصد احترام
ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباسؑ نیک نام
کمریں ادھر کھلیں ادھر اتری سپاہ شام
بھائی کو لے کے خیمہ میں داخل ہوئے امام
اٹھا تھا دل جو سبطِ نبیؐ کی جدائی سے
زینبؑ لپٹ کے رونے لگی چھوٹے بھائی سے

۱۰۴

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
صدقہ اتارو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن
تھے دس ہزار مستعدِ جنگ تیغ زن
جیتا میں زخمی ہوتے جو عباسؑ صف شکن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
دیکھو ابھی تلک نہیں ابرو سے بل گیا

۱۰۵

لے کر بلائیں کہنے لگی وہ جگر فگار
کیا جی میں آ گئی تھی یہ بھیّا بہن نثار
محمل میں میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
صدقے کروں وہ نہر لڑیں جس پہ نابکار
پیارا ہے یہ انھیں جنھیں پانی عزیز ہے
بھیّا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

۱۰۶

منہ رکھ کے منہ پہ بالی سکینہؑ نے یہ کہا
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا
بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا
اس بےکسی میں دلبرِ زہراؑ کا کون تھا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

۱۰۷

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش بیان
غصّے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں

۱۰۸

فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولیے کمر
زینبؑ نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبرؑ نے دی خبر
فوج اور آئی شام سے یا شاہِ بحر و بر
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہراس ہے

۱۰۹

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانان شام و روم
آپہونچا لے کے فوج گراں ابن سعد شوم
آفت کی ہے بھیر قیامت کا ہے ہجوم
کیسا شمار حصر نہ تھا انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

۱۱۰

آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدت تعب
نرغے میں آ گیا پسر سید العرب
پانی مسافروں پہ ہوا بند ہے غضب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

۱۱۱

غش تھے تمام کو پیاس سے اطفال شاہ دیں
تھا دودھ خشک پیٹتی تھی بانوئے حزیں
جز آب اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرؑ سا نازنیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا سکینہؑ بلکتی تھی

۱۱۲

رونے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
شب تھی مسافروں کے لئے موت کا پیام
آئی یہ بلا کی طرح شام تیرہ فام
غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
مل لو جناب فاطمہؑ کے نور عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسینؑ سے

۱۱۳

لکھوں سیاہی شب عاشور کا جو حال
چھایا ہوا تھا ابر غم و حسرت و ملال
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کی مثال
کھولے تھے اہلِ بیت محمدؐ سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

۱۱۴

گردوں پہ جب بیاض سحر کا ورق کھلا
بزم جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا
یعنی کتاب ذکر خدا کا سبق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی درِ باغ شفق کھلا
پہونچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موج ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

۱۱۵

ہونے لگے چراغ نجوم آسماں پہ گل
برپا جنتیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل
قرنا پھنکی سپاہ عدو میں بجا دہل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہ جز و کل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پر
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

۱۱۶

سجدوں میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریب در
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں ادھر
حضرت پہ آ کے روک لی عباسؑ نے سپر
کی عرض سرکشی پہ یہ سب فوج شام ہے
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

۱۱۷

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہ فلک وقار
سر پر رکھا عمامۂ محبوب کردگار
شانہ کیا محاسن اقدس میں چند بار
پہنی قبائے خسرو عالم بہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعت امت کے واسطے

١١٨

رخصت کو اہلِ بیتِ نبیؐ میں گئے امام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینبؑ کے بین سے

١١٩

روتے تھے ماں کے پہلو میں زینبؑ کے نونہال
پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوشخصال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
قربان جاؤں منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو بہرِ خدا میرے بھائی سے

١٢٠

قاسمؑ سے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجواں
چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسنؑ کی شاں
اک سمت تھا مادرِ علیؑ اکبر کا یہ بیاں
اٹھارویں برس میں بچھڑتے ہو میری جاں
رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اتار کے

١٢١

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
بس الوداع کہہ کے چلا فاطمہؑ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے با ادب کیا
گھوڑا سوارئ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا

١٢٢

آیا عجب شکوہ سے شبدیز تیز گام
طاؤس و کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
عباس نے رکاب کو تھاما بہ احترام
چھوائی قدم سے ہیں یہ ہوا غم زمین کو
جبریل جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

١٢٣

حاصل ہوا جو فیضِ قدم بوسئ جناب
اللہ ری ضیا مہِ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے سمِ اسپِ ضیا شتاب
ثابت تھا صدرِ زیں سے کہ ہے برجِ آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تارِ شعاع ہوئے ایالِ سمند ہیں

١٢٤

کس اوج سے خسروِ زمن و زماں چلا
رہوار کیا زمین چلی آسماں چلا
لے کر نشاں علیؑ ولی کا نشاں چلا
دامن بھرے ہوئے علمِ زرفشاں چلا
اختر نثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے
ذرے نہ تھے زمیں پہ سونے کے پھول تھے

١٢٥

سادات کے وہ چہروں کی ضو وہ علم کی شان
تکتا تھا اُس زمیں کے ستاروں کو آسمان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے اسّی جوان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
وار اُن کے معرکہ میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

١٢٦

پہونچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں
کھولا سیاہ کفر کے آگے نشانِ دیں
اللہ رے جلوۂ شجرِ آسمانِ دیں
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
مطلق نہ کی تمیز خطا و صواب میں

۱۲۷

سینے حُسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
حجت تمام کی پہ نہ سمجھے وہ بد گہر
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

عباسؑ نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں

۱۲۸

مولا کہاں کلام نصیحت کہاں یہ تیر
موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسمان سریر
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

بولے حبیب رحم کی بھی انتہا ہے اب
گذرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب
کب جائیں پیاسے حلق اداس سے دین ہو

۱۲۹

دیجے رضا جہاد کی یا شاہ تشنہ لب
بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
اب سلسبیل پر کہیں پہونچیں تو چین ہو

فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
ہاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے

۱۳۰

اچھا لڑو کہ خالق کونین ہے کفیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
در پیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد
تیغیں بجڑ بجڑ کے جو نکلے پئے جہاد
کس آبرو سے فدیۂ راہ خدا ہوئے

۱۳۱

رخصت اُنھیں ملی کہ ملا گوہر مراد
میداں سے اُٹھ گئے قدم لشکر عناد
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے

نصفُ النّہار تک تھا یہی شور کار زار
رخصت اسے کیا تو اسے رو دئے زار زار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی

۱۳۲

مرنے کو یہ چلا وہ تڑپ کر ہوا نثار
جاتے تھے آپ لاش اُٹھانے کو بار بار
جاں نکلی سب کی گود میں سبط رسولؐ کی

لٹنے لگی علیؑ کی بضاعت دمِ زوال
زینبؑ کے نورِ عین بھی جب کر چکے جدال
سترّ دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں

۱۳۳

کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنؑ کا لال
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجوم یاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
اٹھتا تھا درد دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے

۱۳۴

ڈھلنا وہ دو پہر کا وہ آندھی وہ لُو وہ پیاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہ حق شناس
فرما کے یا علیؑ مدد ڈل بیٹھ جاتے تھے

ہل من مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو

۱۳۵

بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
دوڑو چلی جہاں سے سکینہؑ جگر فگار
قطرہ نہیں ہے پانی کا منھ میں چوانے کو

١٣٦

گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہ بحر و بر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسؑ نام ور
لب برگِ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
پانی تھا غم سے اکبرؑ ذی جاہ کا جگر
تلخ اُن کو زیست تھی اُنھیں سر بار دوش تھا
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

١٣٧

بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبرؑ یہ دم بہ دم
فرماتے تھے اشارے ہیں عباسؑ ذی حشم
رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہِ دیں سے ہم
کہیو نہ کچھ تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
مرلے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

١٣٨

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرّا گیا جگر
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
طاقت نے تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کے زمیں پہ امامِ زماں گرے

١٣٩

بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے میرے مہ لقا
پیاسی سکینہؑ مرتی ہے یا شاہِ کربلا
گذرے ہیں تین دن تو ہیں اس خوش صفات پر
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

١٤٠

بولے بہا کے اشک امامِ فلک جناب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزندِ بوتراب
یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
اچھا یہ ہے صلاح تو کیجیے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

١٤١

کیا اختیار خیر دعا دیجئے ہمیں
ملے گا اب کہاں یہ پتا دیجئے ہمیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجئے ہمیں
رولیں لپٹ کے اتنی رضا دیجئے ہمیں
بھائی کی زیست قوتِ بازو کے ساتھ ہے
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

١٤٢

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر
روئے جواں پسر کے لئے جس طرح پدر
گھبرا کے آئی بالی سکینہؑ قریبِ در
چلّائی عمو جان ادھر آ کے جائیے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

١٤٣

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسؑ حق شناس
بولی یہ مشک دے کے سکینہؑ بہ درد و یاس
آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
پھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجئے کہ یہ کارِ ثواب ہے

١٤٤

عباسؑ نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امام
بی بی تمھارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کوثر میں کھبوں دوش پہ گر مشک آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

۱۴۵

کہہ کر یہ بات باگ اٹھائی سمند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
سرعت بلا میں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پار اتر پ گیا
جنگل میں یوں اڑا کہ چکارا تڑپ گیا

۱۴۶

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
اڑتا تھا پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے
راکب وہ ہیں جو فرق دو عالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

۱۴۷

وہ تھوتنی وہ اوبلی ہوئی انکھڑیاں وہ یال
وہ جلد وہ دماغ وہ سینہ وہ سُم وہ چال
گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
دم میں کبھی ہما کبھی ضیغم کبھی غزال
وہ قصر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا براق تھا

۱۴۸

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی
وہ نور وہ چمک علمِ زر نگار کی
تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا نشان ثریا مآب کا
تھا فرق جبرئیلؑ پہ تاج آفتاب کا

۱۴۹

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم
نصرت پکارتی تھی جلو میں قدم قدم
افزوں ترا جلال دوبالا ترا حشم
جب تک ہے آفتاب درخشاں رہے علم
مطلب منافقوں کے جو ہیں مثنوی رہیں
یارب ترے حسینؑ کے بازو قوی رہیں

۱۵۰

اللہ ری جلالت و شوکت حضور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
ذروں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

۱۵۱

پہونچا جو اس جلال سے وہ آفتابِ دیں
گاڑا جو دبدبے سے علم ہل گئی زمیں
دیکھا سپاہ کو صفتِ شیرِ خشمگیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہلِ کیں
غازی ہے صف شکن ہے جری ہے دلیر ہے
ہٹنا نہ تھا ترائی سے جو وہ یہ شیر ہے

۱۵۲

گردے کے اپنے سر کی قسم لے نہ جائے شاہ
گویا کھڑے تھے تیغ بکف ضیغمِ الٰہ
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ
کیا قہر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے کلیجے فگار تھے
جنبش بھووں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

۱۵۳

خود اب تو دی ہے شہ نے اسے رخصتِ جدال
اس کا جلال حیدرِ صفدر کا ہے جلال
دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

۱۵۴

یہ سن کے تہلکہ صفِ اعدا میں پڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا
جو رہ گیا نشاں وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چلّے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اس صف پہ چل گئے

۱۵۵

تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جو اہلِ شر
تلوار یاں پڑی تھی کسی کی تو واں سپر
کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
برچھی تھی اِس خلق کی تو اُس رخ کا تھا تبر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

۱۵۶

گھبرا کے ابن سعد نے لشکر کو دی صدا
اتنا ہراس نام و ننگ کی ہے جا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعوں یہ کیا کیا
وہ کون تھے علیؑ سے لڑے جو دمِ وغا
سب مل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

۱۵۷

قاتل تمہارے جد و پدر کا جو تھا دلیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
ہاں غازیو اُسی کا جگر بند ہے یہ شیر
دشمن کو پا کے واہ یہ کم جرأتی یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ جو مرد ہو

۱۵۸

یہ سن کے سب کو جوش حمیت کا آ گیا
پھر ابرِ فوجِ شام لبِ نہر چھا گیا
ابلیس آ کے راہ ضلالت بتا گیا
شورِ دہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھل گئے نیزے علم ہوئے

۱۵۹

بڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
دریائے قہر خالقِ جنّ و بشر بڑھا
گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
بہرِ نبرد مالکِ فتح و ظفر بڑھا
تڑپا جو رخش برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی آنکھوں میں پھر گئی

۱۶۰

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد
مانند کہربا ہوا ہستی کا رنگ زرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے دن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

۱۶۱

نکلی ادھر غلاف سے وہ برق شعلہ ریز
چمکے شرر بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
گھبرا اجل نے بند ہوئے کوچۂ گریز
آیا خدا کا قہر ہر اک رو سیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

۱۶۲

چمکی گری تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
جو تھے ہوا یہ خاک میں ان کو ملا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
دعویٰ تھا خون تا سمِ یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شبیرؑ کے لال کا

۱۶۳

کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں
ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
پہلے اُنھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
یہ اُٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے

۱۶۴

جس غول پہ گری نہ رُکی کے تھی کہیں
چمکی کہیں تھمی یہ کسی جا دمی کہیں
اک دم بھی کی نہ اُس کی برش نے کمی کہیں
فوجوں میں ابتری تھی کہیں برہمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
ہر جا تھے ضرب تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے

۱۶۵

جل جل کے آبِ تیغ سے کفار مر گئے
نامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے
پس پس کے بھاگتے میں جفاکار مر گئے
دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے
کہتا تھا شیر ہاں یہ مدد پنجتن کی ہے

۱۶۶

جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی
مغفر کٹا دو نیم ہوا سر جبیں کٹی
دستانہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
سینے کو لے کے زیں سے جو اُتری زمیں کٹی
جو زنگ تھا فرس تو دو پارا سوار تھا
اللہ رے سمجھ کہ تیغ نے جانا خیار تھا

۱۶۷

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی
خالی صفوں میں اور ہوا ابتری ہوئی
پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل پر ڈری ہوئی
آنچ اُس کی قہر تھی کوئی کیوں کر الگ نہ جالے
چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اُس کی لگ نہ جالے

۱۶۸

بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی
چار آئینہ پہ ضربت قہرِ خدا لگی
اک آگ تھی کہ چنبر گردوں میں جا لگی
کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اس کی ہوا لگی
برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا
پانی اثر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا

۱۶۹

پلٹی اُدھر سے جب تو ادھر کا پرا نہ تھا
چھلکا ہوا تھا سم بدن اُس کا ہرا نہ تھا
کاٹے تھے سر پہ فرق برش میں ذرا نہ تھا
خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا
سیل فنا تھا جنگ میں کاٹ اُس کی دھار کا
دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں سب ذوالفقار کا

۱۷۰

گورا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی دھار کی چمک
تھی صاف تیغ حیدرِ کرار کی چمک
اُس پار تک پہنچتی تھی اس پار کی چمک
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
خشکی میں زلزلہ تھا تلاطم فرات میں

۱۷۱

بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سو
کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو
پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سو
تیغ آئی جس پہ اُس کا بھی وار اُس پہ چل گیا
وہ سر گرا گئی تو یہ لاشہ کچل گیا

۱۷۲

ثابت ہو جس پہ زہ کوئی ایسی کماں نہ تھی
گرمیان تھا تو تیغ دو دم امتحاں نہ تھی
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی
جرّار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
سرکش خموش تھے لبِ سوفار کی طرح

۱۷۳

جب ضرب کی زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے
سر اُڑ گئے گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے
برہم مزاج سخت دلِ بوتراب تھا
لاشے اُلٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا

۱۷۴

ممکن نہ تھا کہ ایک کو سو میں اماں ملے
جو نامور بڑے تھے نہ اُن کے نشاں ملے
مارا وہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
ریتی پہ گر ملے بھی لاشے تپاں ملے
کیوں معرکے میں تیغ دو دم سرخرو نہ ہو
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

۱۷۵

زہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے کسی کا دل
آفت تھی قہر تھی برشِ تیغِ جاں گسل
بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے متصل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل
بگڑے تھے منہ سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بدسرشت کی

۱۷۶

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے
جب بھاگتا سپر کو سیہ کار روک کے
دم بھر نہ رُک سکا کوئی اک وار روک کے
عباسؑ مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا وہیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجہ سے شیر کے

۱۷۷

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک وہ فرس کی جست
بجلی گری پھرا جو ذرا دستِ حق پرست
رستے کھلے ہوئے نہ صفیں وہ نہ بند و بست
غارت وہ مورچہ اِدھر آفت اُدھر شکست
افسر سے فوج فوج سے افسر چھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے لٹے ہوئے

۱۷۸

ہر اک علم کی چوب ضلالت نشاں کٹی
ترکش کٹے قلم ہوئے نیزے سناں کٹی
منہ تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ کمر پہلواں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ روحیں تنوں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

۱۷۹

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ در ہوئی
شب کو چمن کھلا جو سپر خوں سے تر ہوئی
چمکی ادھر یہ تیغ تجلی اُدھر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی
جلّائی موت صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے

۱۸۰

جب سن سے فوج کفر پہ وہ جنگ جو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تند خو چلی
گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
ٹکڑے اُڑا دیے ذبح کیا سرخرو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۱۸۱

جس کے گلے سے مل کے چلی مر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
تکتے ہیں کوئی منھ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی بہر تماشا کھلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں

۱۸۲

کہنی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا
ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا
وہ تہلکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

۱۸۳

اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ہاتھ بدلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا

۱۸۴

اٹھی چلی سپاہ میں آئی جدا ہوئی
صف کی جدا پرے کی صفائی جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
پیری جگر میں خوں میں نہائی جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا نہ تھی

۱۸۵

چھلتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے
تھراتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق بھی جم خم ہلال کا

۱۸۶

تنتی تھی سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سرو ہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں

۱۸۷

سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع واد
خط جابجا تھے خاک پہ مابین رزم گاہ
اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم وہ بر اتباہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ
کترا کے لو جدھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

۱۸۸

گھیرا جو یک بہ یک غضب کردگار نے
کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
گھوڑے بھگائے فوج ضلالت شعار نے
سر پر اڑائی خاک سیہ روزگار نے
دن چھپ گیا یہ گرد بڑی روئے مہر پر
مٹی کا پل بندھا تھا محیط سپہر پر

۱۸۹

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا میں خاک اڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
ہل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

۱۹۰
دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام
ساحل تک آئے حضرت عباسؑ نیک نام
وہ زور شور کیا ہوا اے سالکانِ شام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

۱۹۱
وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
لاکھوں میں اب تو دے کوئی اس تیغ کا جواب
رستی یہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بوتراب
افسوس ابن سعد ستمگار ٹل گیا
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

۱۹۲
یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
چمکا جو عکس روئے علمدار ارجمند
طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپ سربلند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کی چکا چوند ہو گئی

۱۹۳
جلوے جو نہر میں علم شیر نے دکھائے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے
ہر سنگ ریزہ ذرے سے دُرِّ خوش آب تھا
ہر پیا جو تھیں کرن تو بھنور آفتاب تھا

۱۹۴
چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بےقرار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدار
ڈوبی لے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے

۱۹۵
گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیز گام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
آقا ابھی حسین کے بچے ہیں تشنہ کام
مطلب یہ ہے کہ ذکر وفا چار سو رہے
لب خشک زندہ ہوں تو نہ ہوں آبرو رہے

۱۹۶
ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
پینا یہ خانہ زاد بھی پیتے اگر حضور
جانیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی ہے ضرور
ناموسِ مصطفیٰؐ میں تلاطم ہے رات سے
اب جلد مشک بھر کے نکلیے فرات سے

۱۹۷
بچوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیرِ غم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بہ چشمِ نم
رو دیے ہو کے اشکوں سے عباسؑ باکرم
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیز خوش قدم
بڑھتے ہی بحرِ ظلم کی موجوں میں گھر گیا
سقائے نبیؐ کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

۱۹۸
ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابر کوہسار
برچھے اٹھا اٹھا کے بڑھے سیکڑوں سوار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھا آہنی حصار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

۱۹۹

کہتا تھا گرز غول کے ایک پہلوان
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسؑ نوجوان
کیا منہ جو مشک لے کوئی جبتک یہ ہاتھ ہے
رکھ دو یہ مشک اے اسد اللہ کے نشان
چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زبان
اے بے حمیتو مری جاں اسکے ساتھ ہے

۲۰۰

طفلی سے تھی ہمیں انھیں عہدوں کی آرزو
اک مشک اک نشان شہنشاہ نیک خو
گر مر گئے تو رنج و الم لے کے جائیں گے
دونوں امانتیں ہیں یہ اے فوج کینہ جو
اس سے جہاں میں نام ہے اور اس سے آبرو
مختار ان کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

۲۰۱

جھپٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کیے
حملے صفوں پہ صورت شیر دژم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
دونوں طرف کے نیزۂ خطی قلم کیے
تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
آدھی صفیں تو بچھ گئیں آدھی الٹ گئیں

۲۰۲

بوچھار یک بیک ہوئی تیروں کی ہے غضب
یہ شکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی ہے غضب
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

۲۰۳

زخمی تھے پر فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

۲۰۴

جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
دیتے تھے دم بدم یہ صدا شاہ ذوالفقار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
قوت عطا کرو مجھے یا شیر کردگار
بیٹا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

۲۰۵

واحسرتا وہ فوج کا بلوہ وہ ایک جاں
لڑنے کی فکر مشک کا دھڑکا علم کا دھیاں
چمکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں
جی سن سے ہو گیا کہیں کڑکی اگر کماں
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

۲۰۶

کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم
بہتا تھا خوں رکابوں میں تھمتے نہ تھے قدم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
مضطر تھا مشک کے لئے وہ صاحب کرم
قوت کو ضعف ضعف کو قوت تھی دم بہ دم
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

۲۰۷

تلوار ہاتھ میں علم شاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جان حزیں پہ تھا
بھرنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
تلوار کیا پہاڑ گرا آہ دوش پر
دیکھا جو پھر کے دست مبارک زمیں پہ تھا

۲۰۸

شانے سے یوں اُبل کے ہاتھوں کہ الاماں
تیورا کے جھومنے لگے عباسؑ نوجواں
مچھلی کی طرح ہاتھ تڑپتا یہ تھا تپاں
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے اُنگلیاں
بے دست ہوگیا تھا جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

۲۰۹

دہنا تھا ہاتھ تیغ اُسی میں تھی ہے ستم
اب تھاما بائیں ہاتھ میں شکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کئی گاہ سے بہم
اُلجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے دعا کریں
بتلاؤ اب کہ حضرت عباسؑ کیا کریں

۲۱۰

ڈر سے قریب تو آنہ سکا کوئی نابکار
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گذرا جگر کے پار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
ہے ہے سکینہؑ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
ہرنے پہ سر پٹک کے بہشتی نے آہ کی

۲۱۱

گرزِ ستم سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
تھرّا کے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
تڑپے اُٹھے کراہ کے خاموش ہو گئے
منھ رکھ کے خالی مشک پہ بیہوش ہو گئے

۲۱۲

ان کا تو یاں ہے کوچ سنو واں کی اب خبر
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
لپٹا ہوا ہے بھائی سے عباسؑ کا پسر
روتی ہے سر جھکائے سکینہؑ قریبِ در
زینبؑ کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عباسؑ ساتھ ہے

۲۱۳

زینبؑ سے عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار
ہے ہے یہ شور نہر پہ کیسا ہے میں نثار
کچھ دم اُلجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار
گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

۲۱۴

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
پردہ اُٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ تیغ کے باجے بجے اُدھر
دوڑے زمیں سے اُٹھ کے شہنشاہ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دل اندوہناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی گریباں چاک تھا

۲۱۵

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
اکبرؑ سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے اَلم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہراؑ کو لے چلو
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

۲۱۶

اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت ہے سدِّ راہ
عباسؑ کیا بچھڑ گئے گھر ہو گیا تباہ
چلتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو آہ آہ
وہ کہتے ہوں گے لاش پہ ابتک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر جو صبر اُدھر سے عطا نہ ہو
یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

۲۱۷

ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر
تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے دل ہے تپاں چاک ہے جگر
اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
لو اتنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا

۲۱۸

اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہِ دیں
رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرؑ حزیں
بابا یہی ہے نعشِ علمدار مہ جبیں
گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پیار دیکھیے
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے

۲۱۹

حضرت پکارے جان ابھی ہے جسمِ زار میں
یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
کی عرض دم تو ہے جسدِ زخمدار میں
پر منہ سے بولتے نہیں کچھ اختصار میں
کیجیے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو

۲۲۰

چلائے گر کے لاش پہ شبیرِ نامدار
بھیا تمہاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

۲۲۱

مر جائے گا حسینؑ برادر جواب دو
اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبرؐ جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیؑ کوثر جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھیا تمہارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

۲۲۲

سن لو تمہیں دیا ہے سکینہؑ نے کچھ پیام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سن کے نام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

۲۲۳

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
اس سوکھے سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علیؑ کا لال
بھیا مدد کو آئے ہیں اب شیرِ ذوالجلال
رخ کیوں ہے زرد کونسی ایذا گذرتی ہے
کیوں دم بہ دم کراہتے ہو کیا گذرتی ہے

۲۲۴

گودی میں ہے مری دمِ آخر تمہارا سر
اور یا شقی جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
گذرے گی ہم پہ جو تمہیں اس کی بھی ہے خبر
سینہ پہ ہوگا تیغ لیے شمرِ بدگہر
شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

۲۲۵

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ کے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے
پرخوں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

۲۲۶

اکبرؑ نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
منھ تو اُٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
وا حسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

۲۲۷

اے میرے شیر صف شکن اے میرے نوجوان
شیر خدا کا آج جہاں سے مٹا نشان
پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جان
نیتوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹا کے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

۲۲۸

آتے ہی بھا گئی تھی ترائی کی جا تمھیں
بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمھیں
اللہ کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمھیں
آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمھیں
اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے
بھیا ہوا نہ سرد میں اب سوزِ جبین سے

۲۲۹

قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم
کیا خوب ہو اگر یہیں نکلے ہمارا دم
کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے ہے ستم
الفت یہ چاہتی ہے کہ قبریں بھی ہوں بہم
روئیں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں
ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

۲۳۰

آئی صدا یہ حضرت خاتون روزگار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں نثار
ہے ہے جہاں سے اُٹھ گیا ایسا وفا شعار
میرا پسر ہے آج سے عباسؑ نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پُرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

۲۳۱

داری تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر
چلّائے تب یہ رو کے شہنشاہ بحر و بر
ایسا نہ ہو نکل پڑے زینبؑ برہنہ سر
آناں کر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گذر گیا
بازو ہمارا تھا جو وہ والا تو مر گیا

۲۳۲

اکبرؑ سے پھر کہا کہ علم خاک سے اُٹھاؤ
بیوہ ہوئی پھوپھی اُسے پُرسا دو خاک اُڑاؤ
پُرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے آؤ
بیٹا چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے
کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

۲۳۳

اکبرؑ یہ شہ سے سن کے جو روئے بہ صد بکا
ناگاہ آئی در سے سکینہؑ کی یہ صدا
تڑپے اک آہ کر کے شہنشاہِ کربلا
بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عمو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گذر گئے

۲۳۴

فرما کے یہ زمیں سے اُٹھے شاہ انس و جاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں
رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
سر پیٹ کے سکینہؑ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں مجھے کچھ سوجھتا نہیں
ہے ہے علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں

۲۳۵

ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمو کدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گذر گئے
مجھ کو بتا دیا نہ وہاں کا جدھر گئے
پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت الٹ گئی

۲۳۶

غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے
اے ابن فاطمہؑ کے مددگار ہائے ہائے
اے نور چشم حیدرؑ کرار ہائے ہائے
اے فوج شہ کے جعفرؑ طیار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دل دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہؑ نے خاک پر

۲۳۷

حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہ باکرم
جن سے جدا نہ ہوتے تھے کھو آئے ان کو ہم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

۲۳۸

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا ہزار حیف
چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا ہزار حیف
اُمت نے میرے باغ کو لوٹا ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سرو باغ علیؑ کو قلم کیا

۲۳۹

زیر علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
دنیا سے کھو گئے مجھے عباسؑ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نور نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

۲۴۰

ناگہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو
آئی ہے تیرے پرسے کو زہراؑ کشادہ مو
زانو پہ تھا مرے سر عباسؑ نیک خو
بی بی بس اب حسینؑ کو رو کر رلا نہ تو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے
اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

۲۴۱

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے
اب رخصت حسین علیہ السلام ہے
تم میں شریک روح رسولِ انام ہے
چہلم کی مجلسوں کا بھی آج اختتام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۲۴۲

آگے تمھارے مر گئے جو عباسؑ باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا
پرسا نہ دیتے سبط رسول خدا کو کیا
زہراؑ بھی ننگے سر ہے قیامت کی ہے یہ جا
سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

۲۴۳

کہہ کہہ کے ہائے حضرت عباسؑ خاک اڑاؤ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے زمیں پہ پچھاڑیں کھاؤ
پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشک خوں بہاؤ
پرسا پسر کا فاطمہؑ زہرا کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو
رخصت کرو حسینؑ علیہ السلام کو

اے بے دیار بے سر و سامان الوداع اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع	۲۴۴	اے بنتِ مصطفٰے کے دل و جان الوداع اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے		جبتک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے
مولا ضریح پاک پہ بلوائیے شتاب رہ جائے گی ہوس جو دیا زیست نے جواب	۲۴۵	اب ہجر کی انیسؔ کے دل کو نہیں ہے تاب خاکِ شفا ملے مجھے یا ابنِ بو تراب
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے		حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بُو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں

بہت زال دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گذارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدّ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفٰے
فرشتے کا جس جا گذارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اُتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

رُباعی

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزارِ نجف میں مدح خواں ہو گا انیسؔ
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

مرثیہ

ہے شور آمد آمدِ حُر فوجِ شاہ میں — ہر اک جوان خوش ہے حسینی سپاہ میں
زہرا کی روح منتظرِ حُر ہے راہ میں — زینب دعائیں دے رہی ہیں خیمہ گاہ میں
اللہ رے مرتبے حُرِ قدسی سرشت کے — حوروں نے وا کیے ہیں دریچے بہشت کے

۲

غل قدسیوں میں ہے کہ خوشا حر ہے شرف — دیکھو تو کس طرف سے یہ آتا ہے کس طرف
حامی ہیں فاطمہ تو مدد پر ہیں شاہِ نجف — محبوبِ کبریا کی صدا ہے کہ لا تخف
اب نعمتیں ہیں گلشنِ عنبر سرشت کی — دیتے ہیں خضر حُر کو بشارت بہشت کی

۳

ہاتف کی ہے صدا کہ مبارک ہو وصلِ حور — جنت بہت قریب ہے دوزخ بہت ہے دُور
حاضر ہو جلد دیر سے ہیں منتظر حضور — لے قصرِ خلد اب کہ بحل ہو گئے قصور
قربِ حبیب حضرتِ داور نصیب ہو — دستِ علیؑ سے ساغرِ کوثر نصیب ہو

۴

ہیں جس طرف حسینؑ وہ راہِ نجات ہے — ظلمت یہ کفر کی ہے وہ آبِ حیات ہے
ہے پاس دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے — دُنیا کو چھوڑ کون بڑی کائنات ہے
ایسا نہ ہو کہ فوجِ عدو میں ہلاک ہو — دریا سے جا کے مل کہ گناہوں سے پاک ہو

۵

ہے جزو و کل پہ قبلۂ عالم کا اختیار — مختارِ کارخانۂ حق ہیں وہ نامدار
ہے ان کے ہاتھ میں قلمِ عفوِ کردگار — بخشائیں وہ جو لاکھ ہوں تجھ سے گنہگار
اب نورِ عینِ فاطمہ تیرا شفیع ہے — ڈرتا ہے کیوں حسینؑ کا دامن وسیع ہے

۶

فیاضِ خلد نام ہے اُس بادشاہ کا — حیدر کا علم خلق رسالت پناہ کا
کیا ذکر اُس جناب میں تیرے گناہ کا — مالک ہے وہ جہان کے سفید و سیاہ کا
کس روز صبحِ شامِ غریباں نہ ہو گئی — مشکل پڑی وہ کس پہ جو آساں نہ ہو گئی

۷

وجہِ قبول توبہ آدم ہے ان کا نام — یہ قیدِ چاہ میں مہِ کنعاں کے آئے کام
حامی کلیم کے تھے یہی اس میں کیا کلام — جن پر درود بھیجے یہ وہ ہیں والسلام
ان کے عدو کو راحتِ دنیا و دیں نہیں — حامی جو یہ نہ ہوں تو ٹھکانا کہیں نہیں

۸

صحت کی آبرو ہیں مرض کی دوا ہیں یہ — ہادی ہیں یہ امام ہیں یہ مقتدا ہیں یہ
خورشید آسمانِ سخا و عطا ہیں یہ — سب روشنی انھیں کی ہے نورِ خدا ہیں یہ
رنجِ لحد سے اپنے محب کو بچاتے ہیں — ہفتاد بار قبر میں مومن کی آتے ہیں

۹

یہ خانۂ کرم ہیں یہ رحمت کے باب ہیں — مانندِ خضر ہادیِ راہِ ثواب ہیں
جانِ رسول ہیں خلفِ بوتراب ہیں — ذرّے کو کر دیں مہر یہ وہ آفتاب ہیں
مانندِ سجدہ رشتۂ ایماں قوی کرے — دانا وہ ہے امام کی جو پیروی کرے

۱۰
جس کام میں ہو شر بشر اس سے جدا رہے
دنیا لئے فیض حق سے صدا آشنا رہے
لازم ہے امر خیر کہ راضی خدا رہے
آئینہ دار صاف رہے بے ریا رہے
گر ہو تو حق پرست کے دامن پہ ہاتھ ہو
ساتھ اس ولی کا دے کہ خدا جس کے ساتھ ہو

۱۱
جو مرد ہیں جہاں میں وہ مرتے ہیں نام پر
ہے تین دن سے فوج کا نرغہ امام پر
دیں دار جان دیتے ہیں عقبیٰ کے کام پر
قربان ہو حسین علیہ السلام پر
انسان کھو کے وقت کو پاتا نہیں کبھی
جو دم گذر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی

۱۲
یہ صف کشی یہ وقت یہ ہنگام پھر کہاں
گر صاحب یقیں ہو تو یہ نام پھر کہاں
یہ صورتیں یہ لشکر اسلام پھر کہاں
دن ڈھل گیا تو شاہ خوش انجام پھر کہاں
دنیا میں نور چشم نبی کو نہ پائے گا
ان میں سے بعد عصر کسی کو نہ پائے گا

۱۳
فرط خوشی سے یاں شہ دیں کو نہیں قرار
اکبر سے مسکرا کے یہ کہتے ہیں بار بار
خود چند گام بڑھتے ہیں اٹھتا ہے جب غبار
آتا ہے میہماں مرے گھر میرا دوستدار
ایسے کی پیشوائی کو جانا ثواب ہے
لاکھوں بدوں میں نیک ہو جو انتخاب ہے

۱۴
لکھا ہوا ہے مصحف زہرا میں اس کا نام
ناجی ہے اس کے جرم بحل ہو گئے تمام
حر جری شہید جفا ناصر امام
روئیں گے اس جری کو محبت میں خاص و عام
کیوں کر رکھوں عزیز نہ اس خوش خصال کو
جس نے حسینؑ کے لئے چھوڑا عیال کو

۱۵
یاں کا تو ہے یہ حال سنو اس طرف کا رنگ
چلوں سے ہیں ملائے ہوئے اہل کیں خدنگ
فوج امیر شام ہے سب مستعد بہ جنگ
غل ہے کہ ہاں لڑائی میں اب کچھ نہیں درنگ
فوجیں لئے کمک کو رئیسان شام ہیں
پھل برچھیوں کے جانب فوج امام ہیں

۱۶
حر اک طرف کھڑا ہے مسلح نکو خموش
بھائی کا ہے خیال نہ کچھ ہے پسر کا ہوش
پیچھے ہیں دو ہزار جوانان درع پوش
آنکھوں میں اشک دل میں محبت کا شہ کی جوش
انجام کا خیال ہے ایماں کا درد ہے
رعشہ تمام جسم میں اور رنگ زرد ہے

۱۷
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے کہتا ہے آہ آہ
میرے سبب سے ہائے یہ سیدؑ ہوا تباہ
کیوں مصطفےٰ کے لال کی روکی میں نے راہ
نفرین فاطمہؑ سے بچا مجھ کو یا الٰہ
محجوب ہوں خجل ہوں شہ مشرقین سے
کیا جانتا تھا میں کہ لڑیں گے حسینؑ سے

۱۸
بڑھ کر اگر کماں میں کوئی جوڑتا ہے تیر
یہ کیا خطا ہے دور ہو او سرکش و شریر
کہتا ہے تیر تول کے شمشیر بے نظیر
حیدر کا نور چشم ہے کونین کا امیر
کیا پاس کچھ نہیں دل و جان بتولؑ کا
بے درد چھد نہ جائے کلیجہ رسولؑ کا

۱۹

جب شمر نے سنے سخنِ حُرِ حق شناس
گھبرا کے وہ گیا عمرِ بے حیا کے پاس
کی عرض اے امیر نہایت ہوں بے حواس
لشکر میں ہے فساد مجھے فتح سے ہے یاس
وہ فکر کر کہ فوج کا کچھ بند و بست ہو
آپس میں لڑ مرے تو غضب کی شکست ہو

۲۰

سادات پر ابھی نہ ستم تھا نہ ظلم و جور
بے طور کچھ مجھے نظر آتا ہے حُر کا طور
غصہ ہے تھرتھراتا ہے تو دیکھ لے بغور
ثابت ہوا مجھے کہ ارادہ ہے اُس کا اور
سب ایک دل ہیں قتل شہِ مشرقین پر
وہ اپنی جان دیتا ہے نامِ حسینؑ پر

۲۱

حُر درپئے فساد ہے لشکر میں اے امیر
کہتا ہے بے خطا ہے شہِ آسماں سریر
ہیں اس کی سرکشی سے کماں دار گوشہ گیر
چلّے میں جوڑنے نہیں دیتا کسی کو تیر
رُخ اس کا پھر گیا ہے ہماری سپاہ سے
وہ جا ملے گا سبطِ رسالت پناہ سے

۲۲

اس کو نہ تیرا پاس نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
بپھرا کھڑا ہوا ہے الگ مثلِ شیرِ نر
بیٹے سے دم بدم ہے اشارہ کہ اے پسر
ہے جنت النعیم اِدھر اور اُدھر سقر
اب یاں رہیں کہ سوئے شہِ بحر و بر چلیں
عاقل اگر ہے تو تو بتا دے کدھر چلیں

۲۳

سنتے تھے سب جو بھائی سے اس نے کیے کلام
کہتا تھا نورِ عینِ علیؑ ہے مرا امام
غیر از حسینؑ مجھ کو نہیں ہے کسی سے کام
سچ کہتے ہیں اسی لئے ہے نوکری حرام
پانی کیا ہے بند امامِ سعید پر
دشمن ہے آلِ پاک کا لعنت یزید پر

۲۴

یہ سن کے ابنِ سعدِ لعیں کو ہوا ہراس
بولا بُلا تو لائے کوئی حُر کو میرے پاس
آیا عجب شکوہ سے حُرِ خدا شناس
غصے سے رنگ سرخ مگر مجتمع حواس
یہ غیض تھا عمر کی طلب سے دلیر کو
جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ میں شیر کو

۲۵

قبضے پہ ہاتھ اور زباں پر علیؑ کا نام
فرزند ارجمند بھی تولے ہوئے حسام
نیزہ لیے برادرِ حُر خجستہ کام
گرزِ گراں اُٹھائے ہوئے باوفا غلام
دھڑکا کہ دیکھیے پسرِ سعد کیا کہے
ایسا نہ ہو حسینؑ کو ظالم بُرا کہے

۲۶

خیمے سے دور تھا ابھی کچھ حُرِ نامور
غل یک بیک ہوا کہ برآمد ہوا عمر
بالائے فرق عکس چمکتا تھا چترِ زر
تینیں علم کیے تھے مصاحب اِدھر اُدھر
غرّہ تھا بے حیا کو ہجومِ سپاہ پر
سایہ ہزار ڈھال کا تھا رُو سیاہ پر

۲۷

غل تھا ہٹو بڑھو کا پیادوں میں بار بار
پیدل تھے ساتھ گھوڑوں سے اُترے ہوئے سوار
آگے تھے اہتمام میں دس بیس چوب دار
تھے پہلوان سلام کو باندھے ہوئے قطار
ظالم کے حکم میں سپہ شام و روم تھی
چاروں طرف سلامی کے باجوں کی دھوم تھی

۲۸
کہتا تھا شمر سے یہ بہ نخوت وہ خود پرست
کہہ دے درست ہو جو زمیں ہے بلند و پست
کھلوا نشان لڑائی کا ہو جلد بند و بست
دریا پہ جائیں اور جوانانِ تیز دست
آلِ نبیؐ کو تشنہ دہن ذبح کیجیو
گر پاس آبرو ہے تو پانی نہ دیجیو

۲۹
حاکم کے حکم سے کوئی ہو منحرف اگر
مجرم ہے جائے گا جو ادھر سے کوئی اُدھر
قطعی یہ حکم ہے کہ جدا کر بدن سے سر
بچے اسیر ہوئیں گے تاراج ہوگا گھر
حاکم ہوں میں سزا کا مجھے اختیار ہے
درہ ہے بیڑیاں ہیں اسیری ہے دار ہے

۳۰
تھرا رہے تھے سن کے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام
چیں بر جبیں قریب گیا حُر نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے ہو جس کو کام
چیں بر جبیں قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

۳۱
ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرِ نامور
کتنے جواں صفوں میں ہیں کتنے ہیں نہر پر
رن میں سوار تیرے رسالے کے ہیں کدھر
حُر نے کہا کہ اس کی مجھے کچھ نہیں خبر
دنیا میں زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
میں ہوں کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

۳۲
بولا وہ بے حیا کہ نہ برہم ہو اے جری
حُر نے کہا عزیز نہ سر ہے نہ افسری
اچھی نہیں یہ تند مزاجی یہ برہمی
میں وہ کروں گا جس میں ہو ایماں کی بہتری
کیا اس کا ساتھ جس کی اطاعت گناہ ہو
حاکم ہو یا رئیس ہو یا بادشاہ ہو

۳۳
کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہوں گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری دعا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی تو ہوگا سرفراز
دیر اس میں کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

۳۴
جو اس میں تیری رائے مجھے ہے وہی پسند
تھوڑے بہت ہیں یاورِ سلطاں یہ ارجمند
پانی تو تین دن سے ہے پردیسیوں پہ بند
پس جائیں گے اٹھائے سواروں نے جب سمند
لشکر میں یاں کچھ لاکھ دلاور جوان ہیں
واں ایک صف ہے جس میں بہتر جوان ہیں

۳۵
ان میں بھی چھوٹے چھوٹے ہیں کچھ طفل نونہال
کیا جانے دل میں سوچتے ہیں کیا شاہ خوش خصال
تلوار جن کے ہاتھ سے اُٹھے گی اور نہ ڈھال
رد کیں گے پہلوانوں کے حربے یہ خرد سال
فوجوں کے ریلے ہونگے جو دشتِ نبرد میں
دب جائیں گے سواروں کے گھوڑوں کی گرد میں

۳۶
آمادہ جنگ شاہ پہ ہیں سب جوان و پیر
کیوں برچھیاں حسین پہ پہلے چلیں کہ تیر
کہتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر
حُر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر
انساں کو اختیار ہے خود اپنے کام میں
مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام میں؟

۳۷

سوچے اگر تو عاقل و ہشیار ہے بشر
ہردم خدا کا یوں تو خطا وار ہے بشر
ایماں کا فیض ربِّ علا کی طرف سے ہے

ہے دوزخی جو شر کا طلب گار ہے بشر
شر ہو کہ خیر عاقل و مختار ہے بشر
شر اس طرف سے خیر خدا کی طرف سے ہے

۳۸

کتنے ہیں تشنہ رہتے ہیں حُبِّ علیؑ سے مست
کتنوں کی ہے جو فتح تو کتنوں کی ہے شکست
احوال مختلف ہے شقی و سعید کا

کتنوں نے دل سے تو کیا وعدۂ الست
کتنے ہوا پرست ہیں کتنے خدا پرست
عاشق کوئی حسینؑ کا کوئی یزید کا

۳۹

لے رائے نیک یہ ہے سمجھتے ہے اگر پسند
پانی مسافروں پہ بھی کرتا ہے کوئی بند
او سست عقل پاس بھی تجھکو کسی کا ہے

فرزند فاطمہؑ کو نہ ہو پہنچا کوئی گزند
واللہ بے قصور ہے وہ شاہِ ارجمند
مجرم بھی ہو اگر تو نواسا نبیؐ کا ہے

۴۰

نادم ہو دل میں منھ کو گریباں میں اپنے ڈال
توبہ کر اے امیرِ گروہِ جفا خصال
دنیا میں اک علیؑ کا یہی نورِ عین ہے

ایمان کس کے گھر سے ملا یہ نہیں خیال
محسن کُشی یہ کون سے مذہب میں ہے حلال
جو مصطفےٰؐ کی جان ہے یہ وہ حسینؑ ہے

۴۱

حاکم ہے حرمتِ شرفا چاہیئے تجھے
پردیسیوں پہ مہر و وفا چاہیئے تجھے
جو اپنے گھر میں آئے اسے گھیرتے نہیں

روحِ رسولِ حق سے حیا چاہیئے تجھے
امداد بندگانِ خدا چاہیئے تجھے
مہمان کے گلے پہ چھری پھیرتے نہیں

۴۲

مہماں بھی کون سا کہ رسولِ خدا کا لال
نے ملک جس کے پاس نہ دولت نہ زر نہ مال
کیا جانے یہ ستم تجھے کیوں کر پسند ہے

زہراؑ کی جان لختِ دلِ شیرِ ذوالجلال
سید عیال دار مسافر شکستہ حال
سولہ پہر سے آبِ رواں اس پہ بند ہے

۴۳

لالچ نہ کر حکومتِ رے کا خدا سے ڈر
اس شے سے آدمی کو سدا چاہیئے حذر
دنیا میں کیا خبر کہ رہے یا نہ تو رہے

کعبے کو ڈھا کے کوئی بناتا ہے اپنا گھر
جس کی طلب میں دولتِ ایماں کو ہو ضرر
وہ کام کر کے جا کہ سدا آبرو رہے

۴۴

انساں کو پاس حرمتِ اسلام چاہیئے
منعم کو مثلِ ابرِ کرم عام چاہیئے
فیضِ نجابتِ شہِ نامی نصیب ہو

عقبیٰ بخیر جس میں ہو وہ کام چاہیئے
گو صاحبِ نگیں نہ ہو پر نام چاہیئے
گر ہو تو پنجتن کی غلامی نصیب ہو

۴۵

کیا حاکمِ شقی کی محبت کا اعتبار
نامرد بد ترینِ جہاں تنگ روزگار
دن رات اس کو شغل شراب و غنا کا ہے

بدعہد و بد دغا و شقی و شراب خوار
دنیا پرست فاسق و بے دیں و بد شعار
شیطان کا مطیع ہے عادی زنا کا ہے

۴۶

باپ اس کا بھی ہمیشہ رہا برسرِ فساد
برسوں لڑا وصیِ علیؑ سے بہ صد عناد
بغضِ علیؑ میں بھول گیا تھا خدا کی یاد
خیبر سے بعد صلح تھا اظہارِ اتحاد
پہونچا لیے رنج قبر میں خیرالانام کو
دلوا کے زہر جان سے مارا امام کو

۴۷

یہ تشنہ لب حبیبِ الٰہی کا ہے حبیب
گریہ نہ ہو سکے تو نجف یاں سے ہے قریب
تو ساتھ اس امام کا دے تو زہے نصیب
مہلت بس اتنی دے کہ نکل جائے یہ غریب
لایا تھا گھیر کر میں شہِ مشرقین کو
پہونچا بھی آؤں قبرِ علیؑ پر حسینؑ کو

۴۸

محروم ہی رہا ہے سدا قاتلِ امام
دوزخ میں ابنِ ملجمِ ملعوں کا ہے مقام
ہے منتقم بھی کوئی کہ لے گا وہ انتقام
بے لعن طعن بھی کوئی لیتا ہے اس کا نام
مردود تھا یہ دونوں جہاں میں پکار ہے
آتش کے گرز پڑتے ہیں لعنت کی مار ہے

۴۹

سنتا ہے گر تو قبلۂ عالم سے جلد مل
میں بے تقیہ کہتا ہوں سن لے بگوشِ دل
ورنہ رہے گا احمدِ مرسل سے منفعل
جاتا ہوں دیکھ جاتا ہوں آقا کے متصل
چھوڑا کنشت صاحبِ مسجد کے ساتھ ہوں
تیرا شریک اب نہیں سید کے ساتھ ہوں

۵۰

یہ سن کے ہو گیا پسرِ سعدِ شوم تنگ
بولا کہ ہر خیال سے مجھ سے کرے گا جنگ
غصے سے اور تیرہ ہوا تیرہ رو کا رنگ
ہوتا ہے حاکموں سے یہی گفتگو کا رنگ
نامِ حسینؑ منھ سے نہ اب بار بار لے
کہدوں کہ کوئی تن سے ترا سر اتار لے

۵۱

کیا جانتا نہیں کہ ہے اس نام سے عناد
حاکم سے دل بھرا ہوا اور دل سے اعتقاد
دشمن سے کیسی دوستی اور کیسا اتحاد
ایسی سزا ملے گی کہ برسوں کرے گا یاد
جانے دے جان جائے گی جانے میں کد نہ کر
اچھا یہی ہے گر تو کسی کی مدد نہ کر

۵۲

لڑ لیں گے ہم حسینؑ سے کیا تیری احتیاج
نعلینِ پائے سر کو سمجھتا ہے سر کا تاج
آلِ نبیؐ کے خون کے دریا بہیں گے آج
محتاج ہیں وہ آپ کدھر ہے ترا مزاج
زحمت اٹھا کے زیور و زر لینے آئے ہیں
کوسوں سے یاں حسینؑ کا سر لینے آئے ہیں

۵۳

بے قتلِ ابنِ فاطمہؑ آسودگی محال
دم میں کریں گے باغِ محمدؐ کو پائمال
لوٹیں گے گھر علیؑ کا ملے گا متاع و مال
پیاسا شہید ہوگا رسولِ خدا کا لال
ہوں گی علیؑ کی بیٹیاں بلوائے عام میں
بندی نبیؐ کی آل کی جائے گی شام میں

۵۴

فرزندِ فاطمہؑ کی رفاقت سے کیا حصول
جل جاؤں گا کریں گی اگر بد دعا بتول
حر نے کہا کہ دولتِ خوشنودیِ رسولؐ
تیور بدل کے مجھ کو ڈراتا ہے اے جہول
گر نامِ نامیِ اسدِ ذوالجلال لوں
انساں کو کیا ہے شیر کی آنکھیں نکال لوں

۵۵

بھولا ہے اپنی فوج کی کثرت پہ تند خو
کیا تیری اصل کیا ترا منھ او سیاہ رو
نامرد میرے سر کو اُتارے گا تن سے تو
جرار بادشاہوں سے کرتے ہیں گفتگو
کیا ڈر مجھے پسند ہو یا ناپسند ہو
میں حق پہ ہوں زباں مری کس طرح بند ہو

۵۶

کہتا ہوں بار بار نہ لے شاہِ دیں کا نام
تو بندہ ہے یزید کا میں خادمِ امام
میں حرزِ جاں سمجھتا ہوں نامِ شہِ انام
ہو لے گا نزع میں بھی زباں کو اسی سے کام
نامِ حسین دوست کو پیارا ہے جان سے
اس نام کا مزا کوئی پوچھے زبان سے

۵۷

لعنت ترے یزید پہ کرتا ہوں برملا
اتنوں میں مجھ پہ ہاتھ تو ڈالے کوئی بھلا
کہہ دے جو ہو کوئی ترے لشکر میں منچلا
کر دوں لہو سے لال بیابانِ کربلا
خالق مدد کرے گا مطیعِ امام ہوں
فوجیں بھگائیں جس نے میں اس کا غلام ہوں

۵۸

تو کیا لڑے گا لال سے حیدر کے اے شریر
وہ شیر ہیں جنھوں نے پیا فاطمہ کا شیر
جب کچھ کڑی پڑی ہے تو بھاگے ہیں تیرے پیر
واں کا نہ اک جواں نہ ترا لشکرِ کثیر
چھوڑا ہے سیدوں نے کہیں آن بان کو
اٹھیں جو آستیں تو اُلٹ دیں جہان کو

۵۹

عقبیٰ خراب ہوتی ہے فوجِ ستم کے ساتھ
حرمت ہے اب عیال کی اہلِ حرم کے ساتھ
ہے سر مرا شہِ دو جہاں کے قدم کے ساتھ
میں حشر میں بھی ہوں گا امامِ اُمم کے ساتھ
چھوٹے گا روح سے بھی نہ مدفن حسین کا
ڈھونڈھے گی میری خاک بھی دامن حسین کا

۶۰

ہو قطع یہ زباں تری او دشمنِ امام
واجب ہے مثلِ کعبہ اسی گھر کا احترام
لیتا ہے تو اسیریٔ بنتِ علیؑ کا نام
خاموش بے ادب کہ ادب کا ہے یہ مقام
بلوے میں قید دخترِ شیرِ الٰہ ہو
ویران شہرِ شام ہو کوفہ تباہ ہو

۶۱

نظارہ خوب آگ کا یا لالہ زار کا
کیا امتیاز فرق ہو جب نور و نار کا
بلبل نے گل کا ساتھ دیا ہے کہ خار کا
میں دوست پنجتن کا ہوں تو نابکار کا
سمجھا ہے تو ثواب جسے وہ گناہ ہے
تیری ہے اور راہ مری اور راہ ہے

۶۲

کیوں کر نہ پاسِ خسروِ جنّ و ملک کروں
کہلاؤں حُرِ جنت جو پاسِ نمک کروں
کافر ہوں گر حسینؑ کے رتبے میں شک کروں
بے کس کا ساتھ چھوڑ کے تیری کمک کروں
مرتا ہوں منھ کو قبلۂ عالم سے موڑ کر
مسکن بناؤں دیر میں کعبے کو چھوڑ کر

۶۳

وہ عاشقِ حسین یہ کہتے ہی بس چلا
روکا کیے بہت پہ کسی کا نہ بس چلا
لشکر دعائے فاطمہؑ کا پیش و پس چلا
صرصر بھی پیچھے رہ گئی کچھ یوں فرس چلا
دل جل گیا دماغ میں وہ بو جو چھا گئی
ٹھنڈی ہوا بہشت کے گلشن کی آ گئی

۶۴
پڑھ کر درود کہنے لگا حُر نیک خو
وصلِ علی یہ ہے چمنِ فاطمہ کی بو
وہ راہ مل گئی مجھے تھی جس کی آرزو
گھوڑوں سے اب اُتر کے چلو شہ کے روبرو
محسن ملا حسینؑ سا احساں خدا کا ہے
ہاتھوں کو باندھو سامنا مشکل کشا کا ہے

۶۵
یہ کہہ کے راہواروں سے اُترے وہ خوش سیر
گھوڑوں پہ سب نے رکھ دئیے ہتھیار کھول کر
باندھے جو ہاتھ کھل گیا باغ ارم کا در
پڑھ کر حسب جری یہ پکارا بہ چشم تر
اے شاہ جو غلام کو آنے کی راہ دو
صدقہ محمدؐ عربی کا پناہ دو

۶۶
امداد کا مقام ہے یارو مدد کرو
مضطر ہوں اے نماز گزارو مدد کرو
شیرِ خدا کے شیر کے پیارو مدد کرو
اے عرش کبریا کے ستارو مدد کرو
دیں پر دُر و ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
عاصی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لو

۶۷
لازم ہے رہبری کہ میں گم کردہ راہ ہوں
برسوں ہوئے کہ دشتِ خطا میں تباہ ہوں
رحمت کے تم محیط ہو میں پُر گناہ ہوں
کس منھ سے نام عفو کا لوں روسیاہ ہوں
ڈالا تھا ہاتھ کیوں شہِ والا کی باگ میں
میری یہی سزا ہے کہ جلوا دو آگ میں

۶۸
ڈرّے لگاؤ تن پہ کرو مجھ کو سنگسار
راضی ہوں کھینچ دو جو شکنجے میں جسمِ زار
پھکوا دو تن سے کاٹ کے دستِ گناہ گار
پامال کر دیں لاش کو لشکر کے سب سوار
رسّی بندھی ہو پاؤں میں اور تن پہ سر نہ ہو
یہ سب قبول ہے یہ عذابِ سقر نہ ہو

۶۹
میں یوں نہ جاؤں گا مجھے ہمراہ لے چلو
راضی ہوں خواہ قتل کرو خواہ لے چلو
مجرم کو پیش سیدِ ذی جاہ لے چلو
رسّی گلے میں باندھ کے للہ لے چلو
ارماں ہے صدقے ہونے کا حسرت نکال دو
سر کاٹ کے حسینؑ کے قدموں پہ ڈال دو

۷۰
رو دی یہ استغاثۂ حُر سن کے فوجِ شاہ
غل تھا عجیب صاحبِ ایماں ہے واہ واہ
اکبرؑ نے دی صدا کوئی روکے نہ اس کی راہ
اُترے فرس سے جلد شہنشاہِ دیں پناہ
مشتاق ہو کے دلبرِ زہراؑ رواں ہوا
قطرے کی پیشوائی کو دریا رواں ہوا

۷۱
پھیلا کے ہاتھ یاں سے بڑھے شاہ سرفراز
قدموں پہ حُر نے دوڑ کے رکھا سرِ نیاز
سر لے کے دونوں ہاتھوں پہ بولے شہِ حجاز
بھائی ترے لئے درِ خلدِ بریں ہے باز
تو شرمگیں ہے کس لئے میں شرمسار ہوں
اٹھ کر گلے تو مل کہ بہت بے قرار ہوں

۷۲
دریافت کر لے دیر سے میں دیکھتا تھا راہ
میدان سے پھری نہیں اب تک مری نگاہ
ڈرتا تھا کہ گھیر لے نہ تجھے شام کی سپاہ
میری تجھی میں جان تھی اے میرے خیر خواہ
موجود رہبری کو خضر وقت پاس تھے
گو دور تھا حسینؑ علیؑ تیرے پاس تھے

۷۴
کیوں ہاتھ کس کے باندھے ہیں ہوتا ہوں میں خجل
واللہ تجھ سے صاف ہے ابن علیؑ کا دل
اے بھائی دل کو کھول کے مجھ سے گلے تو مل
جو کچھ ترے قصور تھے سب ہو گئے بحل
کیوں تجھ کو اتنی دہشت نار جحیم ہے
بھائی خدا کی ذات غفور و رحیم ہے

۷۵
کیسا ہی پُر گناہ ہو عبد سیاہ رو
کافی بہانا اشک کا ہے اے خجستہ خو
توبہ کے بعد اس کی بر آتی ہے آرزو
ہے رحمت خدائے دو عالم بہانہ جو
ناجی ہے اس کی راہ میں جو خاک ہو گیا
دریا سے جو قریب ہوا پاک ہو گیا

۷۶
اے حُر مقربان خدا ہیں ترے کفیل
تو ذی شرف جو ہے شرفا ہیں ترے کفیل
حیدرؑ جدا رسولؐ جدا ہیں ترے کفیل
شاہد ہوں میں کہ سب شہدا ہیں ترے کفیل
تو ہولے اور گلشن جنت کی سیر ہو
میری بھی یہ دعا ہے کہ عقبیٰ بخیر ہو

۷۷
یہ کہہ کے کھولے شاہ نے اس باوفا کے ہاتھ
حُر جری نے چوم لیے مقتدا کے ہاتھ
اور اس کی مغفرت کی دعا کی اٹھا کے ہاتھ
شہ بولے آبرو ہے تری اب خدا کے ہاتھ
جاری ہے فیض خالق ربّ جلیل میں
حصّہ ترا ہے خلد میں اور سلسبیل میں

۷۸
جان آئی تن میں حُر کے جو دیکھا یہ شہ کا پیار
ہو آبرو دوچند جو صدقے ہوں لاکھ بار
رو کر کہا غلام اِس الطاف کے نثار
تو آفتاب فیض ہے اے نور کردگار
قربان یا حسینؑ ترے حُسن پاک کے
پرتو سے مہر کر دیا ذرے کو خاک کے

۷۹
ہمراہ لے کے حُر کو چلے سیّد اُمم
تھامے تھے حُر کے ہاتھ کو اکبرؑ یہ ہے کرم
عباسؑ باوفا نے کیا سایۂ علم
قدسی درود پڑھ کے یہ کہتے تھے دم بہ دم
دیکھو رسولؐ حق کے نواسے کی شان کو
لاتا ہے کس خوشی سے سخی میہمان کو

۸۰
داخل ہوا جو لشکر دیں میں وہ باوفا
تھا ہر زباں پہ نعرۂ تحسین و مرحبا
لپٹے گلے سے حُر کے جوانان مہ لقا
غل تھا خوشا نصیب زہے طالع رسا
بھائی کرم سے حضرت شبیرؑ کہتے ہیں
بخت اس کو کہتے ہیں اسے تقدیر کہتے ہیں

۸۱
ناگاہ تیر چلنے لگے اس سپاہ سے
مانگی رضائے حرب رفیقوں نے شاہ سے
دشت نبرد ہل گیا زہراؑ کی آہ سے
کی حُر نے عرض قبلۂ عالم پناہ سے
مولا ابھی کسی کو نہ اذن وغا ملے
پہلے نئے غلام کو رن کی رضا ملے

۸۲
شہ نے کہا کہ واہ یہ جلدی یہ شوق جنگ
چلنے دے تیر کیوں متغیر ہے تیرا رنگ
تیرا فراق شیشۂ دل کے لیے ہے سنگ
جانے میں عجلت اس قدر آنے میں وہ درنگ
دشوار ہے یہ زخم تبر برچھی کی نوک کے
جانا یہاں سے سہل نہیں ہم کو روک کے

۸۳

جی بھر کے تجھ کو دیکھ تو لیں اے وفا شعار
آنے میں تیرا شوق تھا اے میرے دوستدار
دُنیا میں زندگی کا بھلا کیا ہے اعتبار
اَب یاں سے جانے دینے میں ہے ہم کو اختیار
پہلے کا ذکر اب نہیں وہ بات اور تھی
یہ صحبت اور ہے وہ ملاقات اور تھی

۸۴

ہنس ہنس کے آپ نے جو کہے مجھ سے یہ کلام
کی عرض جانے دیجیے مجھے سوئے فوج شام
پھر جھک گیا قدم پہ وہ جرار نیک نام
آقا اسی میں اب ہے سرافرازیٔ غلام
دل کو یہ آرزو ہے کہ زخموں سے چور ہوں
عزت ہو گر ہراول فوج حضور ہوں

۸۵

حوریں بہشت سے مجھے دیتی ہیں یہ صدا
دنیا میں غیر رنج و مصیبت ہے اور کیا
اے میہمان حسینؑ کے جنت میں جلد آ
دیکھ آن کر یہ باغ یہ انہار یہ فضا
پانی یہاں کا پی کے وہ لذت اٹھائے گا
دُنیا کی نعمتوں کا مزا بھول جائے گا

۸۶

دعوت کریں گے آج تری شبر کردگار
حاضر ہیں خوان نعمت فردوس بے شمار
جلد آ محمدؐ عربی کو ہے انتظار
آراستہ ہے قصر ترا اے وفا شعار
ہم ہیں نثار کو طبق زر لئے ہوئے
زہراؑ کھڑی ہیں ساغر کوثر لیے ہوئے

۸۷

فرمایا شاہ نے یہی مرضی ہے گر تو خیر
خالق تجھے نصیب کرے اُس چمن کی سیر
ہے تلخ زندگی کا مزا دوست کے بغیر
بھائی حسینؑ تجھ کو سمجھتا نہیں ہے غیر
تیری مفارقت میں نہایت ملال ہے
اللہ جانتا ہے جو کچھ دل کا حال ہے

۸۸

اس خانداں کے فیض سے واقف ہیں خاص و عام
بچے تمام رات تڑپتے ہیں بے طعام
اور ہم نہ دے سکے تجھے پانی کا ایک جام
اب تجھ سے کیا کہوں علیؑ اصغر ہے تشنہ کام
طوفاں میں ہے جہاز جناب امیر کا
بے دودھ کنٹھ بیٹھ گیا ہے صغیر کا

۸۹

میں کیا کہوں جو کچھ ہے سکینہؑ کو اضطراب
ننھی زباں دکھا کے جو کہتی ہیں آب آب
معصوم بھوک پیاس کو روئیں کہاں یہ تاب
ہوتا ہے سوزِ غم سے کلیجہ مرا کباب
مضطر ہوں گرچہ سن کے یہ سب شور و شین کو
یہ سب سے شاق ہے تری فرقت حسینؑ کو

۹۰

یہ کہہ کے لپٹے حُر سے شہِ آسماں وقار
مہماں کے غم میں قاسمؑ و اکبرؑ تھے اشکبار
رونے پہ شہ کے روتے تھے سارے رفیق و یار
بیتاب تھے حبیب علمدار بے قرار
باہر جو غل تھا رخصت مہمان شاہ کا
سیدانیوں میں شور تھا فریاد و آہ کا

۹۱

لپٹے ہوئے غلام سے چلّاتے تھے یہ شاہ
اے بے کسوں کے دوست غریبوں کے خیر خواہ
مارا حسینؑ کو تری فرقت نے آہ آہ
فرزند فاطمہؑ کو نہ بھولے گی تیری چاہ
مہماں ہوا حسینؑ کا اس رنج و یاس میں
فاقہ کشوں کا ساتھ دیا بھوک پیاس میں

۹۲

ناگاہ نکلی خیمہ سے فضہ بہ اضطراب
کی عرض یا امام دو عالم فلک جناب
چادر قدم تک اور رُخ پاک پر نقاب
کہتی ہے بیبیاں کو دُعا بنتِ بوتراب
اُن کا یہی ہے کام جو خوش اعتقاد ہیں
زہرا کی ہوں بیٹیاں سب اُس سے شاد ہیں

۹۳

فرمایا ہے کہ اے مرے بھائی کے خیر خواہ
ہے کیا ارادۂ پسر سعد رو سیاہ
چڑھ آئی ہے حسینؑ پہ کیوں شام کی سپاہ
اللہ جانتا ہے کہ سیدؑ ہے بے گناہ
بستی محمد عربی کی اُجڑ نہ جائے
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ نہ جائے

۹۴

حُر نے سنے یہ حضرتِ فضہ کے جب کلام
کی عرض اے کنیز بتولِ فلک مقام
ڈیوڑھی کی سمت جھک گئے ادب سے کیا سلام
پھر جا کے اس گروہ کو سمجھائے گا غلام
ہے یہ دعا کہ صلح سپاہِ عدو کرے
آلِ نبیؐ سے مجھ کو خدا سرخرو کرے

۹۵

یہ عرض کر کے شیر نے کھینچا فرس کا تنگ
چہرہ ہوا فروغِ شجاعت سے لالہ رنگ
چڑھتے ہی مثل برق لگا کوندنے سرنگ
سینے میں الفتِ شہِ دیں دل میں شوقِ جنگ
پرتو جو پڑ گیا تھا امام غیور کا
جلوہ تھا روئے پاک پہ ایماں کے نور کا

۹۶

کیا خوش نما تھے دوش پہ شملے کے دو سرے
چتون وہ قہر کی تھی کہ لاکھوں میں گر پھرے
دیکھے جو حر کو حور تو گرد آن کے پھرے
دیکھے جدھر یہ غیظ سے بجلی اُدھر گرے
جاتا ہے یوں جہاد کو اہلِ نفاق سے
بلبل چمن میں جاتی ہے جس اشتیاق سے

۹۷

رہوار کی وہ شان سواری کا وہ سماں
وہ تیغ تیز دست جری میں کہ الاماں
سر پہ تو خود بر میں زرہ دوش پر کماں
بدلے سپر کے ساتھ دعائے شہِ زماں
ہم پنجہ کون ہو کہ یداللہ ساتھ ہیں
دستانوں سے عیاں تھا کہ لوہے کے ہاتھ ہیں

۹۸

یوں ہاتھ میں تھا نیزۂ خطی بہ کر و فر
سینہ کشادہ اور رگِ گل سی وہ کمر
اللہ کے ہو لفظ پہ جوں خنجری زبر
رشکِ غزال چشم مگر شیر کی نظر
رخسار تھے کہ پھول ہوں جیسے کھلے ہوئے
پلکوں کی صف کھلی ہوئی ابرو ملے ہوئے

۹۹

پلکوں کے بال تیز و سیاہ و کج و دراز
چہرہ پہ رعبِ دین کی دولت سے سرفراز
ابرو میں سب کمان کا چم خم یہ راست باز
بگڑے کو یوں بنائے زہے شان کارساز
سینے میں زنگِ کفر جو تھا دور ہو گیا
نور خدا سے آ کے ملا نور ہو گیا

۱۰۰

پہونچا جو ہیں اڑا کے تگاور کو وہ دلیر
زور آوران فوج ہوئے اسکے ڈر سے زیر
نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا مثال شیر
نعرہ یہ تھا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر
بجلی گرے گی فوج پہ میری حسام سے
بڑھ کر لڑو امام اُمم کے غلام سے

۱۰۱

آقا مرا حسینؑ ہے کونین کا امیر
میں ابن فاطمہؑ کا ہوں اک بندۂ حقیر
یہ سن کے جوڑے تیرہ دلوں نے کماں میں تیر
کھینچی جری نے میان سے شمشیر بے نظیر
اک صاعقہ گرا کہ ضیا تا فلک گئی
ابر سیاہ شام میں بجلی چمک گئی

۱۰۲

غازی ادھر بڑھا کہ ادھر طاقتیں گھٹیں
سطر غلط کی طرح صفیں کی صفیں کٹیں
تلواریں منہ چھپانے لگیں برچھیاں ہٹیں
شاخیں نہال کفر کی سب یک قلم چھٹیں
رو پوش مرد مان جہاں دیدہ ہو گئے
ڈھالوں کے پھول برگ خزاں دیدہ ہو گئے

۱۰۳

غصے میں جس کو شیر نے ڈانٹا وہ مر گیا
زور دل پہ جو چڑھا تھا سر اس کا اتر گیا
آیا کبھی ادھر تو کبھی لڑتا ادھر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
سارے علم زمیں پہ گرے کانپ کانپ کے
تیغیں چھپی تھیں ڈھالوں میں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۱۰۴

ستو توں کے سر اڑا دیے ایک ایک وار میں
مارا اسے جری نے جسے پایا حصار میں
بیدل میں تھی نہ جان نہ دم تھا سوار میں
ٹوٹی ہوئی صفیں تھیں بھلا کس قطار میں
سرکش سے چھین لے جو نشاں اس کا نام ہے
نامردوں کا مارنا نہیں مردوں کا کام ہے

۱۰۵

لڑتا ہے وہ جو خاص غلام امام ہے
گرتی ہے برق شعلہ فشاں قتل عام ہے
بھاگیں کہاں سوار زرہ تن پہ دام ہے
تازی بھی زخمی ہو گئے ترکی تمام ہے
شعلے اٹھے ہیں آتش شمشیر تیز کے
دوزخ کھلا ہے بند ہیں کوچے گریز کے

۱۰۶

گرتی تھی تیغ حر جری جب مثال برق
پہونچوں سے ہاتھ اڑتے تھے اور گردنوں سے فرق
کوئی تڑپ رہا تھا کوئی تھا لہو میں غرق
کچھ اس میں اور برق میں تھا مطلقاً نہ فرق
ہر دم نئی تھی چال جدال و قتال میں
مشرق میں مغربی تھے جنوبی شمال میں

۱۰۷

پلٹی ادھر جگر سے تو سن سے ادھر چلی
عقدہ کو سر کے کھول کے سوئے کمر چلی
وہ دو ہوا یہ اور طرف خوں میں تر چلی
غوطہ لگا کے ماہی بحر ظفر چلی
کوندی جو مثل برق شرربار ہاتھ میں
دریا لہو کا پھیر گئی چار ہاتھ میں

۱۰۸

جس دل پہ تیغ حر دم جنگ و جدل گری
اس غول میں یہ غل ہوا برق اجل گری
جس صف پہ جب پڑے یہ گری برمحل گری
اک آن میں زمیں پہ وہ صف منہ کے بل گری
تھا قہر حق کا طور جری کی جدال میں
کشتوں کے پشتے ہو گئے دشت قتال میں

۱۰۹

خاروں سے کربلا کا چمن صاف کر دیا
جس سے خلش تھی دل کو وہ بن صاف کر دیا
جاروب بن کے تیغ نے رن صاف کر دیا
آئینۂ زمین و زمن صاف کر دیا
کس صف میں کس پرے میں گزر باد کا نہ تھا
کوسوں زمیں پہ فوج ستم کا پتا نہ تھا

۱۱۰

مانندِ ابر جس طرف آئی برس گئی
بجلی سی دم میں راس و چپ و پیش و پس گئی
ناگن کی طرح جب یہ گری اُس کو ڈس گئی
راکب کے سر پہ آئی تو زیرِ فرس گئی
الجھی نہ جوشنوں میں نہ پاکھر نہ زین میں
وہ خاک پر گرا یہ در آئی زمین میں

۱۱۱

قربان تیغِ حُر کی تراش و خراش کے
پھینکے زمیں پہ سیکڑوں نیزے تراش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
ثابت وہ عضو تھے کسی ظالم کی لاش کے
دستانوں کو اُڑا گئی ڈھالوں کی اوٹ میں
چار آئینہ کو چار کیا ایک چوٹ میں

۱۱۲

نعرہ تھا ہاں نکل کے کوئی نوجواں لڑے
پس پا نہوں میں آ کے جو شیرِ ژیاں لڑے
منظور جس کو ہو نئے مرد امتحاں لڑے
بھالے کے نکلیں ہاتھ سناں سے سناں لڑے
غیرت ہو جو کسی کو تو پھر کیا درنگ ہے
ہاں گو یہی ہے اور یہی میدانِ جنگ ہے

۱۱۳

سرکش بہت ہے شیث خطا پیشہ و شریر
سہما ہوا کدھر سے جوانوں سے گوشہ گیر
یہ بے رخی زہے قدر انداز بے نظیر
وہ ثانک کی کمان میں جوڑے تو کوئی تیر
دیکھیں تو کس نے فوج کے سرکش بھگا دیے
کتنے خدنگ کاٹ کے تودے لگا دیے

۱۱۴

بھالا چلا کے فوج سے اِک پہلواں بڑھا
بھالا بڑھا نہ تھا کہ حُر نوجواں بڑھا
مارِ سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
نعرہ کیا کہ او ستم آرا کہاں بڑھا
غازی نے طور جنگ کا اس کو دکھا دیا
مانندِ کلک نیزۂ خطی اُڑا دیا

۱۱۵

تیر و کماں کو لے کے بڑھا پھر وہ تیز دست
اللہ رے جری کی لڑائی کا بند و بست
آواز دی اجل نے کہ ہاں دے اسے شکست
بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
آ ہی گئی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے
چلّہ کماں سے کٹ گیا اور تیر خدنگ سے

۱۱۶

پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے
دو تین ہاتھ سیف کے حُر نے نکال کے
جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
پھل تیغ کا اُڑا دیا اور پھول ڈھال کے
دشمن پہ گر کے رک گئی ہے تیغِ اجل کہیں
قبضہ کہیں تھا تیغِ ستمگر کا پھل کہیں

۱۱۷

گرزِ گراں اُٹھا کے پکارا وہ نابکار
آیا تھا گرز متصلِ سر کہ ایک بار
اس ضرب کو تو روک تو اے مردِ نامدار
رد کر کے اس کا وار کیا حُر نے اپنا وار
بیٹھی جو ضرب تیغِ دلاور عمود پر
مثلِ خیار کاٹ کے صاف آئی خود پر

۱۱۸

رد کر کے خود کاسۂ سر تک اُتر گئی
تڑپی مثالِ برق جگر تک اُتر گئی
سر سے گلے کو کاٹ کے بر تک اُتر گئی
لے کر جگر کو صاف کمر تک اُتر گئی
زیں سے رکی نہ تنگ سے نے زیر بند سے
بوسہ دیا زمیں پہ اُتر کر سمند سے

۱۱۹

بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسؑ باوفا
معنی یہ جنگ کے ہیں اسے کہتے ہیں وغا
اے مرحبا حسینؑ کے غم خوار مرحبا
کرتے ہیں آپ قبلۂ عالم تری ثنا
لاکھوں کو دے شکست کسی کا جگر یہ ہے
واللہ فاطمہؑ کی دعا کا اثر یہ ہے

۱۲۰

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے وہ صفدرِ جری
سردار چاہتے ہیں غلاموں کی برتری
کیوں کر نہ آفتاب کرے ذرہ پروری
صدقہ حسینؑ کا ہے یہ جرأت یہ صفدری
مختار کائنات ہو عالم پناہ ہو
نعلین جس کے سر پہ رکھو بادشاہ ہو

۱۲۱

بس اتنی دیر تھم گئی جو تیغ بر قدم
نیزہ تو اس جری نے کیا تیغ سے قلم
مارا کسی نے سینے پہ اک نیزۂ ستم
لیکن جگر کے درد نے لینے دیا نہ دم
صدمے سے دم اکھڑ کے جو سینے میں رک گیا
بس یا حسینؑ کہہ کے وہ ہرنے پہ جھک گیا

۱۲۲

جھکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
نیزوں کے ساتھ تیر ہوئے پہلوؤں کے پار
سر پر تبر کمر پہ لگی تیغ آبدار
گھوڑے سے گر کے شہ کو پکارا وہ جاں نثار
خنجر کھنچے ہوئے ہیں اجل سر پہ آئی ہے
اے دلبرِ علیؑ دمِ مشکل کشائی ہے

۱۲۳

خادم جہاں سے جاتا ہے شاہا اب آئیے
دشمن ہیں سب غلام ہے تنہا اب آئیے
وقتِ اخیر ہے شہِ والا اب آئیے
مولا اب آئیے مرے مولا اب آئیے
زخمی رگیں جو کھنچتی ہیں صدمہ ہے جان پر
سختی اجل کی سہل کرو مہمان پر

۱۲۴

دوڑے یہ سن کے رن کی طرف شاہ مشرقین
تیرا یہ حال ہو تو کہاں میرے دل کو چین
بھائی نہ مضطرب ہو کہ حاضر ہوا حسینؑ
آئی صدا علیؑ کی کہ اے میرے نورِ عین
آتے ہیں آج حر کی ملک پیشوائی کو
کہہ دو کہ ہم بھی آتے ہیں مشکل کشائی کو

۱۲۵

آئی صدائے فاطمہؑ اے میرے نونہال
چلائی در سے خیمے کے زینبؑ بصد ملال
ماتم میں حر کے میں نے بھی کھولے ہیں سر کے بال
ڈیوڑھی پہ لاؤ لاشۂ حر اے علیؑ کے لال
زہراؑ کی بیٹیاں حرِ ذی شاں کو روئیں گی
سیدانیاں حضور کے بھائی کو روئیں گی

۱۲۶

پہنچے جو بھائی کے سرہانے امام پاک
حر نے سنی جو شاہ کی آواز دردناک
اک آہ کر کے گر پڑے حضرت بروئے خاک
قدموں پہ آنکھیں مل کے کہا روحی فداک
دیکھا جو وہ اٹا ہوا چہرہ غبار سے
زانو پہ سر کو رکھ لیا حضرت نے پیار سے

۱۲۷

پیوست تھا جو حلق میں ایک تیر پر ستم
رومال فاطمہؑ کا لئے تھے شہِ امم
زخمی گلے سے خون ابلتا تھا دم بہ دم
بھائی کے حلق پر اسے باندھا زہے کرم
ایسا کسی شہید کو رتبہ نہیں ملا
مرنے سے پہلے حلّۂ خلدِ بریں ملا

١٢٨
یوں بند ہو گیا تو یہ بولا وہ نامدار
رو کر کہا حبیب نے اے حر با وقار
اے نور چشم فاطمہ زہرا ترے نثار
دیکھا جناب قبلہ و کعبہ کا تو نے پیار
پہونچا دماغ عرش پہ اک مشت خاک کا
رومال ہے یہ فاطمہ کے دست پاک کا

١٢٩
حر نے کہا حبیب سے رو رو کے زار زار
منھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہ نامدار
صدقے کرو غلام کو آقا پہ ساکت بار
اے ناصر نبی و علی ہیں ترے نثار
کچھ ہو سکا نہ فاطمہ کے نور عین سے
بھائی تری وفا کوئی پوچھے حسین سے

١٣٠
ہچکی یہ کیسی آئی ہے اب کیا ہے دل کا حال
محبوب حق ادھر ہیں ادھر خیر ذو الجلال
حر نے کہا قریب ہے دنیا سے انتقال
اک بی بی پانیتی ہے کھڑی کھولے سر کے بال
یوں رو رہی ہے میرے تن پاش پاش پر
ماں جس طرح بلکتی ہے بیٹے کی لاش پر

١٣١
شہ نے کہا وہ بنت پیمبر ہیں نوحہ گر
اے حر ترے لئے مری مادر ہیں نوحہ گر
جعفر ہیں بے قرار تو شبیر ہیں نوحہ گر
خیمے میں اہل بیت کھلے سر ہیں نوحہ گر
الفت ہے جن کو تجھ سے وہ آنسو بہاتے ہیں
بچے بھی نام لے کے ترا بلبلاتے ہیں

١٣٢
مژدہ یہ سن کے چوم لیے شاہ کے قدم
مولا دعا پڑھو کہ نکلتا ہے تن سے دم
ہچکی جو آئی پھر تو یہ بولا بدرد و غم
رخصت ہے یا حسین چلے اب جہاں سے ہم
یہ کہہ کے آنکھیں پھیر دیں منکا بھی ڈھل گیا
دیکھا رخ حسین کو اور دم نکل گیا

١٣٣
زہرا پکاریں مر گیا ہے ہے حر جواں
عباس نامدار سے پھر یہ کیا بیاں
سر اپنا پیٹ پیٹ کے رو لئے شہ زماں
مہماں کی لاش لے چلو ڈیوڑھی پہ بھائی جاں
ماتم کی صف بچھے گی بہادر کے واسطے
بیٹھیں گے اہل بیت نبی حر کے واسطے

١٣٤
لاشہ اٹھا کے لے چلے عباس نامور
بستر شہ کے خیمے کے در پر بچشم تر
تھے ساتھ ساتھ سبط پیمبر برہنہ سر
آواز دی کہ اے حرم سید البشر
پا رو بس اب ملے گا نہ حر سا حسین کو
دو آ کے مہمان کا پرسا حسین کو

١٣٥
بے کس ہے یہ بہت کہ ہے بے کس کا میہماں
روئے گا اس کے غم میں جو با نالہ و فغاں
اہل و عیال ہیں نہ بہن اس کی ہے نہ ماں
دے گا جزا اسے خیر اسے رب دو جہاں
سر دے کے عزتیں مرے مہماں نے پائی ہیں
جنت سے فاطمہ اسے رونے کو آئی ہیں

١٣٦
زاری یہ سن کے سبط رسول انام کی
سر اپنا پیٹنے لگیں بہنیں امام کی
صف بچھی ماتم حر عالی مقام کی
اور بیٹیاں بھی رونے لگیں شہ تشنہ کام کی
برپا تھا حشر حر کے تن چاک چاک پر
بچے ذرا ذرا سے تڑپتے تھے خاک پر

۱۳۷

چلاتی تھی یہ بانوئے مغموم و دل فگار
یہ نوحہ گر تھی زینبِ غمگین و سوگوار
اے شہ کے مہماں میں تری لاش کے نثار
ہاں روئے جیسے بیٹے کے ماتم میں زار زار
بس اے انیسؔ شاہ کا شیدا گذر گیا
شبیرؑ کہتے تھے کہ مرا بھائی مر گیا

سلام

ذکر خوش قامتیٔ شاہ جو چل جائے ابھی
مجرئی رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

اے سخن نور کا سانچہ ہے طبیعت میری
کوئی کادا اک جو مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی

خانۂ چشم سے مردم نہ نکلنے دیں اگر
طفلِ اشک غمِ شبیرؑ مچل جائے ابھی

ہو منو مرثیۂ شاہ ہے نخلِ ماتم
آنسوؤں سے اسے دو آب تو پھل جائے ابھی

انجبِ شہ کا اشارہ تھا طرارہ جو بھروں
تیر گردوں مری ٹاپوں سے نکل جائے ابھی

عصر کے وقت کے مشتاق تھے ایسے شبیرؑ
صبح سے تھی یہ دعا دن کہیں ڈھل جائے ابھی

حکمتِ شیر خدا راہ کہیں بتلا دے
آسماں چشمۂ سوزن سے نکل جائے ابھی

روضۂ شاہ پہ اس جسم سے دم نکلے گا
نہیں مرنے کے سرہانے سے اجل جائے ابھی

قطعہ

شب کو حضرت نے کہا ہوئیں گی کل راہیں بند
جس کو جانا ہے وہ لشکر سے نکل جائے ابھی

مرنے والوں نے یہ کی عرض کہ پروا کیا ہے
تیغ کل چلتی ہے گردن پہ تو چل جائے ابھی

قطعہ

غش سکینہ کو جو آتا تھا تو ماں کہتی تھی
سینۂ شہ کی لے بو تو سنبھل جائے ابھی

بیبیاں کہتی تھیں صبر آئے گا رفتہ رفتہ
باپ سے بچھڑی ہے کس طرح بہل جائے ابھی

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

رباعی

اے خالق ذوالجلّل و کرم رحمت کر
اے واقفِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

مرثیہ

جب حُرؑ کو ملا خلعتِ پرخونِ شہادت
شُستہ جب رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت
جنت میں گیا رائضِ گلگونِ شہادت
جاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ مہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسّر نہیں ہوتی

۲

یہ مرتبہ بے شکر گزاری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا
یہ اوج بجز رحمتِ باری نہیں ہوتا
کم قدر کا پلّہ کبھی بھاری نہیں ہوتا
راحت بھی اُٹھاتی ہے جب آزار ملے ہیں
غوّاص کو اکثر دُرِ شہوار ملے ہیں

۳

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے
ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے
جنت گلِ زہراؑ کی محبت کا اثر ہے
سرسبزیٔ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے
مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
کھیتی یہ ہراول کی ہے کیوں کر نہ ہری ہو

۴

اک جا تھے حُر و شمر یہ عالم میں ہے مشہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے اللہ کو منظور
کیا شانِ خدا ہے کہ یہ مغفور وہ مقہور
انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

۵

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہونچا
بے رنج و خلش گلشنِ بے خار میں پہونچا
سر دے کے ید اللہ کی سرکار میں پہونچا
وہ نار میں یہ خلد کے گلزار میں پہونچا
مالک نے لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے
رحمت نے اسے گھیر لیا اس کو غضب نے

۶

رویا اسے زہراؑ کا پسر واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر واہ ری قسمت
زانوئے حسینؑ اور وہ سر واہ ری قسمت
دنیا سے یہ راحت کا سفر واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے ارم دارِ فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنّت کی ہوا سے

۷

خواہش یہ ہر اک حور کی تھی حُر ادھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی کہ یہ حُر ادھر آئے
یہ صاحبِ اقبال و تہوّر ادھر آئے
فرماتے تھے حیدرؑ یہ بہادر ادھر آئے
مشتاقِ ملاقات کے سب چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

۸

فرماتی تھی زہراؑ مرے غمخوار کو لاؤ
تعظیم سے تکریم سے جرّار کو لاؤ
جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
لاؤ مرے آگے حُرِ دیں دار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں خلعتِ جنت اُسے امداد کروں گی

۹

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا
کوثر ہے وہ منظور ہے گر پیاس بجھانا
در پردہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
اس قصرِ جواہر سے کہیں اور نہ جانا
جو کہہ وہ کریں فخر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کنیزیں پسرِ شیرِ خدا کی

۱۰

حقا کہ یہ رتبہ شہِ ذی جاہ نے بخشا
طالب تھا وہ جس کا وہی اللہ نے بخشا
ایماں کا شرف فاطمہؑ کے ماہ نے بخشا
بخشا اُسے خالق نے جسے شاہ نے بخشا
جنت اُدھر آئی جدھر آیا قدم اُن کا
کر دیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم ان کا

۱۱

اے حرِّ دلاور تری تقدیر کے صدقے
مہماں کے تصدق شہِ دلگیر کے صدقے
رتبے کے فدا عزت و توقیر کے صدقے
اس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے صدقے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اک بات میں بن جائے

۱۲

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راویٔ صادق
پھر تو جو یہ برسانے لگے تیر منافق
جب قتل ہوا حرّ سا مددگار موافق
مر جانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
اک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

۱۳

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار
جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
یارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جاں آگئی جس وقت پیامِ اجل آیا

۱۴

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ
آزار کو لطفِ احدی جانتے تھے وہ
مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس اُن کیلئے آبِ بقا تھی

۱۵

قربان تو لائے حبیب ابنِ مظاہر
عصیاں سے بری طیّب و پاکیزہ و طاہر
یکساں صفتِ دہر میں باطن و ظاہر
جاں باز جہاں دیدہ فنِ جنگ سے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قدِ راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

۱۶

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار
پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

۱۷

جب ایسے رفیقوں کا پرا ہو گیا خالی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی
بھرتا تھا دمِ سرد وہ کونین کا والی
لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی
بیتاب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے اَلم میں

۱۸

لاشوں کے اُٹھانے سے نہ پائی تھی فراغت
مولا کے یگانوں نے کیا عزمِ شہادت
جو تول کے نیزوں کو بڑھے اہلِ شقاوت
نکلے تھی زہراؑ و محمدؐ کی بضاعت
سیدانیوں کا دودھ جو پی پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور انکے گلے تھے

۱۹

لاکھوں سے لڑے حضرتِ عباسؑ کے بھائی
سب شانِ پدر بیٹوں نے جعفرؑ کے دکھائی
حملوں میں دکھائی شہِ مرداں کی لڑائی
ضیغم کی جو میراث تھی فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہِ دوجہاں تھے
دو طفل جلو میں فقط اور تین جواں تھے

۲۰

دو طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے
خود اپنی شہادت کے طلبگار خدا سے
زینبؑ کے پسر شیرِ الٰہی کے نواسے
بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا کے
جینے کی ہماری جو خبر پائیں گی اماں
لاشے بھی یقیں ہے کہ نہ منگوائیں گی اماں

۲۱

قاسمؑ حسنؑ سبز قبا کا مہِ تاباں
ہم شکلِ نبیؐ نورِ نگاہِ شہِ مرداں
عباسؑ علیؑ چشم و چراغِ شہِ مرداں
زینبؑ کے پسر جعفرؑ و زہراؑ کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا قمر پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیرؑ کے گھر کے

۲۲

ایک ایک جری ملکِ شجاعت کا شہنشاہ
ذی قدر و سرافراز و وفا کیش و دل آگاہ
بچپن میں اولو العزم کہ العظمۃ للہ
شیر اُن کی نظر دیکھ کے بن جاتے تھے روباہ
پیدا یہ تہور سے کہ لاکھوں میں تو کیا ہیں
دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیرِ خدا ہیں

۲۳

کھولے ہوئے راست کوئی تولے ہوئے شمشیر
ناقوں میں زبردست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر
بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
بیٹے ہیں یہ بیٹے جو اسد اللہ کے وہ شیر
جز سجدۂ حق سر کبھی ان کے نہ جھکے تھے
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رکے تھے

۲۴

اس وقت عجب غم تھا شہِ جن و بشر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبرؑ سے پسر کو
نے روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
نے عونؑ و محمدؑ کو نہ شبیرؑ کے قمر کو
میوے تھے سب ایک باغ کے پھول ایک شجر کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے

۲۵

فرماتے تھے موت آئے تو چھٹ جاؤں الم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جدا ہوں نہ ہم سے
یارب مرا گھر ہے انھیں جراروں کے دم سے
کٹ جائے گلا جلد کہیں تیغِ دو دم سے
ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے
داغ اب ترے بندے سے اٹھائے نہیں جاتے

۲۶

ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے ہم شکلِ نبیؐ کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا
حیدرؑ کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

۲۷

گھبرا کے پکارے جو اسے سیدِ ابرار
کی عرض بہ صد عجز کہ اے کل کے مددگار
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بے تاب ہیں دل جان لڑائی پہ اڑی ہے
اے نورِ خدا ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

۲۸

مرنے کو اگر چلے گئے قاسمؑ و اکبرؑ
شبیرؑ کی وہ تصویر یہ ہم شکل پیمبرؐ
پاتشاہ ہمیں دودھ نہ پھر بخشیں گی مادر
توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر
مالک ہیں خداوند ہیں سردار ہیں دونوں
ہم ان کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں

۲۹

بسمل جو ہوئے مسلمؑ مظلوم کے پیارے
اماں نے کہا ہوگا کہ اب تک نہ سدھارے
ہم خیمے میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے
قاصر ہیں جو توقیر شہادت نہیں ملتی
کیا جائیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

۳۰

حضرت یہ ہے روشن جو ہمارا ہے ارادہ
نانا تو علیؑ جعفرِ طیار سے دادا
سن کم ہیں پہ ہمت ہے جوانوں سے زیادہ
ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادہ
شیروں کی طرح بیشۂ حیدرؑ میں پلے ہیں
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

۳۱

وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرار تو جرار ہیں ہم بھی
دادا کی طرح مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
سر دے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی
ہے جوشِ وغا عمر کے پیمانے بھرے ہیں
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

۳۲

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اسے پا نہیں سکتے
زخم تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے
پیچھے رہے اوروں سے یہ تقدیر ہماری
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

۳۳

ہم دونوں غلام اکبرؑ و اصغرؑ کے ہیں یا شاہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج آپ ہیں آگاہ
الفت کو بس اب دل سے اٹھا لیجئے للہ
بنتِ اسدِ حضرتِ باری ہیں وہ ذی جاہ
پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا ان سے کہیں گے
آزردہ ہوئیں وہ تو کہیں کے نہ رہیں گے

۳۴

عورت ہیں پہ خو بو شہِ مرداں کی ہے ساری
تم یہ نہ سمجھو کہ میں عاشق ہوں تمہاری
شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری
بھائی سے مجھے جان نہ اولاد ہے پیاری
کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے
تب دودھ میں بخشوں گی جو عزت سے مرو گے

۳۵

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینبؑ کے جگر بند
کھولے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند
حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضا مند
کس منہ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند
تنہائی کا دکھ فاطمہؑ کا لال سہے گا
لاشے کے اٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

۳۶

اکبرؑ کو تو ہمشیر نے میں نے تمہیں پالا
اب کون ہے غربت میں مجھے تھامنے والا
ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
دل کا کوئی ارمان بھی تم نے نہ نکالا
دس سال بھی پورے نہیں دونوں کے سنوں میں
دنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

۳۷

دونوں سے یہ فرما کے اُدھر روتے تھے شبیرؑ
سرزانو پہ تھا فکر میں اور لب پہ تھی تقریر
چپ بیٹھی تھی رانڈوں میں اُدھر شاہ کی ہمشیر
محجوب کیا بیٹوں نے ہے ہے مری تقدیر
میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دیں گے

۳۸

آتا ہے دم صبح سے یاں لاشے پہ لاشا
پائی نہ اجازت یہ سخن خوب تراشا
اُن کے لئے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں حاشا
رُکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے
وہ سب بھی تو پیارے تھے حسینؑ ابن علیؑ کے

۳۹

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا
میداں کی رضا دیتے نہ ہوں گے شہِ والا
نہ گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
آزردہ نہ ہوں آپ یہ غصے کی نہیں جا
سن لیجئے گا رن میں جو کچھ کام کریں گے
حیدرؑ کے نواسے ہیں بڑا نام کریں گے

۴۰

فرمایا کہ ہاں جو مجھے تقدیر دکھائے
کیوں شاہ سے رخصت کا سخن لب پہ نہ لائے
بچ جاؤں گی مرکر جو وہ میدان سے آئے
کیا جانئے کس فکر میں ہیں وہ مرے جائے
جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں
اب وہ مرے فرزند نہیں دونوں کی ماں ہوں

۴۱

یہ ذکر تھا فضہؑ جو خبر لے کے یہ آئی
لو میرے شہزادوں نے رضا جنگ کی پائی
فریاد کہ اب لٹتی ہے زینبؑ کی کمائی
اے بنتِ علیؑ رو رہے ہیں آپ کے بھائی
بچے بھی شریکِ شہدا ہوتے ہیں لوگو
دو بھانجے ماموں سے جدا ہوتے ہیں لوگو

۴۲

فضہؑ سے یہ سنا تھا کہ بس رونے لگے سب
فرمایا کہ صد شکر بر آیا مرا مطلب
اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرتِ زینبؑ
عزت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یارب
بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں
یہ خوش خبری آئی کہ مارے گئے دونوں

۴۳

بچے ہیں لڑائی کے نہیں رنگ سے واقف
فوجوں سے نہ آگہ نہ فنِ جنگ سے واقف
نیزے کے نہ تلوار کے ہیں ڈھنگ سے واقف
دونوں میں نہیں ایک بھی جو رنگ سے واقف
بوٹا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں
گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں

۴۴

دہ سالہ و نو سالہ تھے نکلے جو وطن سے
بچے مرے کمزور ہیں فاقوں کے محن سے
بو دودھ کی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے
محجوب ہوں نندوں میں ولی ابن ولی کے
تو اُن کی مدد کر کہ نواسے ہیں علیؑ کے

۴۵

بانو نے کہا دیکھ لو بھیجو اُن کو بلا کر
اصرار کیا سب نے تو گردن کو جھکا کر
فرمایا نہیں آئیں گے خود برچھیاں کھا کر
فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جا کر
صدقے گئی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو
جاتے ہو تو شکلیں ہمیں دکھلا کے سدھارو

۴۶

فضہ گئی اور خیمے میں لائی انھیں ہمراہ
قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جو وہ ذیجاہ
آئے صفتِ مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
لپٹا کے گلے کہنے لگی بنتِ ید اللہ
ماموں پہ فدا ہوتے ہو میں تم پہ فدا ہوں
لو آؤ کہ میں اب تو نہ غصے نہ خفا ہوں

۴۷

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور
ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
ہر دوست سے مل مل کے گلے روتے تھے سرور
کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
اس وقت میں رخصت طلبی ترکِ ادب تھا

۴۸

لاشوں کا وہ آنا وہ ہجومِ الم و یاس
آزردہ نہ ہوں آپ نہیں تھا یہی وسواس
جرأت نہ پڑی عرض کی تھی گرچہ بہت پیاس
جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرتِ عباسؑ
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گرد پھرے ہیں
راضی ہوئے جب پاؤں پہ اس وقت گرے ہیں

۴۹

خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شاباش دلیرو
ہاں چاہیے منہ نیزہ و خنجر سے نہ پھیرو
اب دیر نہیں خوب سدھارو مرے شیرو
دو شیر ہو لو عمرو شمر کو گھیرو
توقیر تمھاری ہو مری نام وری ہو
سر دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

۵۰

دادا کو جو پوچھو تو علمدار پیمبر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور
ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیئے دو پر
کرار کی جرأت تو سنی ہو گی مکرر
یوں سب ہیں پہ سرتاج دلیروں کے تمھیں ہو
ماں صدقے گئی شیر تو شیروں کے تمھیں ہو

۵۱

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے
کیا شہرۂ خیبر شکنی بت شکنی ہے
جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
جو ہات پہ سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
چھپتے نہیں لاکھوں میں جوانمرد کے تیور

۵۲

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ
سر بیچ کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ
جو نام پہ مرتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
مرکر نہ ہٹے قابلِ احسنت وہی ہے
جو کھیت میں سرسبز ہو سیادت وہی ہے

۵۳

دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی
گر شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
بجلی بھی گرے گر تو جھجکتے نہیں غازی
آفت میں حواس انکے بجا ہوتے ہیں پیارو
جرّاروں کے تیور بھی جدا ہوتے ہیں پیارو

۵۴

تیروں کی مہم بات میں سر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر
آقا کے دلِ پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر
دم ہونٹوں پہ آجائے تو شجاعت نہیں جاتی
مرنے پہ بھی چہرہ کی بشاشت نہیں جاتی

۵۵

نانا نے تمھارے درِ خیبر کو جو توڑا
ہر وار میں بچتا تھا نہ اسوار نہ گھوڑا
مانند پر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا
خالی ہوا جب قلعہ تو منھ جنگ سے موڑا
تھراتے تھے کفار تزلزل میں زمیں تھی
تھا زور تو یہ اور غذا نانِ جویں تھی

۵۶

جب دستِ یداللہ میں تیغِ دوسرا آئی
جھپٹے یہ اِدھر فوج پہ نصرت اُدھر آئی
بس قبضۂ قدرت میں یکایک ظفر آئی
بعد آپ پھرے فتح کی پہلے خبر آئی
پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلماں ہوئے دب کے
اب تک تو سر اُٹھتے نہیں کفارِ عرب کے

۵۷

خندق کی وغا عمرِ وسیہ کار کی وہ دھوم
رد کر کے جو حربوں کو بڑھا خاصۂ قیوم
تھراتے تھے تلوار سے جس کی عرب و روم
جھپٹا اسد آ ہو پہ یہ سب کو ہوا معلوم
اک ضرب میں نہ گرز نہ مغفر تھا نہ سر تھا
خندق کے اُدھر لاش سرِ نحس اُدھر تھا

۵۸

جس وقت ظفریاب ہوئے حیدرِ کرار
فرمایا نبیؐ نے یہ بہ اعلان و بہ تکرار
ایک ہاتھ میں سر عمر کا اور ایک میں تلوار
افضل ہے دو عالم میں عبادت سے یہ اک وار
سر فتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے
جبریلِ امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

۵۹

واری یوں ہی تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں
اِن چھاتیوں پہ زخمِ سناں کھاؤ تو جانوں
آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں
جرار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے
مجھ کو ابھی دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمھارے

۶۰

ہاں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سر وہ ہوا پا کے نہ جانا
پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
صابر ہو تو رہواروں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے مجوب کرو گے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مرو گے

۶۱

جس پانی کو ترسے اسد اللہ کا پیارا
عاقل کے لیے کافی و وافی ہے اشارا
کیوں جاؤ اُدھر نہر کیا کام تمھارا
گر آبِ بقا ہو تو مناسب ہے کنارا
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گزر ہو
دم بھر کے لیے کیوں عرقِ شرم میں تر ہو

۶۲

بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے
جرأت کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے
دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
ہمت کو مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے وہ دشوار نہ ہوگا
اک دل ہوئے جب دونوں کوئی چار نہ ہوگا

۶۳

اک بھائی لڑے بڑھ کے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسمل بھی پھڑک جائے
بلوہ جو پھر آ اس پہ ہو تو یہ پھر لپک جائے
گر صف ہو تو پسپا ہو پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے
پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علیؑ کے

۶۴

تیروں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا
ہاں تیروں کی بارش میں سپر منھ پہ نہ لانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برچھیاں کھانا
لازم ہے وہ ہمت کہ معترف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہے گا
دنیا میں اگر تم نہ رہے نام رہے گا

۶۵

دونوں نے کہا ہوگا یہی فضلِ خدا سے
کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائیں گے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی علیؑ کے ہیں نواسے
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نے ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

۶۶

ارشاد نہ حضرت کا بجا لائیں تو مجرم
بھولے سے کبھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
ڈر جائیں تو بے قدر جو ہٹ جائیں تو مجرم
بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم
مر جائیں گے دنیا میں سدا کون رہا ہے
دودھ آپ کا ہم دونوں غلاموں نے پیا ہے

۶۷

جیتے ہیں تو بے صحبت بیکسی ہم نہ رہیں گے
مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
سر کاٹئے گا پاؤں جو محکم نہ رہیں گے
لڑکے ہیں جوانوں سے مگر کم نہ رہیں گے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے
اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

۶۸

چھوٹے تو ہیں کیا منھ سے بڑی بات نکالیں
ان سینوں پہ رکھ دے کوئی سو تیروں کی بھالیں
سیدانیاں ایسی جنھیں آغوش میں پالیں
تلواروں میں روکیں گے نہ وہ سینوں پہ ڈھالیں
ہم جینے پہ مرتے نہیں مرنے کو جئے ہیں
سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دئے ہیں

۶۹

مختار ہیں یوں آپ سزا دیں کہ خفا ہوں
ہوتے ہیں مکدر کہیں دل جن کے صفا ہوں
وہ نام پہ کیوں کر نہ مریں جو شرفا ہوں
تب وقت ہے غصے کا جو وعدے نہ وفا ہوں
کیا زیست بھلا اُن کی جنھیں ماں باپ نہ بخشیں
تیور بھی جو میلے ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

۷۰

ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں
سب نام کریں اور ہمیں جرأت نہ دکھائیں
نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں
مصحف کی قسم آپ کو صورت نہ دکھائیں
خندق ہو تو لاشوں سے زمیں پاٹ کے مر جائیں
تیغیں نہ چلیں گر تو گلے کاٹ کے مر جائیں

۷۱

جب کہہ چکے یہ جوش شجاعت میں وہ گل رو
آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
لپٹا کے گلے کہنے لگی زینبؑ خوش خو
اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو
لڑنا ہے تمھیں فوج سے مطلوب لڑو گے
لو روؤ نہ معلوم ہوا خوب لڑو گے

۷۲

صدقے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو
اے بے وطنو فاقہ کش و تشنہ دہانو
اب غیظ سے تھراؤ نہ کہنا مرا مانو
ماں کہتے تھے پر اب مجھے تم خادمہ جانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
میں اس لئے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں

۷۳

شیر اس کے ہو تم شیر ہے جو بنتِ اسد کا
دنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا
سر جس نے کیا معرکۂ صفین و احد کا
ماں صدقے یہ تھی وقت ہے ناموں کی مدد کا
ایک ایک جری دشتِ ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمہیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے

۷۴

لو بخش دیا دودھ سدھارو مرے پیارو
میلی ہے یہ پوشاک اتارو مرے پیارو
الجھے ہوئے گیسو تو سنوارو مرے پیارو
دولھا تو بناؤں مرے پیارو مرے پیارو
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں پہ جب آن چڑھو گے
شادی ہے بڑی آج کہ پروان چڑھو گے

۷۵

فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بلائیں
فرمایا کہ رخصت تمہیں ہونا ہو وہ آئیں
اور تھام کے بازو کو بڑھیں آپ دعائیں
لو بیبیو سب آؤ تو بچے مرے جائیں
رن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

۷۶

سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے
جس وقت چلے خیمے سے وہ گیسوؤں والے
تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
در تک گئی ماں خاکِ عزا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دُرِ یکتا نکل آئے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ نکل آئے

۷۷

خیمے سے برآمد ہوئے زینبؑ کے جو دلبر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ صفدر
دیکھا کہ حسینؑ اپنا علیؑ روتے ہیں در پر
منھ کر کے سوئے چرخ پکارے شہِ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینبؑ کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

۷۸

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا
دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک یہ کیا ہو گئے دونوں
جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں

۷۹

ایک ایک سے چال دار گراں قدر سبک رو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر ایک نعل کا پرتو
وہ جست وہ کاوے وہ طرارے وہ ادا دو
تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہِ نو
اک چاند تھا وہ جو سمِ توسن کا نشاں تھا
بالائے زمیں عالمِ بالا کا سماں تھا

۸۰

شکلیں بھی بڑی جرأت و سرعت کے علاوا
قد ایک سی شکل ایک سی اور ایک سا کاوا
دو گام تھا جن کے لئے سو کوس کا دھاوا
یہ گشت میں بجلی وہ روانی میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر طیر تھا وہ بھی
یہ باد یہ پیما تو فلک سیر تھا وہ بھی

۸۱

ہاں یہ کبک تو یہ رنگ یہ انداز دکھائے
جائیں جو بڑی چال میں یہ ناز دکھائے
قائل ہوں جو طاؤس یہ پرواز دکھائے
آہو یہ طرارے یہ تگ و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب تصور ہی میں جو ہے
دعویٰ ہے تو آئیں بھی میدان یہی گو ہے

۸۲

تھم تھم کے بھی چلنے میں سب انداز بلا کا
مڑنے میں سماں برق کا اُڑنے میں ہوا کا
پائے انھیں مقدور یہ کیا پیک صبا کا
نے وہم کا واں دخل نے فہم شعرا کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کسے مضموں ٹھہرتا نہیں کوئی

۸۳

یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے
جس طرح نسیم آ کے نکل جائے چمن سے
جراُت میں فزوں شیر سے سرعت میں ہرن سے
آگاہ ہیں وہ جراُت و سرعت کے چلن سے
قتل ان کے سروہی سے چلے فوج ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے دُلدل کے قدم پر

۸۴

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے ہو پہنچے جو بہادر
فوج ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیّر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہور
کیا جانیے کیا نام ہیں ان کے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

۸۵

پیشانیاں خورشید جہاں تاب سے بہتر
رخسارۂ رنگیں گلِ شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہر نایاب سے بہتر
چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر
ابرو نہیں پیشانیٔ ذی قدر کے نیچے
ہیں دو مہِ نو ہالے سے اک بدر کے نیچے

۸۶

حیراں ہیں عدو حسن پہ اور دونوں کے سن پر
ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قرباں ہیں ان پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر
گیسو ہیں کہ سایہ کیا ہے رات نے دن پر
یہ گیسو و رخ خوں میں بھریں رنج کی جا ہے
دو بدر نہیں چار شش و پنج کی جا ہے

۸۷

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگس شہلا
یہ عین شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
ہیں بچپنے میں دل کبھی ان کا نہیں دہلا
بے تیغوں کے کھیلے کوئی بچہ نہیں بہلا
تلوار چلی پھر گئی چتون جدھر ان کی
غصے میں سروہی سے سوا ہے نظر ان کی

۸۸

دلبر ہیں دلیروں کے حسینوں کے حسیں ہیں
گویا دہنِ خاتمِ قدرت کے نگیں ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں
یہ طرفہ حلاوت ہے کہ باتیں نمکیں ہیں
جملے ہیں وہی صاف وہی شرط و جزا ہے
تقریر میں سب مصحفِ ناطق کا مزا ہے

۸۹

شرمندہ ہے شمشاد بھی قد معتدل ایسے
رکھ دیتے ہیں سینوں کو سنانوں پہ دل ایسے
مختوم ہیں خط خال کے نقطے سجل ایسے
دیکھے ہیں کسی چشم کی پتلی نے تِل ایسے
سطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں
تحریر یہ خطِ حسن پہ ہیں خال نہیں ہیں

۹۰

دو چاند سے بیٹے کہ دعا کا ہے ثمر ان میں
عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
شیروں کا ہے بیشہ کہ دل ان میں جگر ان میں
اسرار جناب احدی کے ہیں اثر ان میں
خود جن میں ہوں دریا یہ سفینے نہیں دیکھے
اس طرح کے بیٹے تو کسی نے نہیں دیکھے

91

مضموں ہیں سر دست یہ ہاتھوں کی ثنا کے
قبضے میں اگر ہاتھ رکھیں غصے میں آ کے
ناخن میں ہیں دونوں کے ہنر عقدہ کشا کے
دم بھر میں ملا دیں طبقے ارض و سما کے
ہے کون سا سرکش جو یہاں پست نہیں ہے
ان سے کوئی دنیا میں زبردست نہیں ہے

92

بت کعبہ سے سب جن نے نکالے یہ وہی ہیں
ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں
رکتے نہیں جن لوگوں کے بھالے یہ وہی ہیں
خیبر کے جو ہیں توڑنے والے یہ وہی ہیں
پروانے ہیں شمع حرم لم یزلی پر
قبضہ انھیں لوگوں کا ہے شمشیر علیؑ پر

93

فوجیں نہیں ٹھہری ہیں جہاں جم کے لڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں جنگ پہ چڑھ کر
سر کٹنے میں بھی گرتے ہیں تو کھیت سے بڑھکر

94

ناگاہ یہ بڑھ کر پسر سعد پکارا
تلواریں پھرا کر یہ پکارے وہ دل آرا
اے شیر دلو نام و نسب کیا ہے تمھارا
خالق نے ہمارے لئے دنیا کو سنوارا
خورشید زمیں تاج سر عرش بریں ہیں
پہلا یہ شرف ہے کہ غلام شہ دیں ہیں

95

اسم جدا علیؑ ہے ابو طالبِ والا
عزت میں فزوں سب سے شرافت میں دوبالا
جس شیر نے احمدؐ سے شہنشاہ کو پالا
جس کا ہے علیؑ سا پسر اقدس و اعلا
مصدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علیؑ ہے
ایمان میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

96

دادا ہے شہنشاہِ دو عالم کا مددگار
وہ شقہ طرازِ علمِ احمدِ مختار
سردار جہاں فخر عرب جعفرِ طیارؓ
آلودہ رہے خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سر دست لیے ہیں
اللہ نے پر ان کو زمرد کے دیے ہیں

97

نانا اسد اللہ مددگار دو عالم
سلطانِ قضا منتظم کار دو عالم
دیں دار نمودار جہاں دار دو عالم
سرتاج فلک پایۂ دستار دو عالم
سب امر اہم عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے

98

بازوئے نبیؐ دستِ خدا نفسِ پیمبر
لشکر شکن و بت شکن و فاتحِ خیبر
طیب زکی و طاہر و پاکیزہ و اطہر
سرتاج عجم میر عرب حیدرِ صفدر
اصنام سے کیا خانۂ حق پاک کیا ہے
گہوارے میں اژدر کا دہن چاک کیا ہے

99

وہ رعب کہ شیر دل کو بھی عبرت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایمان کو قوت ہوئی جس سے
وہ حکم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ ضرب بنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
دیکھے اسے آگاہ جو حیدر سے نہیں ہے
بہتر کوئی شاید در خیبر سے نہیں ہے

۱۰۰

کانپا کیا روم رعب اک تیغ دو سر سے
دینداروں کو امن اس نے دیا فتنہ و شر سے
گذری سرِ مرحب سے تو عنتر کی کمر سے
ضرب اس کی نہ رد کی گئی جبرئیل کے پر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ ملے گا
پر حشر تک اس ضرب کا سکّہ نہ ملے گا

۱۰۱

اللہ رے اوج و شرف و عزت و مقدار
خالق کا ولی احمدِ مرسل کا مددگار
دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خاک کفِ پا سرمۂ چشم اولوالابصار
پاتے ہیں اشارے میں شفا کور و کر اس سے
بینا ہے وہی جس کو ہے چشم نظر اس سے

۱۰۲

ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیض رساں کے
دکھلائیں گے جوہر تمھیں تیغِ دوزباں کے
فرزند ہیں ہمشیرِ شہ کون و مکاں کے
بڑھ بڑھ کے الٹ دیں گے پرے فوج گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ یداللہ نہیں ہیں
ہم شیر تو ہیں گو اسداللہ نہیں ہیں

۱۰۳

سن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے
تابندہ ہیں افلاکِ شرافت کے ستارے
اے قوم یہ شبّر کے ہیں بھانجے پیارے
ہاں جان کے دینے سے مگر جی نہیں ہارے
حیدر کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں دونوں
لڑکا انھیں سمجھے نہ کوئی شیر ہیں دونوں

۱۰۴

یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سرانجام
برچھی کہیں چمکی کہیں جمدھر کہیں صمصام
کھلنے لگے ہر صف میں علمہائے سیہ فام
بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپہ شام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو فوج آتی ہے جیسے
بچوں پہ صفیں آتی تھیں موج آتی ہے جیسے

۱۰۵

اس شور میں بشاش کھڑے تھے وہ دلاور
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا کہ برادر
پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آئی ہے کس پر
دیکھیں تو ذرا آپ قریب آ گیا لشکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایات احد پر
آنے دو اجل ان کو لئے آتی ہے زد پر

۱۰۶

آتا ہے شکار آپ سے جس دم طرفِ شیر
جاتے ہیں کہیں اب تو یہ آئے تہِ شمشیر
دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹنے میں ذرا دیر
جب جا ہوں صفیں لاشوں کے ہوتے ہیں وہاں ڈھیر
کھل جائیگا جب تیغے کھینچیں گے کمر سے
مقصد فقط اتنا ہے کہ سبقت ہو اُدھر سے

۱۰۷

تھوڑے ہیں اگر پڑتے ہیں وہ جو ہیں تُنک ظرف
سر جائے پہ آئے نہ شجاعت پہ کوئی حرف
جب گرم ہوا ہر در خشاں تو کہاں برف
اس نحو سے عمر اپنی بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلے گا تو جگہ پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا

۱۰۸

تقریر ادھر یہ تھی کہ تیر آئے اُدھر سے
سب موت کے حلقے میں اسیر آئے اُدھر سے
پیغام وغا لے کے صفیر آئے اُدھر سے
دو بچوں پہ دو لاکھ شریر آئے اُدھر سے
اس پر بھی یہ بند تھے دہشت سے دم انکے
بڑھ بڑھ کے ہٹے جاتے تھے پیچھے قدم انکے

۱۰۹
برچھی لئے انبوہ سواروں کا جب آیا
اک شور ہوا غیظ رحیموں کا اب آیا
شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
وہ بیچ بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لخت دل ضیغم دیں تھے
سر تھے صف اول کے کہیں جسم کہیں تھے

۱۱۰
بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیر درندہ
آہو سے بھی چالاک تھے اسپان دوندہ
تلواروں سے ڈر ڈر کے چھپے مُردوں میں زندہ
مڑنے میں جو بجلی تھے تو اُڑنے میں پرندہ
مانند براقِ نبوی عرش سما تھے
گھوڑے نہ کہو اوج سعادت کے ہما تھے

۱۱۱
مارا اُنھیں چن چن کے جو تھے فوج میں چیدہ
باہم تھے کمانداروں سے دونوں وہ کشیدہ
رہواروں سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
بدکیش و خطاکار تھے سب زخم بریدہ
کھینچے ہوئے تھے تیر کہ آفت تھی جہاں پر
پیکان نہ سری پر تھا نہ چلّہ تھا کماں پر

۱۱۲
خالی تھی جو یہ صف تو پریشاں وہ پرا تھا
رنگ اُڑ گئے تھے چہروں سے لشکر پہ ڈرا تھا
جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
تھراتا تھا وہ ہاتھ جو قبضہ پہ دھرا تھا
ڈر سے نہ بڑھائے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغیں بھی نیاموں میں چرائے تھیں دم اپنے

۱۱۳
وہ مرگیا تلوار اٹھا کر جسے ڈانٹا
گلہائے جراحت کو عجب حسن سے بانٹا
اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
نکلی نہ کوئی شاخ نہ اُلجھا کوئی کانٹا
اب تک یہ ہوا باغ جہاں میں نہیں دیکھی
غل تھا کہ بہار ایسی خزاں میں نہیں دیکھی

۱۱۴
تلوار نے چھوٹے کی نیا رنگ دکھایا
حیرت ہوئی وہ زور دمِ جنگ دکھایا
ضرب اسد اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
راکب کو بھی مرکب کو بھی چو رنگ دکھایا
ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی تیار نہ ہوگا

۱۱۵
وہ پنجہ اور پھول سی وہ نرم کلائی
وہ اُنگلیاں جن میں ہنر عقدہ کشائی
سب جس سے ہویدا یدِ بیضا کی صفائی
ضیغم کے بھی پنجے نے یہ قوت نہیں پائی
زور ایسا جہاں کو وہ سبک ہاتھ کے تل سے
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے

۱۱۶
دو شیروں سے بچ کر ستم ایجاد کدھر جائے
خالی بھی جو نیزے وار تو پھر خون میں بھر جائے
گر منہ پہ چڑھے یہ تو سرِ نحس اُتر جائے
بس زیست اسی میں ہے کہ تلوار سے مرجائے
بزدل جو ہے کیوں کر وہ دلیروں سے بچے گا
بھاگے گا تو کیا صید یہ شیروں سے بچے گا

۱۱۷
کس میں تھی ضیا نیمچوں کی ضو کے برابر
بجلی نہ چمک سکتی تھی پرتو کے برابر
گویا کہ مہ نو تھا مہ نو کے برابر
سر خاک پہ گر پڑتے تھے سو سو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جسکو
رہ جاتا تھا وہ جل کے ہوا لگتی تھی جس کو

۱۱۸

کاٹی جو سپر فرق جفا جو پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالم بد خو پہ نہ ٹھہری
منھ پر نہ رکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری
دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربت شمشیر بکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک وار میں دو تھی

۱۱۹

بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے
ریتی پہ طبال پہ جھیوں والے نظر آئے
انسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ہر صف کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
غل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
بچوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

۱۲۰

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونوں
گرما کے فرس جنگ پہ مائل ہوئے دونوں
ٹھہرے نہ ہٹے نے متامل ہوئے دونوں
چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو شجاعت کے دھنی ہیں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر پنجتنی ہیں

۱۲۱

یہ سنتے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ پل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچ کر نکل آئے
غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
آنا تھا کہ چاروں تہ تیغ اجل آئے
احسنت کا برپا ہوا غل چرخ بریں پر
ٹکڑے جو گرے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

۱۲۲

کیا ذکر بھلا آٹھ کا یا چار سروں کا
گننا ہوا اب تو ہمیں دشوار سروں کا
کشتوں کے جو پشتے تھے تو انبار سروں کا
اک مینھ سا برس جاتا ہے ہر بار سروں کا
تھم سکتے نہ تھے پاؤں کسی عربدہ جو کے
کشتی تھی زمیں رن کی ڈبروں سے لہو کے

۱۲۳

اعدا تھے دم جا گزہ ہر بار ندارد
پیدل نظری فوج کے اسوار ندارد
منشی کے قلم ہاتھ علمدار ندارد
دو آئے تو دو چار تھے پھر چار ندارد
یوں فوج کے دفتر کو الٹتے نہیں دیکھا
یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کٹتے نہیں دیکھا

۱۲۴

یہ جھک کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ ادھر سے ادھر آیا
رستے کو تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
اک چاند تہ خاک چھپا اک نظر آیا
ہٹ جائے گا لشکر تو یہ بڑھ بڑھ کے لڑیں گے
چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑھ کے لڑیں گے

۱۲۵

جانبازیاں دکھلاتے تھے میداں میں وہ جانباز
قاسمؑ کا سخن تھا کہ علیؑ کا ہے سب انداز
دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہ سرافراز
فرماتے تھے اکبرؑ یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباسؑ
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے عباسؑ

۱۲۶

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو
کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے بھی ہاتھ نکالو
حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوشوں پہ ڈالو
اب بچنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

۱۲۷

ہاں شیروں کے شیروں کا یہی کام ہے شیرو
بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
پنجہ میں تمہارے سپہِ شام ہے شیرو
تم دونوں کا جد صاحبِ صمصام ہے شیرو
اک شمس تو اک برجِ شرافت کا قمر ہے
ہاں کس کی ہے بیٹی تو پدر کس کا پسر ہے

۱۲۸

شہؑ کہتے تھے بچے ہیں لڑیں ہائے کہاں تک
لاکھوں سے لڑے دونوں میں طاقت تھی جہاں تک
دو روز سے پانی نہیں پہونچا ہے دہاں تک
اب پھر کے کوئی انھیں لے آئے یہاں تک
سیراب بھی یہ تشنہ دہاں ہونے نہ پائے
ہے ہے مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے

۱۲۹

سیدانیاں دروازے پہ تھیں کھولے ہوئے سر
اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ جو تھی پریشاں گئی تو خیمے کے باہر
پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

۱۳۰

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو
وہ بچے بجلی کی طرح کوندتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو
وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

۱۳۱

زینبؑ نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جدا ہیں
کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں
منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

۱۳۲

یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینبؑ
فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب
لو بیبیو لو صفِ ماتم پہ چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہِ خدا میں

۱۳۳

یہ ذکر تھا جو طبل بجا فتح کا ناگاہ
چلائے حرم لٹ گئی بنتِ اسداللہ
سجدہ کو سوئے قبلہ جھکیں زینبؑ ذی جاہ
دوڑے طرفِ دشت وغا روتے ہوئے شاہ
تلواریں علم قاسمؑ و عباسؑ لئے تھے
ہم شکلِ نبیؐ چاک گریباں کئے تھے

۱۳۴

عباسؑ نے غصے میں لعینوں کو ہٹایا
بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا تیغ کا سایا
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا
شبیرؑ نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودۂ خوں دو مہ کامل نظر آئے
گودی کے پلے خاک پہ بسمل نظر آئے

۱۳۵

سر تا بہ قدم چور تھے زخموں سے تن زار
انگڑائیاں لینے سے رگیں کھنچتی تھیں ہر بار
پیکاں سے دل و جگر کئی چھاتیوں کے پار
تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار
لب پہ یہ سخن تھا شہِ والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آگئے مگر آقا نہیں آئے

۱۳۶

لاشوں کے قریب آ کے پکارے شہِ صفدر
یہ گرم زمیں اور یہ گل سے تنِ انور
اے بھائی جو موجود ہے یہ بے کس و بے پر
مٹی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں منہ موڑ رہے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو

۱۳۷

اے عونؑ و محمدؑ یہ جفا تم نے اٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ ذرا تم نے اٹھائی
ایذائے عطش سب سے سوا تم نے اٹھائی
کیا کیا نہ صعوبت بہ خدا تم نے اٹھائی
مانع جو ہوئی ماں سوئے یم پھر نہیں دیکھا
اس عمر میں تم سا کوئی صابر نہیں دیکھا

۱۳۸

اے شیر جوانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے مرتبہ دانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے تیز زبانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے تشنہ دہانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم
کاندھا مرے تابوت کو دیتے نہ گئے تم

۱۳۹

اکبرؑ نے کہا عونؑ کے بازو کو ہلا کر
ماموں کو پکارے بھی نہ تم برچھیاں کھا کر
بھیا تمہیں چلاتے ہیں شہ اشک بہا کر
باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آ کر
لو گھر میں چلو بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں
سر ننگے پھوپی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

۱۴۰

تم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے
کیا منہ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے
اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے پیارے
چونکو کہ عجب حال ہے ماموں کا تمہارے
ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو
بیٹا شہِ والا سے ملاقات تو کر لو

۱۴۱

سن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دم سینوں کے اندر
سر رکھ دیے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
فردوس بریں کے مسافر ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

۱۴۲

گودی میں تو لے وہ جنھیں آغوش میں پالا
بسمل کی طرح گر کے جو تڑپے شہِ والا
آنکھیں تھیں لہو اور جگر تھا تہ و بالا
عباسؑ نے تھاما علی اکبرؑ نے سنبھالا
رقت کا یہ تھا جوش کہ تھراتے تھے شبیرؑ
ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

۱۴۳

عباسؑ نے کی عرض یہ با دیدۂ خوں بار
لے چلیے انھیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار
خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یک بار
بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار
لاشے جو نہ جائیں گے تو غم کھائیں گی زینبؑ
یہ قبر میں سوئے تو کہاں پائیں گی زینبؑ

۱۴۴

یہ سنتے ہی لاشے شہِ والا نے اٹھائے
غل تھا کوئی جلدی صفِ ماتم کو بچھائے
خیمے کے قریب دونوں کو روتے ہوئے لائے
لو آئے شہنشاہ کی ہمشیر کے جائے
چھوٹے کو علی اکبرؑ دل گیر لیے ہیں
اک لاش کو خود گود میں شبیرؑ لیے ہیں

۱۴۵

زینبؑ نے کہا کیوں مجھے وسواس نہ آئے
لوگو مرے پیاروں نے بڑے رنج اٹھائے
ہے ہے علی اکبرؑ اُسے کیوں گود میں لائے
صدقے یہ پھوپھی لاش کے لے آنے کے جائے
دو روز سے وہ سرور دواں تشنہ دہاں ہے
اس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے

۱۴۶

اُن دونوں نے گر جان گنوائی تو گنوائی
میں ماں ہوں نہ صاحب مجھے یہ بات نہ بھائی
بن بیاہے مرے لال نے کیوں لاش اٹھائی
اکبرؑ مری اٹھارہ برس کی ہے کمائی
دل سے نہ یہ داغ الم و یاس مٹے گا
صدقہ اب اتاروں گی تو وسواس مٹے گا

۱۴۷

بانوؑ نے کہا کون سے وسواس کی ہے جا
شق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا
ہمشکل نبیؐ لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
بے بے وہ کوئی غیر تھے اے دخترِ زہراؑ
گھر تک کوئی وامندوں کو پہونچا نہیں دیتا
بھائی کوئی کیا بھائی کو کاندھا نہیں دیتا

۱۴۸

اُن دونوں کے عاشق تھے علی اکبرؑ گلرو
ایسا یہ نہیں غم کہ تھمیں آنکھ سے آنسو
چھوڑا نہ اونھوں نے بھی کبھی بھائی کا پہلو
بس تلخ ہوئی زندگی اکبرؑ خوشخو
کل تک تھے بہم آج اکیلے ہوئے دونوں
بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کھیلے ہوئے دونوں

۱۴۹

دونوں تھے اسی بھائی کے آرام کے طالب
وسواس کا یہ کونسا ہنگام ہے صاحب
جانے وہی جس شخص پہ گذریں یہ مصائب
بیجاں ہوئے ہے ہے علی اکبرؑ کے مصاحب
ساتھ اب نہ کوئی جوڑے ہوئے ہاتھ رہے گا
شہزادۂ کونین اوسے کون کہے گا

۱۵۰

ناگاہ شہ عرش نشیں لاشوں کو لائے
تھم کر صف ماتم کے قریں لاشوں کو لائے
غل پڑ گیا لو سرور دیں لاشوں کو لائے
ہمشیر تھیں جس صف پہ وہیں لاشونکو لائے
دونوں کا اٹھانا تھا کہ غش کر گئی زینبؑ
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی زینبؑ

۱۵۱

ہوش آیا تو اکبرؑ سے کہا رانڈوں کو سمجھاؤ
عباسؑ کی زوجہ سے یہ بولیں کہ ادھر آؤ
ہے ہے نہ کرو صاحبو اک لحظہ ٹھہر جاؤ
کیا روتی ہو کپڑے علی اکبرؑ کے بدلواؤ
بانو ہیں کدھر آہ یہ کیا بے خبری ہے
سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

۱۵۲

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ
کس طرح لڑے دونوں غلامان ہوا خواہ
زینبؑ سے مجھے یاد آ گئی جنگ اسد اللہ
نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

۱۵۳

تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پُرزور کلائی نہیں دیکھی
یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی
اعدا میں یہ ہل چل یہ دوہائی نہیں دیکھی
صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے
تم پوچھ لو عباسؑ تو نزدیک کھڑے تھے

۱۵۴
عباسؑ نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے
لڑتے تھے اسی طرح علیؑ فوج گراں سے
جو کر گئے یہ لال وہ باہر ہے بیاں سے
افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
تلواریں جب نکلی مجھے یاد آتی ہیں بہنا
دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں بہنا

۱۵۵
کیا عرض کروں ہائے محمدؐ کی لڑائی
بس صاف تھی صفین کی سر حد کی لڑائی
گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا جد کی لڑائی
غل تھا کہ یہ ہے بازوئے احمدؐ کی لڑائی
رن پر جو چڑھا ہو وہی جانے کہ یہ کیا تھا
دنیا میں علیؑ آج جو ہوتے تو مزا تھا

۱۵۶
یہ سنتے ہی سُرخی سی رُخ زرد پہ آئی
کوزین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی
حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
اب شاد ہوئی اِن سے ید اللہ کی جائی
آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ اِن کے
بیکس ہیں خدا رحم کرے حال پہ اِن کے

۱۵۷
فرما کے یہ لیں ان کی بلائیں کئی باری
کرتے ہیں امام دو جہاں مدح تمہاری
شانوں کو ہلا کر یہ وہ آہستہ پکاری
یہ کیا ہے جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابن علیؑ اُٹھ تو کھڑے ہو

۱۵۸
کچھ آج ہے غفلت عجب اے نیند کے ماتو
چونکو مری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو
باعث ہے یہ بچپن کا سبب اے نیند کے ماتو
پھر سو رہیو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

۱۵۹
اب ضبط کی طاقت نہیں اماں کو سنبھالو
سینے میں اُلجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو
انگڑائیاں لو بات کرو نیند کو ٹالو
واری مجھے خدمت کے لیے پاس بلا لو
میں ہونگی تو راحت سے تمہیں یاس نہوگی
کیا گذرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہ ہوگی

۱۶۰
پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ
صدقے گئی رستے سے ابھی تم تو نہیں آگاہ
کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں آہ
پہونچائے تمہیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُر ہَول ہے رستہ مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہو ماں قبر کی منزل بھی کڑی ہے

۱۶۱
ٹوکے کوئی رستے میں تو ڈریو نہ مری جان
اقرار نبوت میں فصاحت کا رہے دھیان
ہاں کلمۂ توحید پڑھے جائیو ہر آن
دلبند ہو تم تین اماموں کے میں قربان
کہنا کہ ملازم ہیں ولی ابن ولی کے
ہم آتے ہیں لشکر سے حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۶۲
اے عون خبردار مرے چھوٹے پسر سے
رستے سے نہ واقف ہے نہ غربت کے سفر سے
شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
محروم رہوں گی میں سدا خیر خبر سے
واماندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہے
اے وائے خط آنے کی بھی امید نہیں ہے

۱۶۳

بچوں کے یہ سن ہائے غضب اور سفر ایسا — لائے گا خبر کون کہاں نامہ بر ایسا
برباد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا — نظروں سے نہ پوشیدہ ہو شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے — قبروں کے لیے ہائے مرے لال پلے تھے

۱۶۴

اب کون مرے پہلوؤں میں سوئے گا بچو — تڑپے گا کلیجہ مرا دل روئے گا بچو
یہ داغ تو دنیا سے مجھے کھوئے گا بچو — دن جائے گا شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو
راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی — مر جاؤں گی زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

۱۶۵

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آ گئی تم کو — خیمہ سے نکلتے ہی اجل پا گئی تم کو
ماں صدقے ہو جنگل کی ہوا بھا گئی تم کو — اے گنبد تو کس کی نظر کھا گئی تم کو
ہے ہے مجھے پوشاک شہانی نہ دکھائی — صدقے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

۱۶۶

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے ڈر سے — پیاسے سوئے فردوس سدھارے مرے گھر سے
بے آب تھے اس عمر میں چوبیس پہر سے — دیکھا بھی نہ دریا کو توجہ کی نظر سے
سہواً جو پڑی آنکھ تو منہ موڑ لیا ہے — ڈرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے

۱۶۷

غصے ہوئی تھی تم پہ میں واری مجھے بخشو — ہاں اب نہیں لونڈی ہوں تمہاری مجھے بخشو
لب پر سخن عذر ہیں جاری مجھے بخشو — صدمے سے غشی ہوتی ہے طاری مجھے بخشو
میں بھی تو سمجھ جاؤں کہ دل افسردہ نہیں ہیں — لو کہہ دو بس اتنا کہ ہم آزردہ نہیں ہیں

۱۶۸

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دوہتڑ کئی مارے — سینہ ہوا شق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
ہمشکل نبی پاؤں پہ گر گر کے پکارے — بس والدہ اب روئیو لاشے پہ ہمارے
اب پیاس میں آب دم شمشیر پئیں گے — بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جئیں گے

۱۶۹

گھبرا کے وہ مخدومۂ عالم یہ پکاری — مر جائے یہ ناشاد بلا لے کے تمہاری
بن بیاہے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری — تم روؤ اسی ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
باتوں میں بھی کچھ بین کے پہلو نہیں نکلے — آنکھوں سے مری دیکھ لو آنسو نہیں نکلے

۱۷۰

فرما کے یہ غش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار — پوچھا کہ کدھر ہے علی اکبرؑ مرا دلدار
بانو نے کہا شاہ سے با دیدۂ خونبار — اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہ ابرار
اب کے جو غش آیا تو گذر جائیں گی زینبؑ — لے جائیے لاشے نہیں مر جائیں گی زینبؑ

۱۷۱

یہ ماتم اولاد ہے کیونکر اسے ٹالیں — مر جائیں جنھیں دل کی طرح گود میں پالیں
اکبرؑ کی سنیں یا جگر و دل کو سنبھالیں — در آئی ہیں اک قلب میں دو تیر کی بھالیں
بالائے جگر خنجر بیداد پھرے ہیں — دو غم کے پہاڑ ایک ضعیفہ پہ گرے ہیں

۱۷۲

یہ سنتے ہی لاشوں کو اُٹھانے لگے سرور
بانو نے کھڑے ہو کے اُدھر روک لی چادر
رانڈیں صفِ ماتم سے اُٹھیں کھولے ہوئے سر
چلائی سمجھ کر شہِ مظلوم کی خواہر
ٹھہرو ابھی کیوں داغ دیئے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

۱۷۳

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگا لے یہ دلِ افگار
دونوں کی بلائیں مجھے پھر لینے دو اکبار
مادر سے مکدر نہ ہوں یہ آئینہ رخسار
گھر میں مرے کاہے کو یہ پھر آئیں گے چل کے
دیتے دو کفن دونوں کو زہراؑ کی ردا کے

۱۷۴

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو کھلے سر
چلائیں درِ خیمہ کے پردے کو اُٹھا کر
پر رانڈوں نے جانے نہ دیا خیمے کے باہر
گاڑو گے کہاں بھائیوں کو اے علیؑ اکبر
ڈر ہے کہ خفا مجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
صدقے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں

۱۷۵

یہ وقت نہیں طول کا خاموش انیسؔ اب
ہر دم ہے عنایاتِ محمد کرمِ رب
جتنے ہیں سخن فہم وہ عاشق ہیں ترے سب
اب جلد وہ حاصل ہو جو کچھ ہے ترا مطلب
یہ حسنِ فصاحت ہے یہ شیریں سخنی ہے
پیری میں جواں ہے تو فقیری میں غنی ہے

رباعی

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
عنقا گو گردِ سرخ پارس اکسیر
ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

رباعی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

رباعی

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن کیا
لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں
مانندِ حباب خانہ بر دوش ہوں میں

رباعی

آئینۂ خاطر کی جلا ہے رونا
پوچھا جو علاجِ دل مسیحا نے کہا
اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا
ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

رباعی

ہر دم غمِ سبطِ شہِ لولاک کیا
تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن
جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

مرثیہ ۱

جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت و صولت قاسمؑ
جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
فوج اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسمؑ
غل پڑا جنگ کو فرزند حسنؑ آتا ہے
لاکھ سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے

۲

خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ
نونہال چمن حضرت شبرؑ ہے وہ
نور چشم پسر فاتح خیبر ہے وہ
حرب میں شیر الٰہی کے برابر ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہووے گا
آج زور اسد اللہ عیاں ہووے گا

۳

اس کے پوتے کی یہ آمد ہے جو ہوشیار
ضرب حیدر کی محمدؐ نے ثنا کی سو بار
جس کے دادا کے لیے عرش سے اتری تلوار
غیر فرار کا دلبند ہے ہوگا کرار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آوے گا
آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جاوے گا

۴

ایک بولا کہ کوئی رو برو جا سکتا ہے
تاب تلوار کی ان کی کوئی لا سکتا ہے
کوئی شیروں سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے
کوئی ضرب اسد اللہ اٹھا سکتا ہے
سب پہ غالب جو ہوا وہ سو بھی یہ غالب ہیں
جگر و جان علیؑ ابن ابی طالب ہیں

۵

ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر
نہ زرہ روک سکی نیچے ان کے نہ سپر
دونوں بچے تھے چڑھا کب کوئی ان کے منہ پر
بھوک کے پیاسوں سے بہ تنگ آ گیا تھا سب لشکر
کب شجاعت سے انھیں رن میں کسی نے مارا
سچ جو پوچھو تو انھیں تشنہ لبی نے مارا

۶

اب تو قاسم سا دلاور پئے جنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے
بحر مواج شہادت کا نہنگ آتا ہے
کچھ نہیں آنے میں اب اس کے درنگ آتا ہے
وہ نواسے اسد اللہ کے تنہے یہ پوتا ہے
دل لرزتا ہے کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

۷

ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اٹھی دور سے گرد
پیچھے جا کر بس انبوہ سوار نامرد
دشمنوں کے ہوئے نظارے سے جن کے دل سرد
غل یہی تھا کہ وہ آ پہنچا بمیدان نبرد
پھر تو نوشاہ نے سہرے کو اٹھایا رن میں
جلوہ نور الٰہی نظر آیا رن میں

۸

سب پکارے بخدا قدرت یزداں ہے یہ
زینت لشکر ابن شہ مرداں ہے یہ
فلک عز و شرف کا مہ تاباں ہے یہ
چمن فاطمہؑ کا سرو خراماں ہے یہ
رانڈ اب دختر سلطان زمن ہووے گی
بے چراغ اب لحد پاک حسنؑ ہووے گی

۹

کوئی کہتا تھا عجب رشک چمن ہے واللہ
یہی داماد شہنشاہ زمن ہے واللہ
پاس سے تا فرق یہ تصویر حسنؑ ہے واللہ
ہوش سب کھوئے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے واللہ
غم میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اس نے
تین دن گزرے کہ پایا نہیں پانی اس نے

۱۰
ایک کہنے لگا حیرت کی یہ جا ہے واللہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے یہاں جنگاہ
شب کو سنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
کس طرح ماں نے اجازت اسے دی مرنے کی آہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اس نے
کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجا اس نے

۱۱
ایسے دلبر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا
زن بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہ لقا
ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
جیتے دے گا نہ اُسے داغ جواں بیٹے کا
بے یقیں رنگیں وہ سر کھولے چلی آوے گی
اسکو اک زخم لگے گا تو وہ مر جاوے گی

۱۲
عمر سعد ستمگر نے جو یہ ذکر سنا
کوئی ایسا نہیں ہووے جو مہیائے وغا
یعنی قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
بڑھ کے آپ اُس نے یہ دولہا سے بصد عجز کہا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمہارا قاسمؑ
کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ

۱۳
اس لیے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز
دوست رکھتا تھا بہت مجھکو وہ سلطان حجاز
مجھکو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
تم پہ کیونکر کروں دست ستم و جور دراز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے
بخدا روح حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے

۱۴
آ ملو جا کے مری فوج میں لو خلعت و زر
شہ کی الفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر
آپ کے حکم کے تابع رہے سارا لشکر
اپنے عمو ہی کو سمجھاؤ کہ تا رفع ہو شر
ہم خوشی تمکو کریں تم ہمیں خورسند کرو
بھاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو

۱۵
پسر سعد کا قاسمؑ نے سنا جب یہ کلام
پڑھ کے لاحول کہا اس سے کہ اے ابن حرام
مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
بیعت فاجر و فاسق کہیں کرتا ہے امام
سمجھتا ہے تو بیعت [illegible] واللہ نہیں
حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

۱۶
ہے یہ سرور پسر فاتح صفین و حنین
حامی دیں نبیؐ فاطمہؑ کا نور العین
جس کا مرکب تھا صدا کتف رسول الثقلین
کبھی بے دیں کی بیعت نہیں کرنے کے حسینؑ
حیف کچھ غور ذرا دل میں نہیں کرتا ہے
شیر بھی بیعت روباہ کہیں کرتا ہے

۱۷
اور مجھے دیتا ہے ناحق طمع زر ظالم
مجھ پہ آتا ہے تجھے رحم بد اختر ظالم
تو ہے کیا اور ہے کیا تیرا یہ لشکر ظالم
اور باندھے ہے کمر شاہ کے خوں پر ظالم
فاطمہؑ رو دے گی اس بات کا وسواس نہیں
نور دیدہ ہے محمدؐ کا تجھے پاس نہیں

۱۸
سوچ تو دل میں یہ کس پر تو جفا کرتا ہے
احمد و حیدرؑ و زہراؑ کو خفا کرتا ہے
اب بھی نادم ہو ستمگار یہ کیا کرتا ہے
دیکھ کہتا ہوں میں واللہ برا کرتا ہے
انکو مارا تو شہ عقدہ کشا کو مارا
گر انہیں مارا تو محبوب خدا کو مارا

۱۹

اور بھی ہے کوئی اس شہ کے سوا سبط نبیؐ
تین دن سے ادھر اس دشت میں ہے تشنہ لبی
جسکو کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسولؐ عربی
پانی تو پیتا ہے یہ کونسی ہے بے ادبی
وہ تو ہیں دل کے غنی صبر ہی فرماتے ہیں
ننھے بچوں کو مگر پیاس سے غش آتے ہیں

۲۰

یہ سخن سن کے بن سعد ستمگر نے کہا
کہا قاسمؑ نے کہ بس سامنے سے تو ہٹ جا
پانی بے بیعت حاکم تو نہیں ملنے کا
جو بہادر ہیں تری فوج میں ان سب کو بلا
بھوکے پیاسوں کی ہزاروں سے لڑائی دیکھیں
آج قاسمؑ کے بھی ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

۲۱

کہہ کے یہ طیش میں قاسمؑ نے علم کی تلوار
چمکی وہ برق شرربار بفرق کفار
جا لیے فوج سے گھوڑے کو ڈپٹ کر اکبار
سر پہ تن تن پہ سر کا ہوا اک انبار
دم میں وہ تیغ ہزاروں کو فنا کرتی تھی
رشک ہر وار پہ شمشیر قضا کرتی تھی

۲۲

جا کے جس غول پہ شمشیر علم کرتا تھا
لشکر شام کو ہر حملے میں کم کرتا تھا
شیر نیزوں کے نیستاں کو قلم کرتا تھا
جیتا بچ جاتا تھا جو آگے سے رم کرتا تھا
غرق آہن میں جو تھے وہ بھی نہ پاس آتے تھے
ایک ضربت سے تو بس خوف سے مرجاتے تھے

۲۳

گر سوئے میمنہ غازی نے اٹھایا گھوڑا
باگ کو میسرہ والوں کی طرف جب موڑا
اک نمودار کو ان میں سے نہ جیتا چھوڑا
کیا انبوہ کو مسمار صفوں کو توڑا
داد ہر وار پہ شاہ دوسرا دیتے تھے
بارک اللہ کی ہر بار صدا دیتے تھے

۲۴

سن کے نوشاہ صدا اے شہ تفتیدہ جگر
اور لب خشک دکھا کہتے تھے با دیدۂ تر
دور سے کرتے تھے تسلیم ادب سے جھک کر
العطش العطش اے مالک حوض کوثر
جنگ سر کردوں میسر ہو جو تھوڑا پانی
پیاس حضرت کیے دیتی ہے کلیجا پانی

۲۵

شاہ فرماتے تھے ناچار ہوں قاسمؑ کروں کیا
پانی کا قحط ہے اس دشت میں اے ماہ لقا
ابن زہراؑ ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا
تین دن سے نہیں اصغرؑ کو ملا اک قطرا
سہ لو جو رنج ہو یاں اے مرے جانی قاسمؑ
جا کے کوثر ہی پہ اب پیجیو پانی قاسمؑ

۲۶

اتنی باتوں میں لعینوں نے جو فرصت پائی
گھر گیا لاکھوں میں شبیرؑ کا وہ شیدائی
پشت قاسمؑ کی طرف فوج سمٹ کر آئی
ستم و ظلم کی اس ماہ پہ بدلی چھائی
حال تغییر ہوا تشنہ دہن دولہا کا
ہو گیا تیروں سے غربال بدن دولہا کا

۲۷

کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا
جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغوں سے اس مہ کی قبا
خون میں تر ہو گیا منقش کا سہرا سارا
تن جدا زخمی ہوا کنگنا بندھا ہاتھ جدا
دیر تک ٹھہرے رہے خانۂ زیں پر قاسمؑ
برچھی کھا کر گرے گھوڑے سے زمیں پر قاسمؑ

۲۸

نوبت فتح بجانے لگے سب بے ایماں
بن بیاہے کے ہوئے آج شہ تشنہ دہاں
شور تھا قتل ہوا قاسمِ نوشاہ جواں
کریں رنڈسالے کا بیٹی کے لیے اب ساماں
ہم نے داماد شہ تشنہ جگر کو مارا
برچھیوں سے زن بیوہ کے پسر کو مارا

۲۹

پہونچی جب خیمۂ ناموس نبیؐ میں یہ صدا
ماں نے دولہا کی، کلیجے کو پکڑ کر یہ کہا
دفعتہً رنگ رخ اہل حرم زرد ہوا
گیا میدان میں تجھ رانڈ کا بیٹا مارا
نوبت فتح جو میداں میں بجا ہے لوگو
کوس رحلت کی یہ قاسمؑ کے صدا ہے لوگو

۳۰

ماں نے دولہا کی جو سر پیٹ کے یہ بات کہی
کہا زینبؑ سے سنبھالو مجھے اس وقت پھوپھی
دل پہ صدمہ ہوا گھونگھٹ میں دولھن رونے لگی
ضبط کیونکر کروں چلتی ہے کلیجے پہ چھری
اٹھو گھونگھٹ مرا دل سینے میں گھبراتا ہے
اب کوئی آن میں دم تن سے نکل جاتا ہے

۳۱

پڑ گیا خیمۂ ناموس نبیؐ میں کہرام
پہونچے دولہا کے سرہانے جو بحال ناکام
سر برہنہ چلے داماد کے لاشے پہ امام
دیکھیں کیا لوٹتا ہے خاک پہ وہ گل اندام
تھام کر دل کو پکارے مرے پیارے قاسمؑ
اٹھو ہم آئے ہیں لاشے پہ تمھارے قاسمؑ

۳۲

عرض کی کھول کے نوشاہ نے چشم پر نور
اٹھئے تعظیم کو کس طرح ہے بندہ مجبور
میں سرافراز ہوا لائے جو تشریف حضور
گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے سارا بدن چکنا چور
پہلے تو جسم مرا تیروں سے غربال کیا
گر پڑا خاک پہ گھوڑے سے تو پامال کیا

۳۳

سن کے یہ سید بیکس کا جگر کانپ گیا
عرض کی قاسمؑ نوشاہ نے رو کر کہ چچا
خاک پر بیٹھ کے نوشاہ کو گودی میں لیا
مرے پہلو میں کھڑے ہیں حسنؑ سبز قبا
اور ہے اک بی بی وہ اس درد سے یاں روتی ہے
جس طرح سے کسی فرزند کو ماں روتی ہے

۳۴

گود میں چھوٹی سی ہے لاش کھلا ہے سر پاک
درد پہلو سے ہے محزون و ملول و غمناک
بال بکھرے ہوئے ہیں سر کے گریبان ہے چاک
سر پہ ہر مرتبہ کہتی ہے اڑا دشت کی خاک
اب نہیں صبر میں دیتی ہوں دہائی خالق
اہل شر لوٹتے ہیں میری کمائی خالق

۳۵

کبھی منہ چومتی ہیں گود میں لے کر مرا سر
واری اس دشت میں مارے گئے دولہا بن کر
کبھی کہتی ہیں میں قربان ترے سہرے پر
یہ کچھ دولھن کی بھی ہے اے لال ذرا تم کو خبر
ہائے پردیس میں قسمت نے اسے لوٹا ہے
میری کبریٰ پہ مصیبت کا فلک ٹوٹا ہے

۳۶

سن کے قاسمؑ کا بیاں یہ شہ والا نے کہا
کس طرح پیٹ کے سر روئیں نہ اماں زہراؑ
اے مری جان وہ ہے دختر محبوب خدا
رانڈ ہوتی ہوئی مارا گیا پیارا پوتا
چاہیے روئیں کہ بیکس بھی ہو ناشاد بھی ہو
تم تو ہاں کے مرے پوتے بھی ہو داماد بھی ہو

۳۷

یہ سخن سنتے ہی نوشاہ نے لی خُلد کی راہ
درِ خیمہ پہ جو ہیں ہو پہنچے بہ احوالِ تباہ
لاش کو ڈال کے گھوڑے پہ چلے خیمے کو شاہ
کہا چلّا کے یہ زینبؑ سے بہ صد نالہ و آہ
لاش گھوڑے سے اُتروانے کو آؤ بہنا
فاطمہؑ رانڈ کو رنڈسالہ پنہاؤ بہنا

۳۸

سن کے یہ پیٹتی سر خیمے سے زینبؑ دوڑی
بولے شہ لاش میں لایا ہوں بنے قاسمؑ کی
پوچھا کیوں روتے ہو کیا قہر ہوا ہے بھائی
دولھا مارا گیا اک شب کی دُلھن رانڈ ہوئی
لاش لے جاؤ تم اب مرنے کو میں جاؤں گا
اپنا منھ فاطمۂ کبرا کو نہ دکھلاؤں گا

۳۹

سُن کے یہ زینبِ بے کس کا عجب حال ہوا
بولی پھر بھائی سے اے سبطِ رسولِ دوسرا
ہائے قاسمؑ کہا اور ہاتھوں سے سر پیٹ لیا
آپ کا خیمے میں اس دم ہے مناسب چلنا
مادرِ قاسمؑ مقتول کو پُرسا دیجئے
رانڈ بیٹی کو ذرا چل کے دلاسا دیجے

۴۰

گھر گئے روتے ہوئے ناچار شہِ جنّ و بشر
دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر
لاش داماد کی مسند پہ لٹا دی رو کر
خاک پر بانو گری تھام کے ہاتھوں سے جگر
شرم سے منھ بھی نہ رونے کو دُلھن ڈھانپتی تھی
بید کی طرح سے سر تا بہ قدم کانپتی تھی

۴۱

آ کے تب زینبِؑ بے کس نے کہا یہ رو رو
رانڈ ہو خاک تم اس چاند سے چہرے پہ ملو
شرم اب کیسی ہے واری گئی منھ گھونگھٹ اُلٹو
بولی وہ ہائے پھوپھی جان یہ کیا کہتی ہو
یہ مجھے چھوڑ گئے خاک اُڑانے کے لئے
کیا بنایا تھا دُلھن رانڈ بنانے کے لئے

۴۲

بین یوں کرنے لگی لاش پہ پھر وہ دُکھیا
آہ ہستی سے سوئے خلد سدھارے تنہا
ہائے یہ ابنِ حسنؑ مجھ سے یہ تم کر گئے کیا
اور دُلھن کو بھی نہ خدمت کے لئے ساتھ لیا
وجہ آزردگی کیا تھی کہ جو منھ موڑ گئے
آپ جنت کو گئے مجھ کو یہاں چھوڑ گئے

۴۳

میرے وارث مرے والی میں تمھارے قرباں
چاند سی چھاتی پہ ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشاں
میرے بابا کے لئے خوں میں ہوئے تم غلطاں
کیا کروں ہائے نکلتی نہیں تن سے مری جاں
دیکھتی ہوں میں جو قسمت مجھے دکھلاتی ہے
بدنصیبوں کو بھلا موت کہیں آتی ہے

۴۴

کہہ کے یہ کھول دیے گوندھے ہوئے سر کے بال
کہتی تھی رو رو کے اے سیدِ مسموم کے لال
خاک پر ماتھے سے سہرے کو دیا توڑ کے ڈال
تم ہوئے قتل ملا خاک میں میرا اقبال
بدتر از موت ہے مجھ رانڈ کا جینا صاحب
کس طرح کاٹوں گی بچپن کا رنڈاپا صاحب

۴۵

تم نے تو قتل کے میداں میں کٹائی گردن
باندھیں گے کنگنے کی جا دستِ حنائی میں رسن
سرِ عُریاں پہ ردا لا کے اُڑھائے گا کون؟
کھینچیں گے اب مجھے بے وارث و بے کس دشمن
کوفہ و شام میں سر ننگے پھرے گی یہ دُلھن
قید سے آپ کی بیوہ کو چھڑائے گا کون

۴۶

بَین یہ ہوتے تھے جو دولھا کی مادر آئی
ساس نے پیٹ کے سر بات یہ تب فرمائی
قصہ ایک کشتی میں رنڈسالے کا جوڑا لائی
ہائے تو لٹ گئی اے میری بہو دُکھ پائی
دل کا میرے کوئی ارمان نکلنے نہ دیا
ہائے یہ جوڑا ابھی قسمت نے بدلنے نہ دیا

۴۷

سامنے لا کے جو رنڈسالے کا جوڑا رکھا
صاحبو اس کے پہنانے سے کہا فائدہ کیا
پیٹ کر سینہ و سر کہنے لگی تب زہرا
رو کے تب مادر ناشاد نے بیٹی سے کہا
رسم دنیا کی ہے اے بے کس و غمناک یہی
پہنو صدقے گئی رانڈوں کی ہے پوشاک یہی

۴۸

کھینچ کر آہِ حزیں بولی یہ اک شب کی دُلہن
آتشِ غم سے پھنکا جاتا ہے مجھ رانڈ کا تن
دل کی حالت کہوں کس سے میں گرفتارِ محن
پہنوں رنڈسالہ میں ہے ہے نہ ملے ان کو کفن
بیٹنے کو کسی جنگل میں بٹھا دو مجھ کو
ایک کالی کفنی لا کے پنہا دو مجھ کو

۴۹

لاش سے دولھا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو
بیاہ کا جوڑا جو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو
رات کے جاگے تھے بس سو چکے صاحب اٹھو
اب پہنتی ہوں میں رنڈسالے کا جوڑا دیکھو
والی حق میں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو
سادے کپڑے نئی دُلہن کو پہنواتے ہو

۵۰

کہہ کے یہ اوڑھنی سر پر سے اُتاری رو کر
کہتی تھی بیٹھ کے سرہانے مرے بیکس سرور
اور اُڑھایا اسے دولھا کے تنِ زخمی پر
دے گا کاہے کو کفن تم کو کوئی بداختر
یہ نشانی تھیں اے سوختہ تن دیتی ہوں
اپنے سر کی تھیں چادر کا کفن دیتی ہوں

۵۱

سن کے یہ بَین پڑی پیٹنے کی خیمے میں دھوم
آئے تب روتے ہوئے خیمے میں شاہِ مظلوم
چھاتیاں پیٹتی تھیں زینبؑ و اُمِّ کلثوم
لے گئے لاشۂ نوشاہ بہ حالِ مغموم
کھول کر بالوں کو ماں دولھا کی چلانے لگی
گریۂ فاطمۂ زہرا کی صدا آنے لگی

۵۲

فرسِ خامہ کی اب تو بھی عناں تھام انیس
ہوا احوال میں سرور کے ترا نام انیس
روئے سے مجلسِ ماتم میں ہے کہرام انیس
کر دُعا حق سے یہ رو کر سحر و شام انیس
جیتے جی بس اسی غم میں مجھے دن رات کٹے
ابنِ زہرا ہی کی مداحی میں اوقات کٹے

رباعی

جھک جھک کے تو منہ ابنِ حسنؑ نے دیکھا
آنسو نکل آئے مگر آنکھیں نہ کھلیں
لیکن نہ سکینہؑ کی بہن نے دیکھا
لاش آئی تو دولھا کو دُلہن نے دیکھا

رباعی

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
سینے میں کھلے ہیں گل داغِ غم شاہ
کیا خوب فضا ہے چمنِ ماتم ہے
گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

مرثیہ

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں بہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

۲

سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے

۳

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریباں پھٹیں گے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

۴

بندہ وہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
بہتر ہے اُٹھے جتنا سبک بار مسافر
اک جان ہے موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

۵

جو اہلِ حرم پردۂ عصمت میں ہیں مستور
مسکن سے نئی رانڈ نہ نکلے یہ ہے دستور
کھل جائیں گے انبوہ میں اُن کے سرِ پُر نور
ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے یہ مقہور
غش ہوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی
زہراؑ کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

۶

مرتا ہے پدر جس کا اُسے دیتے ہیں پُرسا
آزار میں عابدؑ پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی ایذا
لیجائیں گے تا شام اسے کانٹوں پہ اعدا
اک حشر بپا تخت میں اور طوق میں ہوگا
بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہوگا

۷

یہ کہہ کے بڑھے بہرِ تیمم شہِ صفدرؑ
وہ صوتِ حسنؑ اور وہ خوش الحانیٔ اکبرؑ
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبرِ سرور
ہر شخص کو یاد آگئی آوازِ پیمبرؐ
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

۸

اکبرؑ کی صدا سنتے ہی زینبؑ یہ پکاری
قربان موذن کے نمازی کے میں واری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمھاری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرتِ باری
ہر شام یوں ہی طاعتِ معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

۹

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی
ابرار جہاں فخرِ زمان صفدر و غازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
تھی اُن پہ خدا کی نظرِ بندہ نوازی
دنیا میں یہ رتبے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج بھی تھی ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۰

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں
مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی اِدھر آئیں
اک جوش محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

۱۱

تسبیح و وظائف سے ہوئی جب کہ فراغت
بس ہو گئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت
حضرت نے پڑھی اٹھ کے محمدؐ کی زیارت
فرما کے یہ ان سب سے گئے خیمہ میں حضرت
باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

۱۲

یاں لشکرِ اسلام مسلح ہوا سارا
تھا رانڈوں کے حلقے میں یداللہ کا پیارا
واں کفر کی فوجیں ہوئیں میدان میں صف آرا
چلاتی تھیں سب ہائے مددگار ہمارا
پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہؑ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہؑ

۱۳

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیرؑ بصد یاس
مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و راس
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباسؑ
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیرؑ کی بو باس
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسیں کا
پردہ جو اٹھا کھل گیا در خلد بریں کا

۱۴

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفدر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
تھرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
تھا رعب حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر
اس فوج کا مالک پسرِ شاہِ نجف تھا
کثرت تو ادھر تھی پہ خدا ان کی طرف تھا

۱۵

چلوں سے ملاتے تھے جو ناوک قدر انداز
تھا عشقِ جگر گوشۂ زہراؑ پہ انھیں ناز
ہنستے تھے اِدھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
غل تھا کہ زہے فوج زہے شاہ سرافراز
پہلو سے جدا سرورِ نامی کے نہ ہوں گے
باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے

۱۶

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیرؑ
شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
آخر میں نواسا ہوں تمھارے ہی نبیؐ کا

۱۷

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتا دو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیرؑ بتا دو
سرزد ہوئی ہے کون سی تقصیر بتا دو
شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتا دو
رو دے گی اگر بنتِ نبیؐ عرش ہلے گا
بربادیِ سادات سے کیا تم کو ملے گا

۱۸

بے کس جو ہیں چین اہلِ جہاں دیتے ہیں اُس کو
لب تشنہ جو ہو آبِ رواں دیتے ہیں اس کو
گھر چھوڑ کے جو آئے مکاں دیتے ہیں اُس کو
طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اُس کو
مہمان سے یوں ترکِ مروت نہیں کرتے
تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے

۱۹

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
یہ اُس پہ تعدی جو بلا میں ہوں گرفتار
کیا وجہ جو تم سب ہو مرے درپئے آزار
حاجی بھی ہوں اور قبرِ نبی کا بھی ہوں زوّار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

۲۰

بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
دُکھ درد میں کیا پاس تمھارا کیا میں نے
اس گرمی میں دریا سے کنارہ کیا میں نے
کچھ اپنے نہ آرام کا چارہ کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا
دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوا نہیں کرتا

۲۱

یہ سن کے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار
بے سود یہ تقریر ہے یا سیّدِ ابرار
بیعت نہیں منظور تو پھر لیجئے تلوار
جلّادوں سے خواہانِ اماں آپ عبث ہیں
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

۲۲

حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری
ہاں بے کس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری
کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے

۲۳

اعدا سے یہ کہہ کر جو پھرے سیدِ خوش خو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
تھرا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حُر کی ٹپکنے لگے آنسو
منھ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا

۲۴

کانپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حُر جری نے اُس سے یہ بات سنائی
سید پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

۲۵

شہزادۂ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بے کس کے لئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
بے جرم نبی زادے کے درپے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

۲۶

لڑتا ہوں تو بربادیِ عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یزیدِ ستم آرا نہ لڑوں گر
قتلِ پسرِ فاطمہ ہے قتلِ پیمبر
بچے ہوں مصیبت میں گرفتار لٹے گھر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن کی بنی ہے
مرجاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے

۲۷

کیا تھی یہی قسمت کہ ہوئے کس کے نمک خوار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھربار
اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدّار
حق جس کی طرف ہے میں اسی کا ہوں طلبگار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں مروں گا

۲۸

چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے
یکتا ہوں مگر ابن علیؑ راہ نما ہے
ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
سب جیتے ہی جی تک ہیں سوال بنیؐ کے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

۲۹

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے جو شبیر کیا
ساتھ اُس کا میں دوں گا کہ جو ہے بیکس و تنہا
بولا حُرِ دیں دار کہ خوشنودیِ زہرا
فرزندِ نبیؐ نورِ خدا سیّدِ بطحا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وفا میں وہ جری ہے

۳۰

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے شہادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عین عبادت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترکِ رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم

۳۱

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں
سو جینوں کو صدقے شہِ والا پہ اتاریں
دنیا کے لئے بندۂ مقبول کو ماریں
ہمراہیِ غدار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اس مال پہ لعنت

۳۲

عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر
دنیا میں نہ ہو گا عمرِ سعد سا بے پیر
گر لاکھ ہوں جائیں تو نثارِ سرِ شبیرؑ
کہیے تو کروں اس کے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
اس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے

۳۳

حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدرِ جرار
آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہو لیں تو لڑیں گے
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے

۳۴

یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
بولا وہ لعیں دست بجس پھیر کے منھ پر
پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبرؐ
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۳۵

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبرؐ
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے سرورؑ
یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
پنجے میں ہے تیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر
چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر

۳۶

تھرا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
باز آ ستم و ظلم و تعدی و جفا سے
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دیں دار لڑے ہیں
سادات ہیں یاں کے حقِ اُمت پہ بڑے ہیں

۳۷
چھوڑا ہے پیمبرؐ نے امانت انھیں ہم میں
اللہ ترحم میں خوشی ہے کہ ستم میں
روتے گئے دنیا سے نبیؐ آل کے غم میں
بیٹے کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں
سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
چھد جائے گا دل کس کا جو تیر انپہ چلیں گے

۳۸
بس زرد ہوا سن کے یہ باتیں وہ سیہ رو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
بولا کہ بجھے کہتا ہے مردود خدا تو
اللہ یہ اوصاف یہ مدح شہ خوش خو
جابر ہے یزید اسکا بھی کچھ خوف نہیں ہے
ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے

۳۹
صالح ہو کہ طالح ہو کسی سے ہمیں کیا کام
مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام
طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
سکتے میں ہے سن کر تری باتیں سپہ شام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
ڈنکا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو

۴۰
برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمک خوار
مانا کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں شہ ابرار
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
آپڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرار
جنگ احد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
وہ کون تھے آخر جو پیمبرؐ سے لڑے ہیں

۴۱
حرؑ نے کہا اب مجھ کو کسی کا نہیں کچھ دھیان
زہراؑ کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان
سید پہ مرا ہاتھ اٹھے یہ نہیں امکان
گھر شام میں لٹ جائے یہ ضائع نہ ہو ایمان
جنت ہے گھر اس کا جو غلام شہ دیں ہے
لیتا ہوں وہ دولت کہ نہ جس کو نہیں ہے

۴۲
شیطاں تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر
دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر
بیٹا ہے وہ سوجھے جسے انجام کی تدبیر
کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکم بے پیر
گر سبط پیمبرؐ پہ ترا زور چلے گا
تو تا بہ ابد نار جہنم میں جلے گا

۴۳
بے لعن نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام
بربادئ عقبیٰ ہے اس آغاز کا انجام
کام آئے گا خلعت یہ پس از مرگ نہ انعام
بے کس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا
دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا

۴۴
بیٹے نے کہا حرؑ سے کہ اب خلد میں چلیے
آنکھیں قدم قبلۂ کونین پہ ملیے
ہوتی ہے بس اب دیر جہنم سے نکلیے
چل کر چمن فاطمہؑ میں پھولیے پھلیے
ضائع سخن حق کا یہ مردود نہ ہوگا
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

۴۵
بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار
یہ پند بھی بے جا ہے نصیحت بھی ہے بیکار
ہاں جہل مرکب میں سیہ رو ہے گرفتار
عقبیٰ سے غرض کیا سگ دنیا ہے یہ غدار
بدخواہ جگر بند رسولؐ مدنی ہے
یہ دشمن دیں قابل گردن زدنی ہے

۴۶
چلّایا تو جب آکے غلامِ حسنِ غازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی
غوغو یوں ہی کرتا ہے یہ سگ چھیڑیے نازی
ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیئے سب کو

۴۷
تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیرؑ
سنتا رہا چپکا سخنِ سخت وہ بے پیر
سید سے کئے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

۴۸
اسلام کی سرحد میں جو پہنچے وہ نکوکار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حُرِ دیندار
رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے

۴۹
مشہورِ دو عالم ہے تری ہمتِ عالی
سر پر ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
توبہ کے لئے آیا ہوں اے خلق کے والی
انصار نہیں قوم قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

۵۰
مولا ستمِ لشکرِ اظلم سے بچائیے
آتا غضبِ خالقِ عالم سے بچائیے
انبوہِ جور و الم و غم سے بچائیے
اے مالکِ فردوس جہنم سے بچائیے
یہ اہلِ جفا دشمنِ مشا و مدنی ہیں
ان سب میں نہیں پانچ جواں پنجتنی ہیں

۵۱
اے خلق کے سرور ترا احسان ہے مجھ پر
اے سبطِ پیمبر ترا احسان ہے مجھ پر
اے خاصۂ داور ترا احسان ہے مجھ پر
اے مالکِ کوثر ترا احسان ہے مجھ پر
اس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا

۵۲
حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا اس رات
اِتنی ہے اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
فرمایا تھا مولا نے بہ صد لطف و مدارات
اے مخبرِ صادق مجھے بھولی نہیں وہ بات
کیا وجہ جو خادم پہ تلطف نہیں ہوتا
وعدے میں کریموں کے تخلف نہیں ہوتا

۵۳
ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
حضرت کی دعاؤں سے یہاں تک مجھے لائی
پھر بعد ملاقات نہ ہوئے گی جدائی
کر دیجے بندھے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی
ہر چند گنہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں

۵۴
حضرت نے سنا حُر کا جو یہ نالۂ جانکاہ
آ اے مرے ہمدرد مددگار ہوا خواہ
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذی جاہ
بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
اشارہ ہے کیوں دور تردد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

۵۵

جس حال میں ہو آکہ مرا گھر ترا گھر ہے
کاشانۂ تخت دل حیدر ترا گھر ہے
ماتم کدۂ آل پیمبر ترا گھر ہے
جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آل نبی ہیں

۵۶

زندہ ہے جو مرتا ہے محبت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہے طینت میں ہماری
سب اجر ہے طاعت کا اطاعت میں ہماری
بگڑا ابھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
دشمن سے دل صاف میں کینہ نہیں رکھتے
کچھ جس میں کدورت ہے وہ سینہ نہیں رکھتے

۵۷

اکبرؑ سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
حیدرؑ کے نواسے ہیں کدھر اُن کو بلاؤ
عباسؑ سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
قاسمؑ سے کہا خلق حسنؑ اس کو دکھاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہے پیارو
مہمان کے لے آنے کا دستور ہے پیارو

۵۸

ارشاد پدر سن کے بڑھے فوج سے اکبرؑ
قاسمؑ بھی چلے اسپ صبا دم سے اُتر کر
ہمراہ ہوئے ماہ بنی ہاشم و صفدر
لینے کو پیادہ گئے زینبؑ کے بھی دلبر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گلبدن آئے
سمجھا وہ کہ لینے کو مرے پنجتن آئے

۵۹

پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
چھاتی سے لگا کر اسے بولے علیؑ اکبرؑ
شہزادو گنہگار ہے یہ بندۂ احقر
گھبرا نہ عطا پوش خطا پوش ہیں سرور
یہ عین عنایت ہے قسم ہم کو خدا کی
آنکھیں تری جانب ہیں امام دوسرا کی

۶۰

عباسؑ نے فرمایا کہ اے حُر وفادار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
تو اُن کے کرم سے ابھی واقف نہیں زنہار
بخشائیں ابھی تجھ سے اگر سو ہوں گنہگار
ممکن ہے کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کریں گے

۶۱

اکبرؑ نے لیا ہاتھ میں دستِ حُر ذی جاہ
قاسمؑ تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ
عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علم شاہ
زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

۶۲

احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
ممتاز ہوا قرب شہ دیں کے شرف سے
حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
لپٹا قدم تخت دل شاہ نجف سے
زردی جو گئی رنگ سرور آ گیا منہ پر
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آ گیا منہ پر

۶۳

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
غفار ہے وہ رحم ہے گنہ بخشنے والا
اوج اُس کے لئے ہے جو جھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

۶۴
کھولے جو بند ہے بندِ حُرِ بے سروپا کے
صدقے ترے اے بندۂ مقبول خدا کے
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کے
سب ہیں ترے ناخن میں ہنر عقدہ کشا کے
عصیاں کی جو دہشت تھی وہ بالکل گئی مولا
صدقے سے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا

۶۵
توبہ سے فراغت حُرِ غازی نے جو پائی
مقبول خدا ہے جو کرے تجھ سے بھلائی
اس وقت صدا ہاتفِ غیبی کی یہ آئی
دی حق نے اسے آتشِ دوزخ سے رہائی
باعث یہ پڑا تھا کہ نہ جلادوں میں لکھا
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا

۶۶
شہ بولے کہ تھا رنج و تردد میں سحر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جنّ و بشر سے
آرام کرو اب کھول کے ہتھیار کمر سے
اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے
ہو جائے گی بند آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے

۶۷
فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہے دستور
فاقہ بھی کئی دن سے ہے پانی سے بھی ہیں دور
شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
خیر اب وہی ہو جائے گا جو ہے ہمیں منظور
محبوبِ الٰہی تری امداد کریں گے
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے

۶۸
دُنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گزر ہے
دیکھا جسے اس میں وہ مہیائے سفر ہے
اک دم میں ادھر ہے بشر اک دم میں ادھر ہے
رہنا ہے جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہے
پہلے سے اسے بھیج دے جو تجھ کو ملا ہے
اس گھر کا چراغ آلِ محمدؐ کی ولا ہے

۶۹
ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلا تجھ کو ملے گا
قربِ اسدِ قلعہ کشا تجھ کو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہی جی حق نمک کا یہ تصدّق ہے برادر
حصّے میں ہمارے ترا حصّہ ہے برادر

۷۰
کی دستِ ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
بھوکا اسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
چلّوں سے ملے تیر علم کھل گئے اک بار
ڈنکے پہ ادھر چوب پڑی لشکرِ کیں میں
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں میں

۷۱
عباسؑ نے کھولا علمِ فوجِ پیمبرؐ
کی عرض پدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھ کر
جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اس فوج سے سرور
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے

۷۲
ہم شکلِ پیمبرؐ جو بڑھے سن کے یہ احکام
کی عرض یہ منت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام
شہزادے کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش انجام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
حسرت ہے کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں

۷۳

فرمایا بہ شفقت علی اکبر نے کہ اچھا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سید بطحا
ساتھ اس کو لیے آئے حضور شہ والا
پہلے حر غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بھیجیں اسے گر حکم امام مدنی ہو
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو

۷۴

حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
بے کس کے عزیز و رفقا چھوٹے ہیں سارے
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
آیا ہے ابھی اور ابھی کہہ دوں کہ سدھارے
دم بھر نہیں گذرا کہ ملاقات ہوئی ہے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے

۷۵

پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
میں بھی متردد تھا حواس اس کے بھی تھے گم
دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
دستے جو سپاہ ستم و جور کے آئے
آئے بھی جو لب پر سخن اُس طور کے آئے

۷۶

اب تو ہیں بلاشبہ ہم اس کے یہ ہمارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہے کنارا
پیارے جو ہم اِس کو ہیں تو یہ ہے ہمیں پیارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہے گوارا
محجوب ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہے
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہے

۷۷

اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
بے تابی تحصیل سعادت ہے یہ مانا
مشتاق محبت کو ہنساتے ہی رُلانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گذرا ہے زمانا
کیوں کر ہو کہ تلواروں سے بیدم اسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے نہیں ہم اسے دیکھیں

۷۸

یہ دوست اسی طرح مدینے میں جو آتا
جس شے کی تمنا اسے ہوتی وہی پاتا
خود اٹھ کے حسینؑ ابن علیؑ ہاتھ دھلاتا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
بے حسن طلب دیتے ہیں جو اہل سخا ہیں
خیر آج تو ہم آپ گرفتار بلا ہیں

۷۹

کس پر ستم گردش دوراں نہیں ہوتا
کس کو الم فرقت مہماں نہیں ہوتا
دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا
ہے کون سا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا
دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
اک دوست کی ہے قبر کہیں اک کی کہیں ہے

۸۰

حر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی
گر کر قدم شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
مر جاؤں گا پہلے جو رضا رن کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

۸۱

بے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی
حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی
توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
حر ہو گیا دوزخ سے وہ حرمت مجھے بخشی
یہ سب تو ملا اذن وغا بھی مجھے دیجے
پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے

۸۲

مجھسے کوئی پوچھے تو میں کیا لیکے چلا ہوں
سیّد کی غلامی کا صلا لیکے چلا ہوں
مقبول الٰہی کی دعا لیکے چلا ہوں
کافی ہے ابد تک وہ عطا لیکے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے
رخصت نہیں آزادیٔ دوزخ کی سند ہے

۸۳

مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے
اکسیر غبارِ درِ شبیرؑ ملی ہے
غبطہ ہے ملائک کو وہ تقدیر ملی ہے
اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے
ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے
یہ زر کسی خاقاں کے خزانے میں نہیں ہے

۸۴

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا
ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
فیاض دو عالم ہے ید اللہ کا جایا
کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا

۸۵

ناجی ہے وہی آلِ پیمبرؐ جسے بخشیں
عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں
فردوس میں قصر اس کو ملے گھر جسے بخشیں
سونے کا بنا ہے وہ محل زر جسے بخشیں
وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا
اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا

۸۶

گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
کس کشت پہ مینھ فیض کا برسا نہیں دیتے
اس حسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے
کہدے کوئی یہ خیر کبھی اور نے کی ہے
اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

۸۷

شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبیؐ کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبیؐ کے
یہ بعد علیؑ کے ہیں علیؑ بعد نبیؐ کے
ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبیؐ کے
وہ کون سی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
اک فخرِ نبوت کے سوا کیا نہیں ان میں

۸۸

کی حُر نے فصاحت سے جو مداحیِ سرور
اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
نہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مداح کا نعماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مری حُر کو اُڑھا دو

۸۹

اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اُڑھائی
عباسؑ پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
لے خلعتِ رحمت تری امید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے تحفے سے نہ کم جانیو اس کو

۹۰

بولے یہ حبیب ابنِ مظاہر کہ خوشا حال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
کر دیتا ہے قطرے کو گہر سنگ کا لال
سیّد سے بھلا کون سا رتبہ نہ ملے گا
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا

۹۱

رخصت ہوا جب سبطِ نبیؐ سے حُرِ جرار
تسلیم جو کی رُک کے تو رونے شہِ ابرار
چومے قدم شاہ پھر اگر وکئی بار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غم خوار
دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

۹۲

خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
غفار گنہ ہولِ قیامت سے بچائے
ربِّ دو جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو

۹۳

رو کر جو دعائیں اسے دیتے تھے شہِ دین
گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بہ صد عزت و تمکیں
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمین
شادی سے ہوا اور شگفتہ رُخِ رنگیں
اللہ رے ضیا اخترِ طالع کی جبیں پر
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر

۹۴

وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اس کا
منہ دیکھتے تھے جن و بشر دم بہ دم اس کا
بڑھتا تھا سوئے گلشنِ جنت قدم اس کا
غل تھا کہ بڑھا دے جسے چاہے کرم اس کا
تھا صبح ملک ناریوں میں نور ہے اب تو
حُر فوج ستمگار میں تھا حور ہے اب تو

۹۵

اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرار پکارا
آقا ہے مرا عرشِ معلّےٰ کا ستارا
آیا ہے غلام اُس کا علیؑ کا جو ہے پیارا
ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولِؐ دوسرا کے
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے

۹۶

یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرار
بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
اک شیر سا نیزوں میں دھنسا عبدِ وفادار
کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
بس رہ گئیں لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر

۹۷

لاشوں کو اُٹھانے گئے جب قبلۂ عالم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
چھیڑا اخترِ جرار نے شبدیز صبا دم
یہ صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوج گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

۹۸

اللہ رے بہادر مسافرِ دیں کی وہ لڑائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

۹۹

بچ کے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
جو رنگ کے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ ٹکتے تھے زمیں پر

۱۰۰

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا
تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

۱۰۱

ششدر تھے سنگ کہ دو چار اس سے ہوں کیونکر
حلقے میں اجل کے ہوں فرار اس سے ہوں کیونکر
سپر ہوں دغا میں تو سوار اس سے ہوں کیونکر
ہے سیل فنا بیچ میں چار اس سے ہوں کیونکر
جو ہے تو جہاں خوں میں نہایا نہیں جاتا
دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا

۱۰۲

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
بجلی اس کا نظر بندیٔ اعدا پہ تلا تھا
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

۱۰۳

ہر بار تھا حملہ عمر سعد نحس پر
رعب اس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
اڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتی تھی جس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اس پر تو وہ اس پر
سر پاؤں ملے بیٹھے تھے بیدادگروں کے
ٹکرانے سے بال آ گئے کانوں میں سروں کے

۱۰۴

غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ دے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
تلوار یہ ہے تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں پرے پنجتنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے محبوں میں نیا ڈھنگ ہے اسکا
جو راکب و مرکب ہے وہ چورنگ ہے اسکا

۱۰۵

بے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر
چمکی تو ادھر اور ادھر آ گئی شمشیر
دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
ٹکڑے کیا اس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی

۱۰۶

جو دشمن دیں تھا اسے پہچانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
تا بیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

۱۰۷

بے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف شرارے نظر آئے
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
اس تیغ کا جل تھل تھا کہ عدو خوں میں نہاں تھے
جب سامنے تیغ آ گئی سب پھول خزاں تھے

۱۰۸

گر حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
پانی میں اثر زہر ہلاہل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
سر پر تھی وہ جب تک کہ عدو راہ عدم لے
کیا دخل جو بے دم کیے دم بھر کہیں دم لے

۱۰۹

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منھ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
مارا تھا قدم اس نے شجاعت کے چلن پر
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر

۱۱۰

اُڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
رہوار نے کچلا اُسے جس نے جسے مارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
ایسا تو سبک رَو فرس برق شرر ہو
بجلی پہ ہو بیٹھی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

۱۱۱

کھانے لگی گھوگھٹ جو سپاہِ ستم آرا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
بڑھ کر عمر سعد جوانوں کو پکارا
گھیرو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے
ہاں نیزے لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

۱۱۲

آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالم و غدّار
بتلا انھیں انداز وغا کھینچ کے تلوار
غیرت ہے تو آ سامنے تو پھیر کے رہوار
کیوں صورتِ روباہ دکھاتا ہے جفا کار
تو دشمنِ لختِ جگرِ شیرِ خدا ہے
اُس صف سے نکل کر جو اِدھر آ تو مزا ہے

۱۱۳

بندہ ہوں میں اُن کا وہ جو شیروں سے لڑے ہیں
لوہے کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں
خیبر پہ نشان دین کے لشکر کے گڑے ہیں
سکّے اسد اللہ کی ضربت کے پڑے ہیں
شمشیر قوی قلعہ شکن ہے اسی گھر میں
اُس ضرب کے سکّے کا چلن ہے اسی گھر میں

۱۱۴

وہ قلب ہے جس قلب میں بغض اُن کا بھرا ہے
ہر طرح پرکھ لے گا جسے فہم ذرا ہے
ٹکسال سے باہر ہے شقی دوسرا ہے
کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سُنے گا
وہ سامنے مالک کے جہنم میں پھُنکے گا

۱۱۵

کہہ کر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
رہوار تڑپ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
مضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھار ہوئی دُور سے تیروں کی جری پر

۱۱۶

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس
دم بھر میں لہو ہو گیا جرّار کا ملبوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
رخ زرد تھا گلزار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ مو سے

۱۱۷

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے اک بار
جو آ گیا زد پر اسے بھیجا طرفِ نار
مجروح سے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار
تب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

۱۱۸

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
نعمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

۱۱۹

روتا تھا وفاداری کی مرکب پہ یہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اڑا کر
جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
نعماں کی خبر لیجئے یا سبط پیمبر
خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

۱۲۰

آواز علیؑ آئی کہ اے محسنِ دلاور
بالیں پہ تری میں تو ہوں شبیر نہیں گر
تیار ہے فردوس معلیٰ میں ترا گھر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
میں پاس ہوں پھر کس لیے گھبراتا ہے بھائی
روتا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی

۱۲۱

پیاسا ہے تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہو گر ان کا تو حوروں کو بلائیں
بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقدہ کشا ہیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اسکی دوا ہیں

۱۲۲

اعدا نے ادھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ دور سے حُر کو سخن طنز سنائے
نکلا پسر سعد لعیں چتر لگائے
کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اٹھائے
اس وقت کوئی آ کے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

۱۲۳

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی
اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
نعمان میں تلوار پہ تلوار تو کھائی
ہاں مرتبہ اُس وقت شہیدوں میں بڑھے گا
جب نوکِ سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا

۱۲۴

گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار
پاس آ کے سخن کر تو سنوں میں تری گفتار
کیا ہرزہ درائی ہے یہ او ظالم و غدار
زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
ڈرتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر
مرتا ہوں پہ مُردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

۱۲۵

رتبہ جو ملا ہے مجھے تو کیا اُسے جانے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِ دوسرا نے
تو کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
دیکھو ہیں محمدؐ ہیں یداللہ سرہانے
سر عرش پہ اُنکا ہے جو رتبے میں بڑے ہیں
حوریں لیے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں

۱۲۶

تجھ سا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا
اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ مانا
صدقے ہوا اُس پر کہ نبیؐ جس کے ہیں نانا
بینا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

۱۲۷

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے
شدّاد کو دم بھر کی نہ مہلت دی قضا نے
کیا ہو گئے قاروں کے وہ چالیس خزانے
گر کر کسی خود سر کو سنبھلتے نہیں دیکھا
موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

۱۲۸

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے
کیا غم ہے جو لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہے
دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت مرا گھر ہے
زانوئے مبارک پہ علیؑ کے مرا سر ہے
توقیر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

۱۲۹

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُرِّ جگر افگار
جلّاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار
سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ ستمگار
بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اٹھنے کی نہیں ضرب دل ابن ولی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغ علیؑ کی

۱۳۰

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ
ریتی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسد اللہ
ہمال سے بیٹھ کر یہ پکارے شہِ ذی جاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

۱۳۱

کچھ مجھ سے وصیت تو کر اے حُرِّ دلاور
رکھ لے مرے زانو پہ سر اے حُرِّ دلاور
خوں ہے ترے غم سے جگر اے حُرِّ دلاور
نزدیک ہے شاید سفر اے حُرِّ دلاور
پھر بعد ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی
جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

۱۳۲

کچھ بات کر اے یارِ وفادار ہمارے
اے صف شکن! اے صفدر و جرّار ہمارے
اے عالمِ غربت کے مددگار ہمارے
تا حشر تجھے روئیں گے غم خوار ہمارے
رتبہ ہے ترا سب سے دو بالا شہدا میں
اک دن ترے حصے کا ہے ایامِ عزا میں

۱۳۳

خم ہو کے پکارے یہ حبیب ابن مظاہر
بے تاب ہے بھائی ترا صاحب تری خاطر
آ ہوش میں اے منزلِ جنت کے مسافر
کر نورِ نبی کی زیارت دمِ آخر
دیکھ اپنے طرف آنکھ کو کیوں بند کیے ہے
فرزندِ نبیؐ سر ترا گودی میں لیے ہے

۱۳۴

سن کر یہ صدا حُر نے جو آنکھوں کو کیا وا
جلدی قدمِ شاہ پہ منھ مل کے یہ بولا
سر حضرتِ شبیرؑ کی آغوش میں دیکھا
صدقے ترے الطاف کے اے سیّدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا
ذرّہ تھا یہ اب مہرِ منور ہوا آقا

۱۳۵

غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پُر نم
ارشاد یہ فرماتے تھے جو سیّدِ عالم
صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
لے آئے ہیں اے حُر ترے لینے کے لیے ہم
شبیرؑ کا جو دوست وہ پیارا ہے نبیؐ کا
تو آج سے مہمان ہے رسولِ عربیؐ کا

۱۳۶

مجھ پر حسنؑ و جعفرؑ و حمزہ کا ہے یہ پیار
ارشادِ علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار
جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہے یہ غم خوار
زخمی ہے جدا کیجو یوں روح بدن سے
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

۱۳۷

غرفوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے
اے شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
وہ جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
شبیرؑ کا مہمان ہے سب یہ ترے حق ہیں
یہ حُلّۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں

۱۳۸

اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
چلّاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
دو حوریں ہیں تھامی ہوئی چادر کو سنبھالے
ہے ہے پسرِ فاطمہؑ کے چاہنے والے
شبیرؑ پہ غربت میں ستم ہو گیا ہے ہے
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہے ہے

۱۳۹

ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہے ترا غم
آتی ہے جو رونے کی صدا خیمے سے اس دم
یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہے ترا ماتم
احوال یہ ہے زینبؑ آوارہ وطن کا
جو بھائی کے مر جانے میں عالم ہو بہن کا

۱۴۰

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکارا حرِ دیندار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
صدقہ ہے یہ سب آپ کا یا سیدِ ابرار
جس کے لیے روئیں حرمِ احمدِؐ مختار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا
میں ثانیِ سلمان و ابوذر ہوا آقا

۱۴۱

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے جو موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خونبار
تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
مڑ کر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدارِ امامِ ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۴۲

لاش اس کی اٹھا کر شہِ دیں ڈیوڑھی پہ لائے
حر کے لیے سیدانیوں نے اشک بہائے
پردے کے اُدھر اہلِ حرم پیٹتے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
عقبیٰ بھی سنور جاتی ہے جب کام ہو ایسا
یوں عشق میں مر جائے تو انجام ہو ایسا

۱۴۳

خاموش انیسؔ آگے نہیں طاقتِ گفتار
آقا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
جاں کاہ ہے افسانۂ خستہ جگر افگار
اب روضۂ اقدس پہ بلائیں شہِ ابرار
بندہ درِ مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے
محرومِ زیارت سے یہ مہجور نہ رہ جائے

رباعی

حُر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح ہو پہنچتا وہ جری
اک غلغلۂ جنت اکرم اللہ ہوا
شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہوا

مرثیہ

جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا
دامانِ شب میں لشکرِ انجم نہاں ہوا
اور جلوۂ خطوطِ شعاعی عیاں ہوا
مصروفِ ذکرِ حق شہِ کون و مکاں ہوا
واں طبلِ جنگ بجنے لگا رزم گاہ میں
تکبیریاں بلند تھی ناموسِ شاہ میں

۲

وہ صبحِ قتلِ شہ تھی عجب صبح ہولناک
بے چین تھی لحد میں محمدؐ کی روحِ پاک
زہراؑ کی بیٹیوں نے گریباں کیے تھے چاک
زہراؑ پکارتی تھی یہ سر پہ اڑا کے خاک
ہوتا ہے گھر تباہ شہِ مشرقین کا
دنیا سے آج کوچ ہے میرے حسینؑ کا

۳

تھا بس کہ روزِ قتلِ امامِ فلک جناب
کہتا تھا منہ پہ رکھ کے فلک دامنِ سحاب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
سوئے گا آج خاک پہ فرزندِ بوتراب
قدسی تمام مضطرب و اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنجِ لحد بے قرار تھے

۴

تھا نوحہ خواں چمن میں ہر اک مرغِ خوشنوا
کہتی تھی سر پہ خاک اڑا کر یہی صبا
ماتم میں تھا گلوں کا گریباں پھٹا ہوا
اب خاک میں ملے گا یہ گلزارِ فاطمہؑ
کچھ باغیوں کو ڈر نہیں زہراؑ کی آہ کا
لٹتا ہے آج باغ رسالتؐ پناہ کا

۵

بھرتی تھی آہِ سرد ہر اک باغ میں نسیم
کہتی تھی عندلیب کہ فریاد ہے کریم
غنچوں کے دل دھڑکتے تھے تھا روزِ خوف بیم
آئی ریاضِ دہر پہ عجب آفتِ عظیم
پانی نہیں ملا ہے کسی گل عذار کو
لوٹے گی اب خزانِ ستم اس بہار کو

۶

ہر ذی حیات پہ تھا غم و یاس کا ہجوم
دریا کے بند و بست میں تھا ابنِ سعد بوم
میدانِ کارزار میں تھی صف کشی کی دھوم
تھا حکمِ قتلِ سبطِ پیمبر علی العموم
منظور تھا یہی عمرِ بد خصال کو
پانی ملے نہ ساقیِ کوثر کے لال کو

۷

پھر شمرِ بے حیا سے یہ بولا وہ نابکار
رہ قلبِ فوج میں کہ تو ہے آزمودہ کار
ہیں سوئے میمنہ تو جواں آٹھ تو ہزار
تیروں کی فوج شہ پہ رہے ہر طرف سے مار
زخمی کریں یہ سب تنِ اطہر حسینؑ کا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹیو تو سر حسینؑ کا

۸

سن کر سخن عمر کا یہ بولا وہ کینہ جو
تو دیکھیو آج کہ زینبؑ کے روبرو
اس بات کی تو ہے مجھے مدت سے آرزو
کاٹوں گا تیغ سے شہِ لب تشنہ کا گلو
تڑپا دوں گا لحد میں جنابِ بتولؑ کو
پیاسا کروں گا ذبح میں سبطِ رسولؐ کو

۹

ہوتا تھا اس طرف تو یہ سامانِ جنگ کا
اتنے میں آئی ہاتفِ غیبی کی یہ ندا
بیٹھے تھے جا نماز پہ یاں شاہِ کربلا
ہاں مستعد ہو جنگ پہ اے لشکرِ خدا
باندھو کمر یہ حکمِ خدائے جلیل ہے
ہنگامِ کارزار ہے وقتِ رحیل ہے

۱۰

جب یہ صدا سنی شہ با احتشام نے
پوشاک پہنی سبطِ رسولِ انام نے
تسبیح جا نماز پہ رکھ دی امام نے
مرنے پہ باندھی چست کمر تشنہ کام نے
آراستہ زرہ کو تنِ پاک پر کیا
حیدرؑ کی ذوالفقار کو زیبِ کمر کیا

۱۱

آنکھوں میں اشک بھر کے پھر اک بی بی سے کہا
یہ سن کے بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا
لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفیٰ
بےتابی میں گری سرِ کلثوم سے ردا
حالت تباہ ہو گئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینبؑ نے آہ کی

۱۲

دے پٹکا چوبِ خیمہ پہ فریاد کر کے سر
لٹتا ہے بے گناہ شہِ بے وطن کا گھر
چلائی یا رسولِ خدا آج ہو خبر
زہراؑ کے یادگار کی لیتے نہیں خبر
مظلوم پر سپاہِ ستم کی چڑھائی ہے
بھائی بہن سے چھٹتا ہے نانا دہائی ہے

۱۳

حالت بہن کی دیکھی جو شبیرؑ نے تباہ
اماں کی بےکسی پہ کرو اے بہن نگاہ
زینبؑ سے رو کے کہنے لگے شاہ دیں پناہ
ہو امتِ رسول کی تم بھی تو خیر خواہ
بہنا گنہگاروں کی حاجت روا کرو
امت پہ نانا جان کی مجھکو فدا کرو

۱۴

لگ لو گلے سے آج گلا ہم کٹائیں گے
تم پاؤ گی نہ ہم کو نہ ہم تم کو پائیں گے
اب چھٹتے قتل گاہ سے پھر کر نہ آئیں گے
سر دن کٹا کے نانا کی خدمت میں جائیں گے
سب ساتھ ہیں پسر کا نہ بھائی کا داغ ہے
زینبؑ مگر تمہاری جدائی کا داغ ہے

۱۵

تب بنتِ فاطمہؑ نے یہ سر پیٹ کے کہا
تھے جس گلے کو چومتے دن رات مصطفیٰ
بھیا بہن نثار ہو فرماتے ہو یہ کیا
خنجر سے ہے غضب اسے کاٹیں گے اشقیا
اعدا ستونِ دینِ نبیؐ کو گرائیں گے
زہراؑ کے دل کلیجے پہ خنجر پھرائیں گے

۱۶

شہ نے کہا بہن ہے یہی مرضیِ خدا
امرِ خدا میں بندے کا ہے اختیار کیا
آگے تمہارے آج کٹے گا مرا گلا
دنیا میں اے بہن کوئی جیتا نہیں سدا
ہر شخص یاں مسافرِ پا در رکاب ہے
بحرِ جہاں میں زیست کا عالم حباب ہے

۱۷

ہر ذی حیات کے لئے ہے منتہیٰ اجل
انساں نہ اپنی مرگ سے غافل ہو ایک پل
دنیا سے کوئی آج اٹھا اور کوئی کل
لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
آج اس کی راہ میں نہ اگر سر کٹاؤں گا
تو رتبۂ عظیم شہادت نہ پاؤں گا

۱۸

بھینا جہاں میں اشرفِ آدم تو تھے نبیؐ
رحلت جہاں سے فاطمہؑ نے صغر سن میں کی
اللہ نے انھیں بھی نہ دی زیست سرمدی
کس ظلم سے شہید ہوئے مرتضیٰ علیؑ
سارے بزرگ تابعِ امرِ خدا رہے
نے میں رہوں گا نہ حسنؑ مجتبیٰ رہے

۱۹
جس طرح دل پہ تم نے اٹھائے ہیں داغ چار
زینبؑ نے تب کہا سر و سینہ پہ ہاتھ مار
یہ پانچواں بھی داغ سہو بہر کردگار
مرجائیں پنجتن نہ مروں میں جگر فگار
گھر فاطمہؑ کا سامنے آنکھوں کے خاک ہو
سب ہوں ہلاک اور نہ زینبؑ ہلاک ہو

۲۰
بعد از نبیؐ و فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ
رخصت کا آپ مجھ سے جو فرماتے ہیں سخن
حضرت کے سایہ میں تھی رہی آج تک بہن
وارث بہن کا کون ہے اے سرور زمن
نانا نہیں علیؑ نہیں ماں دل جلی نہیں
اب آپ کے سوا تو بہن کا کوئی نہیں

۲۱
جب آپ بھی نہ ہوئیں گے اے شاہ بحر و بر
اس وقت وارثی کرے گا کون آن کر
اعدا پھرائیں گے مجھے بلوے میں ننگے سر
فرمایا شہ نے رو کے بہن دھیان ہے کدھر
سر پر تمہارے خالق ارض و سما تو ہے
بھائی اگر نہیں تو نہ ہوئے خدا تو ہے

۲۲
کچھ بن پڑا نہ زینبؑ بے کس کو اس گھڑی
اس شور غل میں آئی صدا یا رسولؐ کی
غش آگیا زمیں پہ گری کہہ کے یا علیؑ
اب صبر کر حسینؑ کو اے میری لاڈلی
بیٹوں کا کر خیال نہ بھائی کا نام لے
بیڑے کو عاصیوں کے تباہی سے تھام لے

۲۳
فرزند فاطمہؑ ہے مرا پارۂ جگر
ماتم میں اس کے نکلا ہوں جنت سے نوحہ گر
میں نے اسی نواسے پہ صدقے کیا پسر
زینبؑ عزیز رکھتا ہوں امت کو بھی مگر
داغ حسینؑ اپنے جگر پر اٹھاؤں گا
دوزخ سے عاصیوں کو میں بخشواؤں گا

۲۴
حضرت سے رو کے زینبؑ بے کس نے تب کہا
خیمے سے نکلے روتے ہوئے شاہ کربلا
بھیا سدھارو میں نے سہا داغ آپ کا
مجرے کو جھک گئے رخ تھا باندھ کر پرا
تیار دیکھ کر شہ گردوں جناب کو
روح الامیں نے آن کے تھاما رکاب کو

۲۵
جس دم سوار دوش پیمبرؐ ہوا سوار
فوج ملائکہ میں یہ اس دم ہوئی پکار
آگے بڑھا رہے ہے علمدار باوقار
کس شان سے چلا ہے محمدؐ کا یادگار
دیکھو سواری بادشہ مشرقین کی
ہے آج آخری یہ زیارت حسینؑ کی

۲۶
کیا شوکت سواری سرور کروں بیاں
غرق سلاح گھوڑوں پہ تھے ہاشمی جواں
آگے علم تھا لشکر اسلام کا نشاں
سر پر عمامہ نور خدا چہروں سے عیاں
سوکھی ہوئی زبانوں پہ ذکر الہ تھا
ایک ایک ملک صبر و قناعت کا شاہ تھا

۲۷
تھی اک طرف تو کثرت ارواح انبیا
دامن تلک پھٹا تھا گریبان مرتضیٰ
اور ایک سمت فوج ملائک کا تھا پرا
گھوڑوں کے آگے آگے تھے سر ننگے مصطفیٰ
کیا شان لشکر شہ والا صفات تھی
روح جناب فاطمہؑ بھی ساتھ ساتھ تھی

۲۸
اللہ ری شان واہ رے لشکر ہے حشم
کیا اُن کے میں ثبات کو اس جا کروں رقم
مشتاق اُن دلیروں کا تھا کوثر و ارم
سر کٹ گئے مگر نہ ہٹے گھاٹ سے قدم
پروانۂ سراجِ نبیؐ وہ سعید تھے
زاہد تھے متقی تھے جری تھے شہید تھے

۲۹
وہ فوج تھی کہ تختۂ گلزار تھا کھلا
پیشِ نگاہ باغِ شہادت کی تھی فضا
تھا غیرتِ بہشت وہ صحرائے کربلا
خنداں بہ رنگِ گل تھے جوانانِ مہ لقا
اُس دن اجل گلوں کا جوان سب کے ہار تھی
باغِ جنابِ فاطمہؑ پر کیا بہار تھی

۳۰
سائے میں تھے علم کے شجاعانِ ارجمند
مانندِ برق کوندتے تھے زیرِ راں سمند
روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
ہر دم نقیبِ فوج کی تھی یہ صدا بلند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

۳۱
پہونچے جو اس شکوہ سے رن میں شہِ اُمم
کھولا جو رن میں حضرتِ عباسؑ نے علم
فتح و ظفر نے چوم لئے آن کر قدم
یہ رعب تھا کہ کانپ گیا لشکرِ ستم
اک غل ہوا کہ حسنِ علی کیا جوان ہے
یہ مرتضیٰ علیؑ ولی کا نشان ہے

۳۲
سب جانتے ہیں شوکتِ تختِ دلِ حسنؑ
جنگ آزما نہنگِ وغا شیرِ صف شکن
عمامہ سر پہ خلعتِ شاہانہ زیبِ تن
ناشاد نامراد اسیرِ غم و محن
حسنِ حسنؑ کے چہرے پہ کیا خوب شان تھی
قالب تھا رزم گہ میں دلہن پاس جان تھی

۳۳
کیا اکبرؑ جری کے کہوں رُخ کی آب تاب
وہ دل میں شوقِ جنگ کا وہ عالمِ شباب
ذرہ تھا جس کے حسن کے پرتو سے آفتاب
گویا کھڑے تھے رن میں رسولِ فلک جناب
ہر ایک کو گمان تھا تجلیٔ طور کا
جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا

۳۴
حضرت کے پاس زینبؑ بے کس کے تھے پسر
آنکھیں تو نرگسی تھیں پہ تھی شیر کی نظر
دونوں صغیر برجِ شرافت کے تھے قمر
انصارِ شاہ کہتے تھے منہ اُن کے دیکھ کر
ہیں چھوٹے چھوٹے سن پہ قیامت دلیر ہیں
کیوں کر نہ ہوں کہ شیرِ الٰہی کے شیر ہیں!

۳۵
کہتے تھے پیار کر کے انھیں شاہِ کربلا
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے وہ دونوں مہ لقا
مادر کو جا کے خیمے میں دیکھ آؤ پھر ذرا
کرتے تھے عرض آپ سے کس طرح ہوں جدا
حضرت پہ اپنی جانیں فدا کر کے جائیں گے
اب جائیں گے جو گھر میں تو ہم مر کے جائیں گے

۳۶
یہ ذکر تھا کہ رن میں بجے طبل ہائے جنگ
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئے غازیوں کے رنگ
چلّوں میں جوڑنے لگے اہلِ ستم خدنگ
شہ نے کہا ابھی ہے مناسب تمھیں درنگ
سبقت مری طرف سے نہ زنہار کیجیو!
جب اُن کے وار ہو لیں تو تم وار کیجیو!

۳۷

ہم نے یہ اپنے باپ سے ہے بارہا سنا
میں نائبِ رسولؐ ہوں اور حجتِ خدا
دشمن سے حرب میں نہیں کرتے ہیں ابتدا
میں ان پہ ہاتھ اٹھاؤں یہ ہے کب مجھے روا
گو میرے دشمنوں کو نہیں کچھ تمیز ہے
لیکن مجھے تو نانا کی امت عزیز ہے

۳۸

یہ کہہ کے اپنی فوج سے آگے بڑھے امام
مہماں کو کیوں ستاتے ہو اے ساکنانِ شام
اعدا سے اس طرح بہ فصاحت کیے کلام
واللہ جنگ آلِ محمدؐ سے ہے حرام
سید ہوں بے گناہ ہوں تشنہ جگر ہوں میں
تم جس کے کلمہ گو ہو اسی کا پسر ہوں میں

۳۹

مجھ کو ستاؤ گے تو نبیؐ کو ستاؤ گے
زہرا کا باغ لوٹ کے پھل کچھ نہ پاؤ گے
وہ زخمی ہوں گے گر مجھے نیزے لگاؤ گے
واللہ سیدھے قعرِ جہنم میں جاؤ گے
دو گے جواب حشر کے دن کیا بتولؑ کو
کیوں بے چراغ کرتے ہو قبرِ رسولؐ کو

۴۰

ناسمجھو کچھ خیال کرو تم پہ کیا ہے قہر
اس بات سے ہر ایک ہے واقف میانِ دہر
پی جاتے ہیں چرند پرند آکے آبِ نہر
روئے زمیں کا آب ہے سب میری ماں کا مہر
تو تین دن سے گھر میں مرے قحطِ آب ہے
بچوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے

۴۱

اس کے سوا کسی کا کوئی ہو جو میہماں
لکھ لکھ کے تم نے نامے بلایا مجھے یہاں
اُس سے دریغ کرتے ہیں دنیا میں آب و ناں
کھانا تو کیا پانی سے بھی تر نہ کی زباں
بیکس مسافروں پہ بھی رحم کھاتے ہیں
جو اپنے گھر میں آئے اسے یوں ستاتے ہیں

۴۲

مجھ کو نہ رنج دو کہ غریب الوطن ہوں میں
ہر چند مبتلائے بلا و الم ہوں میں
ہادی ہوں پیشوا ہوں امامِ زمن ہوں میں
شیرِ خدا کا لال ہوں اور صف شکن ہوں میں
کھینچوں اگر میں تیغ تو تم سب ہلاک ہو
گر بد دعا کروں تو ابھی جل کے خاک ہو

۴۳

اس وعظ و پند نے نہ انھیں کچھ کیا اثر
حجت تمام کر کے پھرے شاہِ بحر و بر
دینے لگے جواب درشتانہ اہلِ شر
اپنے پرے میں کانپ گیا حرِ نامور
آنسو بھر آئے آنکھوں میں بیتاب ہو گیا
حضرت کی بیکسی پہ جگر آب ہو گیا

۴۴

کہتا تھا اپنے دل میں یہی کانپ کر
افسوس شہ کو گھیر کے کیوں لایا میں ادھر
بے جرم قتل کرتے ہیں سید کو اہلِ شر
ہے میرے سر پہ خونِ شہنشاہِ بحر و بر
یہ جرم آہ کس سے میں اب بخشواؤں گا
کیوں کر نبیؐ کو حشر میں صورت دکھاؤں گا

۴۵

گھبرا کے حر سے بھائی نے اس وقت یہ کہا
تو ہے اکیلا معرکوں میں بارہا لڑا
سنتا ہوں تیرے دل کے دھڑکنے کی میں صدا
تھرا رہا ہے خوف سے یہ ماجرا ہے کیا
تو رستمِ عراق ہے مردِ نبرد ہے
یہ بے حواسی ہے کہ ترا رنگ زرد ہے

۴۶

بھائی سے تب یہ کہنے لگا حُرؔ ارجمند
ہے طالبِ بہشت یہ جانِ مستمند
تھرّا رہا ہے خوفِ الٰہی سے بند بند
بیمِ عذابِ نار سے ہے روح پر گزند
صدمہ یہ ہے کہ رن میں ہے رہنما مرا
محسن مرا امام مرا پیشوا مرا

۴۷

اس دم عجب طرح کا مجھے اضطرار ہے
سیّدؑ عیال دار غریب الدیار ہے
لڑتا ہے جس سے وہ شہِ عالی وقار ہے
جانِ نبیؐ ہے فاطمہؑ کا یادگار ہے
رتبے میں یہ بھی حیدرِ صفدر سے کم نہیں
قتلِ حسینؑ قتلِ پیمبرؐ سے کم نہیں

۴۸

منصف ہوں تو شہید کروں تشنہ کام کو
بے سر کروں حسینؑ علیہ السلام کو
نیزے لگاؤں جا کے میں اپنے امام کو
منھ کس طرح دکھاؤں گا خیر الانام کو
حربے میں کس طرح سے کروں جسمِ پاک پر
کیوں کر گراؤں عرش کے تارے کو خاک پر

۴۹

یہ وہ ہے دوش پر جسے احمدؐ چڑھاتے ہیں
میوے اسی کے واسطے جنت سے آتے ہیں
جبریل اس کے جھولے کی ڈوری ہلاتے ہیں
آنکھوں سے اس کے پاؤں ملائک لگاتے ہیں
عزت اسی کے فیض سے فطرس نے پائی ہے
ہرنی اسی کے صدقے سے بچے کو لائی ہے

۵۰

بھائی نے حُرؔ کے رو کے کہا تب کہ مرحبا
بے کس کا ساتھ دیجیے کہ نام اس میں ہے بڑا
قدموں پہ ابنِ فاطمہؑ کے ہوں سکے ہم فدا
شہ کی طرف چلو کہ مددگار ہے خدا
وہ بات ہو کہ خلد میں رہنے کی جا ملے
اس سے ملیں کہ ملنے میں جس کے خدا ملے

۵۱

حُرؔ نے کہا کہ میں تو نہایت ہوں شرمسار
تلوار اپنی کھینچ کے تو سر مرا اتار
آنکھیں مری حسینؑ سے مطلق نہ ہوں گی چار
اور لے کے جا حضورِ شہنشاہِ نامدار
کچھ دغدغہ نہ کر کہ تجھے اس میں چین ہے
قدموں پہ ڈال دے کہ یہ نذرِ حسینؑ ہے

۵۲

کہیو کہ ہاتھ جوڑ کے تھا حُرؔ نے یہ کہا
اب اس کو بخش دیجیے جو کچھ ہوئی خطا
مولا کے پاس میں نہ خجالت سے آ سکا
اور میری مغفرت کے لیے کیجیے دعا
راضی حضور ہوویں تو میں رستگار ہوں
مجرم تو ہوں پہ عفو کا امیدوار ہوں

۵۳

اور اک وصیت اور ہے سن لے مرا سخن
پاؤں میں میرے بہرِ خدا باندھ کر رسن
ہرگز نہ میری لاش کو تو دیجیو کفن
لے جانا کھینچ کر طرفِ سیّدِ زمن
مر کر کروں گا عذر میں اپنے گناہ کا
تو ہاتھ باندھ دیجیو مجھ روسیاہ کا

۵۴

قسمت نے جیتے جی تو نہ ہونے دیا نثار
قدموں پہ ذوالجناح کے رکھ کر یہ جسمِ زار
حضرت پہ صدقے کر تو مری لاش سات بار
کہیو کہ ہے حضور میں حاضر گناہگار
نیکی نہیں ہے نامۂ اعمالِ زشت میں
دوزخ میں چاہو ڈال دو چاہو بہشت میں

۵۵

سمجھیں گے سب یہ شخص طرفدار شاہ ہے
بھائی کریم سبطِ رسالت پناہ ہے
سر اپنا کاٹ ڈالا ہے اور عذر خواہ ہے
واں بغض کو ہے دخل نہ کینے کو راہ ہے
آنسو نکل پڑیں گے شہِ تشنہ کام کے
وہ جرم بخش دیویں گے اپنے غلام کے

۵۶

ناگاہ آئی عالمِ بالا سے یہ صدا
تجھکو تو مل چکا ہے شہادت کا مرتبا
اے میہمان اپنا تو مست کا ٹو گلا
بابِ بہشت صبح سے تیرے لیے ہے وا
تو جلد جا کہ سبطِ نبیؐ بے قرار ہے
جنت میں مصطفیٰؐ کو ترا انتظار ہے

۵۷

اے عاشقِ حسینؑ نثر یا س کے سخن
تیرے کفیل کار ہیں واللہ پنجتن
اپنی ردا کا دیں گی تجھے فاطمہؑ کفن
آئے ہیں تیرے لینے کو یاں خلد سے حسنؑ
آراستہ ہے گلشنِ رحمت ترے لیے
لاتے ہیں حوریں خلعتِ جنت ترے لیے

۵۸

سایہ کیے ہیں پر کا ترے سر پہ جبرئیل
جنت میں آج ہے یہ ترا رتبۂ جلیل
جعفر ادھر ہیں اور اُدھر مسلم و عقیلؑ
حاضر ہیں جام کوثر و تسنیم سلسبیل
تیری رکاب میں شہِ دلدل سوار ہے
روحِ جنابِ فاطمہ تجھ پر نثار ہے

۵۹

آئی صدا لحد سے حضرتِ زہراؑ یہ ایک بار
خیبر شکن پکارے کہ اے حرؔ نامدار
میں صدقے تیرے اے مرے بچے کے جانثار
تو کس لیے حسینؑ سے اتنا ہے شرمسار
میں اپنے ساتھ تجھے لے کے جاؤں گا
تیری خطا حسینؑ سے میں بخشواؤں گا

۶۰

حرؔ نے کہا یہ دیکھ کے صورت کو بھائی کی
حاجت روائے خلق نے حاجت روائی کی
شکر خدا کہ بخت نے میرے رسائی کی
مولا نے آن کر مری مشکل کشائی کی
تو فیض دیکھ ساقیٔ کوثر کی ذات کا
کیا خوب مل گیا ہے وسیلہ نجات کا

۶۱

کہہ کر سخن یہ حرؔ نے کیا نعرۂ امام
سر کو چلے جھکائے ہوئے چاروں نیک نام
فرزند ایک ساتھ تھا اک بھائی اک غلام
الفت سے بے قرار ہوئے یاں شہِ انام
ہمراہ لے کے بیٹے کو اور اپنے بھائی کو
وہ پیشوائے خلق چلا پیشوائی کو

۶۲

مابین راہ پہونچا جوں ہی حرِ خوش صفات
رومال سے تو اپنے مرے باندھ دونوں ہاتھ
ہو کر پیادہ بھائی سے اپنے کہی یہ بات
تشریف آپ لاتے ہیں یاں شاہ کائنات
دیکھو تو کیا رحیم یہ سبطِ رسولؐ ہے
اب اپنی سمت رحمتِ حق کا نزول ہے

۶۳

پہونچے قریب جب کہ شہنشاہِ باکرم
حرؔ نے کہا یہ قدموں پہ گر کر بچشم نم
تسلیم کے لئے ہوئے چاروں سوار خم
روحی فداک اے پسرِ سیدِ امم
کیجے کرم غلام پہ حیدرؑ کے واسطے
تقصیر بخش دیجیے پیمبرؐ کے واسطے

٦٤

توبہ ہوئی قبول تو مژدہ سنائیے
سر کاٹ لیجے آگ میں مجھکو جلائیے
تعزیر کا محل ہے تو دُرّے لگائیے
مولا عذابِ نار سے مجھکو بچائیے
ہاں ہو قصاص اے مرے سرور تو خوب ہے
دنیا سے پاک ہو کے اٹھوں گر تو خوب ہے

٦٥

اللہ رے رحم رونے لگے شاہِ کربلا
قدموں سے سر اٹھا کے گلے سے لگا لیا
عقدہ کشا نے ہاتھ کیے دونوں اس کے وا
چہرے پہ ہاتھ پھیر کے شفقت سے یہ کہا
دنیا میں تو نے دولتِ عقبیٰ حصول کی
بھائی کریم نے تری توبہ قبول کی

٦٦

تقصیر تو نے ایسی بھلا میری کی ہے کیا
نادم ہوں میں نے ماں کا تری نام ہے لیا
روکا جو تھا مجھے تو کچھ ایسی نہیں خطا
تو نے ادب سے صبر کیا اور نہ کچھ کہا
اک عرض حُر نے ذکر یہ کیسا امام ہے
وہ آپ کی کنیز ہے خادم غلام ہے

٦٧

شہ نے کہا کہ تو مجھے بھائی سے ہے سوا
واللہ تیری پشت پہ ہے دستِ مصطفیٰ
جو تیرا مرتبہ ہے اسے میں ہوں جانتا
تیری بلائیں لیتی ہے رو رو کے فاطمہؑ
کوثر کا جام ساقیٔ کوثر سے پائے گا
تو پہلے مجھ سے گلشنِ جنت میں جائے گا

٦٨

ادنیٰ تو تھا پر اب ترا اعلیٰ مقام ہے
آزاد ہو چکا ہے کہ حُر تیرا نام ہے
اب تو ہے اور گلشنِ دار السلام ہے
دوزخ کی آگ دوستِ پیمبر پہ حرام ہے
واللہ تو محب ہے محمدؐ کی آل کا
حوروں کو اشتیاق ہے تیرے جمال کا

٦٩

تب حُر نے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا
آتی تھی آسماں سے صدا یہ کہ مرحبا
واں سے غلام آپ کے جانب تھا جب چلا
اور تھا کسی نے مژدۂ جنت مجھے دیا
کیا جانیے وہ کون بزرگ اے امام تھے
شہ نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے

٧٠

حُر کو عجب سرور ہوا سن کے یہ کلام
بتلائے سب عزیزوں رفیقوں کے اپنے نام
لے آئے ساتھ فوج میں اپنی اسے امام
حُر سے ہوئے بہ شوق بغل گیر تشنہ کام
انصارِ شاہ کا تھا ہجوم اس جوان پر
تحسین و مرحبا تھا ہر اک کی زبان پر

٧١

قدموں پہ گر کے شاہ کے بولا وہ نیک نام
حضرت پہ پہلے سب سے فدا ہوگا یہ غلام
میں نے ہی پہلے آپ کو روکا تھا یا امام
کہنے لگا یہ رو کے وہ مولا سے خاص و عام
قصدِ نبرد گاہ ابھی اے جواں نہ کر
شرمندہ تو حسینؑ کو اے میہماں نہ کر

٧٢

بھائی ابھی تو آیا ہے جلدی ہے ایسی کیا
شرمندہ تیرے منھ سے ہوں اے مردِ باوفا
پہلے مرے رفیقوں کو ہو لینے دے فدا
کچھ تیری میہمانی کا ساماں نہ ہو سکا
بچہ ہر ایک پیاس کے مارے نڈھال ہے
فاقے سے تین دن کے محمدؐ کی آل ہے

٧٣
حُر نے کہا کہ اے مرے مولا ترے نثار
میداں میں زخم کھانے کا ہوں میں امیدوار
اس کمتریں غلام سے ہیں آپ شرمسار
اس پیاس میں ہے خواہش شمشیر آبدار
صدقے سے آپ کے مجھے عزت نصیب ہو
دعوت یہی ہے بس کہ شہادت نصیب ہو

٧٤
مہماں کے اس کلام پہ حضرت نے رو دیا
حُر کو اُڑھا کے بولا یہ وہ منبع سخا
اس کو اُتار دوش پہ ڈالے تھے جو عبا
دعوت نہ کر سکا تجھے خلعت نہ دے سکا
کاندھے پہ اس کو ڈال لے ہر چند کیا ہے یہ
اے حُر مگر تبرکِ آلِ عبا ہے یہ

٧٥
تسلیم کہہ کے کہنے لگا حُرِّ ارجمند
کونین میں غلام کی عزت ہوئی دو چند
اس وقت عرش سے مرا رتبہ ہوا بلند
فیاضِ خلق نے کیا خادم کو بہرہ مند
ملبوس خاص اپنا دیا ہے حضور نے
ذرّے کو آفتاب کیا ہے حضور نے

٧٦
فرمایا شہ نے قصد ہی مرنے کا ہے اگر
ماں باپ کا ہے نام جو دنیا میں ہے پسر
بیٹے کو اپنے سوئے وطن تو روانہ کر
برباد کر نہ میرے لیے اپنا سارا گھر
ہے مجھ کو رنج اسکی جوانی کے واسطے
ہو اک پسر تو فاتحہ خوانی کے واسطے

٧٧
میداں میں آج قتل ہوا گر یہ نونہال
داغ پسر کسی کو دکھائے نہ ذوالجلال
مادر کو اس کی ہوئے گا رنج و قلق کمال
سر اپنا پیٹ کر یہ کہے گی وہ خوش خصال
بیٹا بھی قتل ہو گیا وارث بھی چھٹ گیا
زہرؑا کے لال کے لئے گھر میرا لٹ گیا

٧٨
رو کر کہا یہ حُر نے کہ اے شاہ بحر و بر
ماں اس کی شہربانو سے کیا ہے زیادہ تر
اکبرؑ سے بھی عزیز ہے کیا یہ مرا پسر
زہرؑا کا گھر مٹے نہ ہو برباد میرا گھر
برچھی کی نوک سینۂ اکبرؑ کے پار ہو
شہزادے پر غلام نہ رن میں نثار ہو

٧٩
شہ نے کہا کہ ہے یہی مرضی تو لے سدھار
کوڑا کیا سمند کو غازی نے ایک بار
تسلیم کر کے گھوڑے پہ تب حُر ہوا سوار
چاروں جواں چلے سوئے میدان کارزار
یہ رعب تھا حسینؑ کے اس میہمان کا
فوجِ ستم سے شور اُٹھا الاماں کا

٨٠
چہرے پہ حسن دینِ نبیؐ کا تھا یہ ظہور
رکھے تھا خود فرق ہمایوں پہ ذی شعور
پھیلا ہوا تھا چار طرف فوج کیں میں نور
ہر اک کو تھا گماں کہ ہے قندیل شمع طور
یوں جلوہ گر زرہ میں تن سرخ فام تھا
گویا بچھا ہوا چمنستاں میں دام تھا

٨١
لٹکے ہوا تھا شانے پہ وہ حلقۂ کماں
مختار باب فتح تھی تیغ اس کی بے گماں
قرباں ہوئے جس کے چم و خم پہ کہکشاں
کیا گردۂ سپر کی میں خوبی کروں بیاں
جوہر سے اس کے جوہر تابندہ ماند تھے
وہ ایک تو ہلال تھا اور چار چاند تھے

۸۲

دریائے آہنی میں تھا وہ شہسوار غرق
راکب گر اس کو غضب سے دوڑائے سوئے شرق
صرصر میں اور گھوڑے میں تھا مطلقاً نہ فرق
اور آسماں پہ چمکے نکل کر سمند برق
گردوں پہ واں نہ برق کی چشمک تمام ہو
اور فرق میں یہاں فرس تیز گام ہو

۸۳

بس شان اور شکوہ سے آیا جو حُرؑ نظر
نیزے کو تول کے وہ ہوا حُرؑ پہ حملہ ور
نکلا تب اس سے لڑنے کو صفوان بدگہر
روکر کے وار حُر نے دکھایا عجب ہنر
نیزے پہ بس اٹھا کے اسے صدر زین سے
دے مارا یوں کہ گرد اٹھی زمین سے

۸۴

صفواں کے تین بھائی بھی تھے اور نامدار
بھائی نے حُر کے ان کو بھی بھیجا بہ سوئے نار
تلواریں کھینچ آئے پہ میدان کارزار
بیٹے نے ایک کو کیا دو صورت خیار
جب تیسرے کو دوڑ کے مارا غلام نے
احسنت کی صدا دی ہر اک خاص و عام نے

۸۵

فوج عدو جب پھر تو در آئے وہ چار شیر
چورنگ کرتے تھے وہ جوانوں کو گھیر گھیر
انبار بس سروں کے ہوئے اور تنوں کے ڈھیر
قہر خدا تھی ضربت تیغ حُرؑ دلیر
سر پر پڑی تو صاف گئی تا قاش زین پر
زیں سے کھنچی تو آن کے ٹھہری زمین پر

۸۶

ایسے لڑے کہ لشکر کیں دنگ ہو گیا
جو منہ پہ آیا تیغ کے چورنگ ہو گیا
دشت نبرد خون سے گل رنگ ہو گیا
عرصہ ہر اک پہ زندگی کا تنگ ہو گیا
تینوں سوار گر گئے پر حُر لڑا کیا
تنہا ہی فوج سے وہ بہادر لڑا کیا

۸۷

دیکھا جو حُرؑ نے خاک کے اوپر گرا پسر
بیٹے کی سمت دیکھا ذرا منہ کو پھیر کر
بے تاب الفت پدری سے ہوا جگر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
غازی قریب لاش پسر جا کے گر پڑا
مہمان شاہ گھوڑے سے تیورا کے گر پڑا

۸۸

زینبؑ نے دیکھا خیمے کے در سے جو یہ حال
گھوڑے سے زخمی ہو کے گرا حُر خوش خصال
سر پیٹ کر پکاری کہ اے فاطمہؑ کے لال
لاش اس کی کو نہ ڈالیں ستمگار پائمال
میں پیٹنے کو لاشۂ مہماں پہ آؤں گی
میں اسکے واسطے صف ماتم بچھاؤں گی

۸۹

آئی صدا اے فاطمہؑ اے زینبؑ حزیں
میرے حسینؑ پر ہوا صدقے یہ نازنیں
موجود میں تو ہوں تو یہاں اس کی ماں نہیں
بیٹا ہی جانتی ہوں اسے یہ سمجھ یقیں
اب چین سے مزار میں ہرگز نہ سوؤں گی
چالیس روز لاش پہ مہماں کے روؤں گی

۹۰

ماں کی صدا یہ سن کے چلے شہ پیادہ پا
مہماں کو پایا شاہ نے بسمل سا لوٹتا
روکر سر اس کا شاہ نے آغوش میں لیا
منہ مل کے شہ کے قدموں سے تب حُر نے یہ کہا
کیا مرتبے میں نے آپ کے صدقے سے پائے ہیں
محبوب کبریا مرے لینے کو آئے ہیں

۹۱

اور ایک بی بی پہلو میں کرتی ہے یہ بیاں
ہیں یہ بھتیجی ردا سے مرادد لے خوں چکاں
اپنے پسر کے واسطے روتی ہے جیسے ماں
کچھ میری ماں سے بھی وہ زیادہ ہیں مہرباں
شہ نے کہا یہ جو ترے غم میں ملول ہے
مادر مری وہ فاطمہؑ بنتِ رسولؐ ہے

۹۲

یہ مژدہ سن کے حُر تو گیا جانبِ ارم
بس اے انیسؔ اب یہ دعا کر بہ چشم نم
لاشے پہ رو لئے اس کے بہت شاہ باکرم
بلواؤ کربلا میں مجھے یا شہِ اُمم
کیجیے مدد کہ رنج و اَلم بے شمار ہیں
میں اک نحیف و زار ہوں دشمن ہزار ہیں

سلام

ہے تخت پہ جلوس جناب امیر کا
ڈنکا ہے اب جہاں میں نبیؐ کے وزیر کا

کیفیتیں اُٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا
نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا

واقف خمارِ غم سے نہیں دل فقیر کا
پیمانہ کش ہوں بادۂ خمِ غدیر کا

شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا
بیعت کو ہاتھ اُٹھا تھا صغیر و کبیر کا

چھد جائے دل چمن میں نہ کیوں ہم صفیر کا
ہیری ہر اک زفیر میں عالم ہے تیر کا

ہو جائے پست اوج نہ کیوں ہم صفیر کا
طوبیٰ کے سر پہ شور ہے میری زفیر کا

غل سن کے عندلیب قلم کی زفیر کا
رنگ اُڑ گیا ہے صاف مرے ہم صفیر کا

جاری کیا ہے فیض جناب امیر کا
دامن دُروں سے بھرتے ہیں ابن مطیر کا

دیکھا ہے منہ جو تیغ جناب امیر کا
بجلی بنا ہے آئینہ مہرِ منیر کا

جلوہ ہے اس طرف بھی جناب امیر کا
منہ ہے جدھر پھرا ہوا مہرِ منیر کا

بعد از نبیؐ ہے تخت جناب امیر کا
سلطاں کی مملکت میں عمل ہے فقیر کا

اللہ رے فقر حیدرِ گردوں سریر کا
رہتا تھا خوابگاہ میں بستر حصیر کا

دیکھو کرم رسولؐ خدا کے وزیر کا
قاتل کو بھی سخی نے دیا جام شیر کا

کر گئے تھے تنگ پھاٹک کے آر د شعیر کا
کیا حوصلہ تھا دیکھو جناب امیر کا

اثنا عشر کے گھر کا گدا ہو پتا یہ ہے
بارہ دری میں رہتا ہے بستر فقیر کا

یاں ان دنوں سے شہد مضامیں زباں پہ ہے
چکھا تھا جب مزا بھی نہ مادر کے شیر کا

اک پل میں پُلِ صراط سے گذریں گے مومنیں
جس وقت لیں گے نام جناب امیر کا

اے باغبان میں بلبلِ گلزارِ قدس ہوں
سدرہ پہ آشیاں ہے مرے ہم صفیر کا

اصحاب سے یہ صاحبِ معراج کہتے تھے
کیا مرتبہ ہے بادشہِ قلعہ گیر کا

پائی کسی نبیؐ نے رسالت نہ اس قدر
دیکھا خدا سے قرب جو اپنے وزیر کا

پہونچا جہاں جہاں میں نظر کی جدھر جدھر
تھا ہر جگہ ظہور جناب امیر کا

دو انگلیوں سے کلّۂ اژدر کیا ہے دو
حیدر نہ کیوں لقب ہو مرے دستگیر کا

کعبے میں دوشِ پاک نبی پر رکھے قدم
اے چرخ دیکھ اوج مرے دستگیر کا

مختار عرش و فرش تھے ہر چند بوتراب
لیکن پسند طبع تھا بستر حصیر کا

اس زور سے لگائی تھی قاتل نے ضربِ تیغ
شق ہو گیا تھا فرق جناب امیر کا

تھرّا رہے تھے مسجدِ کوفہ کے بام و در
پُرخوں تھا رخ رسول کے مہرِ منیر کا

سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے
زخمی پڑا تھا شیر خدائے قدیر کا

آئی مہِ صیام کی اکیسویں جو رات
بے جاں ہوا امام صغیر و کبیر کا

زہرا کی دونوں بیٹیاں سر پیٹنے لگیں
منھ ڈھانپ کر ردا سے شہِ بے نظیر کا

فرزند غسل دے چکے جس دم تو جبرئیل
لائے کفن جناں سے شہِ قلعہ گیر کا

پوچھا حسینؑ نے یہ حسنؑ سے کہ بھائی جان
کیوں رُخ ہے سبز خسروِ گردوں سریر کا

منھ پیٹ کر وہ بولے کہ اس کی وجہ ہے کیا
تھا زہر میں بجھا ہوا تیغا شریر کا

آہ و بکا سے حشر تھا کوفہ کی راہ میں
تابوت لے چلے جو نبیؐ کے وزیر کا

قیدی دہائی دیتے تھے روتے تھے سب فقیر
لے لے کے نام پاک جناب امیر کا

رانڈیں پکارتی تھیں کہ ہے ہے غضب ہوا
وارث اٹھا جہاں سے یتیم و اسیر کا

پوچھے کوئی پتا تو یہ کہہ دیجو انیسؔ
دارالسلام میں ہے بستر فقیر کا

مرثیہ

۱
مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغ مہر سے بزم جہاں ہوئی
اعدا میں فکر قتل امام زماں ہوئی
نیزے سنبھال کے تیغ و سپر باندھنے لگے
آل نبیؐ کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

۲
رکھا کسی نے خود کو سر پر بعزم جنگ
خنجر سجا کمر میں کسی نے قبائے تنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
بولا زہ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
چٹکی سے میری تیر یہ جب دم روانہ ہو
پیشانیٔ حسینؑ الٰہی نشانہ ہو

۳
نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
اس پر علم کروں گا سر شاہ نیک خو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
ہے آب اس کی اور شہ لب تشنہ کا گلو
چن چن کے آج آل پیمبرؐ کو ماریے
برچھی سے لاکھ میں علیؑ اکبر کو مار لیے

۴
گرز گراں لیے کوئی کرتا تھا یہ سخن
ہے اس کی ضرب اور سر نو بادۂ حسن
تھا اس طرح کمند لیے کوئی لاف زن
باندھوں گا اس سے گردن عباسؑ صف شکن
ہرگز نہ دوں گا مہلت جنگ اُس دلیر کو
جیتا پکڑ کے لاؤں گا شیروں کے شیر کو

۵
دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
بھرتے ہیں خون آل محمدؐ میں آج ہات
اور تیغ کے چار آئینہ کوئی زبوں صفات
کہتا تھا جب لڑیں گے شہنشاہ کائنات
مجروح ہوں گے پہلے ہی وہ میرے وار سے
اس پر نہ خط پڑے گا کبھی ذوالفقار سے

۶
چمکا کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
سنتا ہوں ہے قلیل بہت لشکر امام
کیوں اس قدر ہیں خوف زدہ ساکنان شام
واللہ راہوار دل کی جب وقت لیں لگام
اک دم میں جا پڑیں گے یہ بجلی سے کوند کر
پیاسوں کو مار ڈالیں گے ٹاپوں سے روند کر

۷
کہتا تھا کوئی اس سے کہ اپنی زباں کو بند
اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
مقدور پر بھی عجز ہی کرتے ہیں ہوشمند
لرزاں ہے مارے خوف کے اپنا تو بند بند
جنگ اس سے ہے جو سبط رسالت پناہ ہے
سید ہے ابن فاطمہؑ ہے بے گناہ ہے

۸
ہم تم ہیں جس طرف ہے ادھر فوج لاتعد
چاروں طرف سے اس پہ چلی آتی ہے مدد
حیدرؑ ہے جس کا باپ محمدؐ ہے جس کا جد
اس کو جواں ملے ہیں بہتر بہ جد و کد
ناحق ہے اس پر ظلم جدھر حق ثبوت ہے
غیرت کی یہ جگہ ہے مقام سکوت ہے

۹
کچھ مرضیٔ خدا میں نہیں جائے دم زدن
نانا ہو جس امام کا محبوبِ ذوالمنن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن
خاصان حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
شاید خدا کو بے کسی اس کی پسند ہے
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے

۱۰
بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
ہیں بیعت یزید سے حضرت کنارہ کش
دو دن سے اہل بیتؑ میں ہے شور العطش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانان ماہ وش
راکب جوان کے تیر الم کے نشانہ ہیں
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں

۱۱
اعجاز ہے فقط جو کرو منصفی سے غور
ہے کس قدر تعدی و ظلم و جفا و جور
ہرگز قدم نہ ٹھہرتے ہوتا جو کوئی اور
پر ہیں وہی حواس بزرگوں کا تھا جو طور
پیاسے نہ سمجھو حکم کی آقا کے دیر ہے
شہ کی قلیل فوج میں ایک ایک شیر ہے

۱۲
ان سب کی ضرب تیغ سے دشوار ہے اماں
غازی ہیں سرفروش ہیں کیا خرد کیا کلاں
مکّی و ہاشمی و قریشی ہیں یہ جواں
وہ حملہ ور ہوئے تو یہ انبوہ پھر کہاں
دیکھو ہی گے جو خوف کے مارے نہ مر گئے
لاکھوں سوار کیا ہوئے پیدل کدھر گئے

۱۳
یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بہ یک خبر
سرکردہائے فوج نے صف اپنی باندھ کر
خیمے سے بہر جنگ برآمد ہوا عمر
مجرا کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
میداں میں سرکشی جو ہر اک نے پسند کی
ایک ایک پر لعیں نے نوازش دوچند کی

۱۴
نیزہ دیا کسی کو تو برچھی کسی کو دی
تیر و کماں منگا کے کسی کے حوالے کی
بخشی کسی جوان کو شمشیر قیمتی
بخشا کسی کو دشنہ و خنجر بصد خوشی
جو نامور تھے فوج میں ان کو علم دیے
پیدل جو تھے انھیں فرس خوش قدم دیے

۱۵
سمجھا کے ایک ایک کو کیا دے کہا
حاکم کا چاہیے کرو حق نمک ادا
تم غازیوں کو آج ہے شیروں کا سامنا
پیچھے ہٹے نہ پاؤں کسی کا دم وغا
جو جس کو مارے حکم یہ بے اختلاف ہے
اس کا سلاح و اسپ اسی کو معاف ہے

۱۶
اور دوسرے کرو گے جو تم اس مہم کو سر
واللہ یزدجرد کی بیٹی کا ہے وہ گھر
لوٹیں گے چل کے خیمۂ سلطان بحر و بر
بے حدّ و بے حساب ملے گا متاع و زر
لینے کا اس کے کچھ نہیں ہم کو خیال ہے
سب بانٹ لیجیو وہ تمھارا ہی مال ہے

۱۷
زہراؑ کی بیٹیاں ہیں غریب و شکستہ حال
ان کا وہی ہے حال جو تھا فاطمہؑ کا حال
دنیا کا ان کے پاس نہیں کچھ متاع و مال
پر تم کچھ ان کے پردے کا مت کیجیو خیال
حیدرؑ کی دیں دہائی کہ روئیں پکار کے
لے آنا ان کے سر سے ردائیں اتار کے

۱۸
یہ کہہ کے فوج کا وہ لگا کرنے بند و بست
ہموار ہو گئی جو زمیں تھی بلند و پست
منظور اس کو فوج حسینی کی تھی شکست
آگے بڑھائے جنگ کے جوانان تیز دست
اڑنے لگے ہوا سے پھریرے نشانوں کے
جاؤش دل بڑھانے لگے نوجوانوں کے

۱۹

تیغیں کھنچیں میان سے نیزے ہوئے علم
کوس و دف و جلاجل و قرنا بجے بہم
طبل وغا پہ لگنے لگی چوب دم بدم
تا گنبد فلک گئی آواز زیر و بم
سن کر یہ شور شہ نے کہا کردگار شکر
نوبت ہمارے قتل کی ہو چکی ہزار شکر

۲۰

ناموس مصطفےٰ نے سنی جب کہ یہ صدا
زینبؑ نے پوچھا اے پسر شاہ لافتا
رعشہ ہوا کسی کو کسی کو غش آگیا
یہ کیا بجا کہ ہوش ہمارے نہیں بجا
اک چوٹ سی لگی ہے مرے دل میں درد ہے
کیا تم سے اہل شام کو قصد نبرد ہے

۲۱

کیا روح مصطفےٰ کا نہیں ظالموں کو ڈر
کیا فاطمہؑ کے رتبے کی اُن کو نہیں خبر
کیا تم پہ دست ظلم اُٹھا دیں گے اہل شر
فریادی ہوں گے عرش کے نیچے وہ ننگے سر
پانی تو بند کر چکے احمدؐ کی آل پر
کچھ بھی تو چاہئے رحم پیاسوں کے حال پر

۲۲

شہ نے کہا کہ تشنۂ خوں ہیں مرے عدو
جز شکر حق کروں گا نہ کچھ اور گفتگو
راضی ہوں اہل ظلم بہا دیں مرا لہو
سینہ ہے اور تیر ہے خنجر ہے اور گلو
مسلم کو جب سنا تھا لعیں قتل کر چکے
سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اسی روز مر چکے

۲۳

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہ تشنہ کام
باہر سے آئے اتنے میں عباسؑ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
میداں میں ہو چکی ہے صف آرا سپاہ شام
اب رخصت حرم میں نہ تاخیر کیجئے
میداں میں چل کے جنگ کی تدبیر کیجئے

۲۴

پوشاک پہنی شہ نے یہ سن کر بصد شتاب
تیغ علیؑ کمر سے لگائی بہ آب و تاب
اس دم عجب ہوا دل زینبؑ کو اضطراب
عباسؑ سے یہ آنسو بہا کر کیا خطاب
بھیا تمھیں تو ہوگی خبر جتنی فوج ہے
کتنے جواں اُدھر ہیں ادھر کتنی فوج ہے

۲۵

عباسؑ نے کہا کہ نہ پوچھو کچھ اے بہن
کتنی بتاؤں فوج اُدھر ہیں چھ لاکھ تن
دو لاکھ نیزہ دار ہیں دو لاکھ تیغ زن
اور ہوں گے وہی لاکھ کماندار صف شکن
سب آزمودہ کار قوی تر جوان ہیں
اور کلثومؑ ادھر تو بہتّر جوان ہیں

۲۶

واللہ اس طرف کے بہتّر بھی تھے نہ کم
پر تین دن کی پیاس سے ان میں نہیں ہے دم
پانی کسی طرح جو پہنچتا انھیں بہم
لاتا نہ ان کی تاب کبھی لشکر ستم
یہ سن کے بنت فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ شہ کے گلے سے لپٹ گئی

۲۷

لگ کر گلے سے بھائی بہن روئے زار زار
واغربتا کی اہل حرم میں ہوئی پکار
فرما کے الوداع چلے شاہ باوقار
بنت علیؑ نے کھول کے تب سر کو اکبار
کی یہ دعا کریم مجھے شاد کیجیو
اس لشکر قلیل کی امداد کیجیو

۲۸
ہر اک کی ہے معین و مددگار تیری ذات
لاریب وہ بے گماں ہے تو حلالِ مشکلات
اک آن میں خلیل کو آتش سے دی نجات
مشہور ماجرہ کے ہے بیٹے کی واردات
گھبرا ہے سرکشوں نے شہ باکمال کو
یارب بچا لے فاطمہ زہرا کے لال کو

۲۹
حق سے دعا یہ کرتی تھی زینب جگر کباب
خیمہ سے آ بے ڈیوڑھی پہ حضرت بصد شتاب
چھوٹے لگا سوار جو وہ مالک الرقاب
تھامی یہ عجز حضرت عباسؑ نے رکاب
آئی صدا بتول کی کیوں بے قرار ہو
اس شاہ کم سپاہ پہ مادر نثار ہو

۳۰
گھوڑے پہ دیکھ کر شہ مظلوم کو سوار
رن کی طرف قدم جو اُٹھاتا تھا راہوار
بوسے قدم پہ دیتے تھے آ کے جاں نثار
لیتے تھے واں کی خاک کو آنکھوں سے بار بار
پیاسے تھے پر دلوں میں شجاعت کے جوش تھے
کیا حسن اعتقاد تھا کیا سرفروش تھے

۳۱
ثابت قدم تھے راہِ خدا میں وہ خوش نہاد
آقا پہ ہوں نثار یہی ان کی تھی مراد
ایک ایک تھا نوید شہادت سے شاد شاد
کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
کیوں کر نہ کہتے بادۂ عرفاں سے مست تھے
واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

۳۲
جب وادیٔ نبرد میں ان کا ہوا ورود
پڑھتے تھے ملائکۂ آسماں درود
ان گھوڑے سے سواروں کی اللہ ری نمود
مانند بید خوف سے لرزاں ہوئے جنود
ہیبت سے خاک کرب و بلا زرد ہو گئی
شان و شکوہ فوج ستم گرد ہو گئی

۳۳
باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور
حاضر تھے سر جھکائے کو سب شاہ کے حضور
پیشانیوں سے ان کے عیاں تھا خدا کا نور
شہ کے مدام عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے
دانا تھے مثل سبحہ مطیع امام تھے

۳۴
شہ کے عزیز حسن میں یوسف سے تھے دو چند
انجم کو جن کے چہروں پہ گردوں کرے سپند
ہوتی تھی چشمِ مہر بھی دیکھے سے جن کے بند
اک اک جواں کو پیر فلک نے کیا پسند
یوسف کا ان کے سامنے بازار سرد تھا
اک اک جواں جریدۂ عالم میں فرد تھا

۳۵
کمسن کئی جو لڑکے تھے ان سب کا تھا یہ حال
چہرے خوشی سے جنگ کی جوں گل تھے لال لال
ابرو کشیدہ چھوٹے ہوئے گیسوؤں کے بال
رخسارے ماہ چار دہم کہیے بے زوال
مطلب یہ انکا تھا کہ ابھی سب کنارے ہوں
میدان جنگ میں ہمیں پہلے اُتارے ہوں

۳۶
عباسؑ نامور کی کہوں کیا شکوہ و شان
ہاتھوں میں اس کے فوج حسینی کا تھا نشان
بالا قد و سمند فلک سیر زیر ران
یکتا ئے روزگار تھا وہ ہاشمی جوان
غازی تھا صف شکن تھا شجاعت شعار تھا
چہرے سے رعب مرتضوی آشکار تھا

۳۷

گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو
دادا کا زور خلق چچا کا پدر کی خو
تصویر تھا رسولؐ خدا کی وہ ہو بہو
گل سا جمال عطر فشاں زلف مشک بو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں
روشن تھی شمع نور خدا رزم گاہ میں

۳۸

قاسمؑ بہ طرفہ باغ جوانی کی تھی بہار
آنکھیں وہ جن پہ کیجئے نرگس کو بھی نثار
سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سے عذار
نازک لب اس قدر رگ گل جن کے آگے خار
بے وجہ منہ نہ سرخ تھا اس جاں فروش کا
لخت جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

۳۹

تھے کس شکوہ سے پسر زینبؑ حزیں
اک جانب یسار تھا ایک جانب یمیں
شدت سے پیار کرتے تھے ان کو امام دیں
حضرت کے منہ کو تکتے تھے دونوں وہ مہ جبیں
انصار کہتے تھے شہ گردوں جناب کے
دو چاند پہلوؤں میں ہے اک آفتاب کے

۴۰

اس آفتاب دیں کی ہو توصیف کیا رقم
مقبول حق امام زماں شافع امم
کان سخاؤ بحر عطا مخزن کرم
بے کس غریب حال رنج و غم و الم
لب خشک شکر حق سے مگر تر زبان تھی
زینبؑ کا تھا خیال سکینہ میں جان تھی

۴۱

اس وقت شہ سے حضرت عباسؑ نے کہا
ہر ایک چاہتا ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
ترتیب فوج کے لئے ہوتا ہے حکم کیا
یہ سن کے آبدیدہ ہوئے شاہ کربلا
فرمایا حق جل و علا بس کفیل ہے
کیا صف کشی کروں مرا لشکر قلیل ہے

۴۲

تم ان کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا
لیکن مجھے تو آج ہے مرنے سے مدعا
یاں تو جواں بہتّر ہیں اُدھر ہیں ہزارہا
جس طرح چاہو باندھ لو میدان میں پرا
پیچھے رہیں گے یا قدم آگے بڑھائیں گے
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے

۴۳

یہ سن کے باندھی فوج حسینی نے اپنی صف
اعدا نے جوڑے تیر کمانوں میں اُس طرف
استادہ بیچ میں ہوا ابن شہ نجف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
یہ ماجرا جو دیکھا تو حُر کو قلق ہوا
سینے میں دل اچھلنے لگا رنگ فق ہوا

۴۴

مل مل کے ہاتھ کہتا تھا نادم ہوں میں کمال
کیوں روکا میں نے آہ کدھر تھا مرا خیال
تدبیر کیا کروں کہ بخشے خطا فاطمہؑ کا لال
شہ کو ستمگروں سے رہائی ہے اب محال
روکے سے میرے جا نہ سکا سبط مصطفےٰ
میرے سبب بلا میں پھنسا سبط مصطفےٰ

۴۵

یہ دل میں اپنے کہتا گیا وہ عمر کے پاس
عمر نے دیا جواب ذرا دل میں کر قیاس
اس نے کہا کہ کس لیے آتا ہے بے حواس
ہے کچھ بھی مصطفےٰ و بتولؑ و علیؑ کا پاس
وہ کون ہے رسولؐ کا جس سے لڑائی ہے
جی میں ذرا سمجھ کہ یہ کس سے لڑائی ہے

۴۶

کھنچیں ہیں کیوں کماں تیغ کس پر چلیں گے تیر
فرزند مرتضیٰ ہے دو عالم کا دستگیر
زخمی محمد عربی ہوگا اے ایسر
بنت رسول پاک کا اس نے پیا ہے شیر
اس پر ستم نہ ہوگا گوارا رسول کو
مارا اسے تو جان کہ مارا رسول کو

۴۷

تب اس لعین نے چیں بہ جبیں ہو کے یہ کہا
اے حر ہمارا دوست ہے تو یا حسینؑ کا
حاکم سے جو بنی ہو تجھے اس سے کام کیا
اس نے کہا جو کلمۂ حق تھا سو کہہ دیا
کیوں روکتا جو ہوتا نہ دشمن امام کا
احسان مند ہوں مگر اس تشنہ کام کا

۴۸

روکا تھا میں نے اس شہِ عالی اُمم کو جب
پانی کا کوسوں نام نہ تھا مضطرب تھے سب
اس دن تھا میں بھی اور مرا لشکر بھی تشنہ لب
اونٹوں سے چھاگلوں کو اتارا سخی نے تب
دریائے فیض ساقیِ کوثر دکھا دیا
گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا

۴۹

ہرگز نہ قحط آب کا گذرا اسے خیال
واللہ بحر جود و سخا ہے نبیؐ کی آل
سوچا نہ یہ کہ ساتھ ہیں اطفال خرد سال
اپنے سخی سے ہو مجھے کیوں کر نہ انفعال
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اس حق شناس کے
بچے تڑپتے خیمے میں کیوں مارے پیاس کے

۵۰

احسان یہ نہ بھولوں گا جب تک ہے دم میں دم
واں حر کا یہ کلام تھا اور یاں بہ چشم نم
بے جرم و بے گناہ ہے وہ صاحب کرم
اکبر یہ شہ سے کہتے تھے اے شاہ اُمم
حر مانگتا ہے اذن عمر سے لڑائی کا
بندے کو اس سے حکم ہو تیغ آزمائی کا

۵۱

شہ مسکرا کے کہنے لگے اے پدر کی جان
ان دشمنوں میں دوست مرا ہے یہی جوان
حر کی طرف سے کیجیو ہرگز نہ یہ گمان
کرتا ہے وہ عمر سے فضائل مرے بیان
گمراہ آگے تھا وہ پر اب رو بہ راہ ہے
حر سے بدی نہ ہوگی مرا خیر خواہ ہے

۵۲

پر ابن سعد اس کی نہیں ماننے کا بات
مت روکتا ہے خاطر مہمان و اجبات
آوے گا میرے پاس اُدھر سے وہ خوش صفات
دشمن سمجھ کے کوئی اٹھائے نہ اس پہ ہات
کہتی تھی بس اسی کی ہماری پناہ میں
پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ میں

۵۳

فرماتے تھے یہ شاہ کہ اٹھی زمیں سے گرد
پیچھے رفیق شہ کوئی آیا پئے نبرد
دہشت سے ہو گیا رخ عمر بد سیر زرد
ہر شیر ہو گیا آمادہ فرد فرد
دیکھا تو کہتا آتا ہے کوئی پناہ دو
سبط رسولؐ تک مجھے جانے کی راہ دو

۵۴

اکبر نے دی صدا کوئی ہونے نہ سد راہ
حر اترا اپنے گھوڑے سے مابین رزم گاہ
پاس ادب سے رہ گئے ششدر رفیق شاہ
سر کو جھکائے ہاتھوں کو باندھے بہ اشک و آہ
دل اس جری کا دولت دنیا سے ہٹ گیا
قدموں سے ذوالجناح کے آکر لپٹ گیا

۵۵

آنکھیں سموں سے ملتا تھا رو رو کے بار بار
تقصیر وار ہے یہ غلام سیاہ کار
جو دیجئے سزا وہ مرے حق میں بد نہیں

کہتا تھا اے شفیع دو عالم کے یادگار!
تعزیر میں ہے بندے کی آقا کو اختیار
ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جس کی حد نہیں

۵۶

بچہ ہیں کریم ابن کریم آپ بے گماں
اے شاہ جرم پوش و خطا بخش عاصیاں
اس آستاں بغیر نہیں جا پناہ کی

ہادی و بندہ پرور و آقائے دو جہاں
بخشا نہ آپ نے تو ٹھکانا مرا کہاں
توبہ قبول کیجئے اس روسیاہ کی

۵۷

حُر سے یہ سن کے رونے لگے شاہِ کربلا
مادر ترے نثار ہو اے ابن مرتضیٰ
یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اس سے صاف ہو

آئی جناب فاطمۂ زہرا کی یہ صدا
حُر ہے تمہارے گھوڑے کے قدموں پہ لوٹتا
صدقے گئی قصور اب اسکا معاف ہو

۵۸

ماں کی صدا یہ سن کے ہوئے شاہ بے قرار
حُر کو اُٹھایا خاک سے اللہ رے افتخار
فرمایا اب خوشی ہو عبث تو ملول ہے

گھوڑے سے جلد کود پڑے روئے زار زار
چھاتی لگا لگا کے کیا خوب اس کو پیار
واللہ بیش حق تری توبہ قبول ہے

۵۹

اے حُر خدائے عزّ و جل کی مجھے قسم
گنتی میں میری فوج کے تھا ایک تو ہی کم
یوں شاد ہو کے تجھ سے ہم اے باوفا ملے

تیرا ہی انتظار میں کرتا ہوں دم بہ دم
پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آ ملے

۶۰

یہ مرتبہ جو حُر کا ہر اک پر عیاں ہوا
رتبہ یہ اپنا دیکھ کے حُر شادماں ہوا
سب کہتے تھے یہ شخص عجب خوش نصیب ہے

مہمان شہ سے ہم بغل اک اک جواں ہوا
تحسیں کا غل زمین سے تا آسماں ہوا
دوزخ اب اس سے دور ہے جنت قریب ہے

۶۱

قسمت نے اس کو راہ ضلالت سے دی نجات
اب دامن حسینؑ ہے اور اس جواں کا ہات
عزت دوچند کیوں نہ ہو اس خیر خواہ کی

بے فضل حق کسی کو نہیں سوجھتی یہ بات
مارا بھی اب گیا تو ابد تک ملی حیات
اس نے تو دل میں فاطمہ زہرا کے راہ کی

۶۲

اللہ رے اس جواں کے نصیبے کی یاوری
دینداری اختیار کی چھوڑی ستمگری
عصیاں سے پاک خط عمل یک قلم ہوا

اصحاب مصطفےٰ سے ہوئی اس کو ہمسری
آکر ہوا شریک جوانوں کے حیدری
نام اس کا دفتر شہدا میں رقم ہوا

۶۳

یوں اس طرف سے آیا اُدھر وہ نکو سرشت
بخشے گئے تھے آج تلک اس نے فعل زشت
پرسش نہ ہوگی حشر کے دن بے حساب ہے

دوزخ سے جس طرح کوئی جاوے سوئے بہشت
وہ سب ثواب ہو گئے اللہ ری سرنوشت
ذرّے سے کم تھا کل مگر آج آفتاب ہے

۶۴

کیوں کر نہ ایسے شخص کا عالی ہو مرتبا
قسمت سے مل گیا اسے آقا حسین سا
عاشق ہوا یہ اس کا جو ہے عاشقِ خدا
ورنہ کجا یہ اور پسرِ فاطمہ کجا
واللہ اس کو خوبیِ اعمال کہتے ہیں
بخت اس کو کہتے ہیں اسے اقبال کہتے ہیں

۶۵

کل تک تو تھا یہ داخلِ افواجِ رو سیاہ
یوں نکلا یہ خسوف سے جس طرح نکلے ماہ
توفیقِ نیک آج ہوئی اس کی خضرِ راہ
خورشید دیں کے سایۂ دامن میں لی پناہ
ذی ہوش تھا سمجھ کے خطا و ثواب کو
تھاما سوار دوشِ نبیؐ کی رکاب کو

۶۶

طالع نے خوابِ زشت سے اس کو جگا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا
دل نے نفاق و کفر کا پردہ اٹھا دیا
آنکھوں نے جلوہ نورِ خدا کا دکھا دیا
جو راہ راست تھی قدم اس راہ پر گئے
کام اسکے بگڑتے بگڑتے ہوئے تھے سنور گئے

۶۷

یہ بے ادبی ہوا تھا جو حضرت کا سدِّ راہ
سرزد ہوا تھا اس سے عجب طرح کا گناہ
مظلومیِ امام یہ کی تھی نہ کچھ نگاہ
آیا ہے بہرِ معذرت اب یہ حضورِ شاہ
لطف و کرم ہے بات نہیں کچھ ملال کی
دیکھو رحیمی فاطمہ زہراؑ کے لال کی

۶۸

کچھ دل میں اس کے رد و بدل کا نہیں خیال
قلبِ امام صاف ہے آئینہ کی مثال
مانندِ گل شگفتہ ہے زہرا کا نونہال
محتاج تھا مدد کا نہ یہ شاہ خوش خصال
دیں پروری تو دیکھو تم اس باوقار کی
ہے یہ خوشی کہ راہ خدا اختیار کی

۶۹

یہ ذکر تھا فرشتوں میں بالا سے آسماں
مطلب پر آئے سب مرے اے سرورِ زماں
حُر ہاتھ جوڑے شاہ سے کرتا تھا یہ بیاں
اب دور ہو ملال کو یوں رواں
کوئی ابھی نہ مستعدِ کارزار ہو
ان قدموں پر غلام ہی پہلے نثار ہو

۷۰

شہ نے کہا کہ حُر ابھی رخصت کا لے نہ نام
ہم تو تین دن سے ہیں بے آب و بے طعام
ارماں ہے کہ غریبوں کے گھر کوئی دن مقام
کی عرض حُر نے پاؤں پہ گر کر کہ یا امام
ہرگز تسلی جینے سے میری نہ ہوئے گی
بے زخم کھائے اب مجھے سیری نہ ہوئے گی

۷۱

سنتے جو حُر نے کی بہت آنسو بہا بہا
فضہؑ نے آ کے اتنے میں حضرت سے یہ کہا
رونے لگے لگا کے اسے شاہ کربلا!
در پہ کھڑی ہیں حضرت زینبؑ برہنہ پا
پوچھا ہے یہ کہ بھائی جدا کس سے ہوتے ہو
یہ کون ہے کہ جس کے گلے لگ کے روتے ہو

۷۲

یہ سن کے حُر کو خیمہ کی ڈیوڑھی پہ لائے شاہ
بھیا وہ حُر ہوا تھا ہمارا جو سدِّ راہ
زینبؑ سے جا کے کہنے لگے یوں بہ اشک و آہ
آیا ہے وہ مدد کے لیے ہو کے عذر خواہ
غازی ہے حق پرست ہے اور باتمیز ہے
وہ مجھ کو بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے

۷۳
ڈیوڑھی پہ ہاتھ جوڑے کھڑا ہے وہ جنتی
بنت نبیؐ نے اس کی سفارش ہے مجھ سے کی
امید وار عفو جرائم ہے تم سے بھی
تب شاد ہو کے کہنے لگی دختر علیؑ
دونوں جہاں میں مرتبہ اس کا زیادہ ہو
میں اس سے شاد ہوں مرا اللہ شاد ہو

۷۴
جو ہے تمہارا دوست وہ ہے مجتبیٰؑ کا دوست
جو مرتضیٰؑ کا دوست ہے وہ مصطفیٰؐ کا دوست
جو مجتبیٰؑ کا دوست ہے وہ ہے مرتضیٰؑ کا دوست
جو مصطفیٰؐ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
راضی ہوئے علیؑ شہِ لولاک خوش ہوئے
حُر سے خدا و پنجتن پاک خوش ہوئے

۷۵
حُر نے سنا یہ حضرت زینبؑ کا جب کلام
فضہ سے تب یہ کہنے لگی خواہر امام
یوں عرض کی کہ بندگی کرتا ہے یہ غلام
تو حُر سے جا کے بعد دعا کہہ مرا پیام
بھائی شریک تو جو ہوا میرے بھائی کا
دل تجھ سے شاد ہو گیا زہراؑ کی جائی کا

۷۶
آنے سے تیرے شاد تو ہیں پر ہے ایک غم
بچوں کے مارے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم
مہماں کیا کریں کہ ہیں محجوب تجھ سے ہم
پانی بھی تین روز سے پہنچا نہیں بہم
یہ بیکسوں پہ ظلم خدا کا بھی ڈر نہیں
مہماں ہیں جن کے ان کو ہماری خبر نہیں

۷۷
یہ سن کے حُر کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں
اصغرؑ کو لا کے گود میں تب سرورِ زماں
ہم سب تو اک طرف یہ جو بچہ ہے نیم جاں
اس کی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے

۷۸
اصغرؑ کا حال حُر سے یہ کہتے تھے شاہ دیں
بابا مرا بھی حال کہا حُر سے یا نہیں
جو دی صدا سکینہؑ نے یہ با دل حزیں
پوچھا جو اس نے بولا یہ زہراؑ کا نازنیں
عاشق ہوں اسکا میں یہ بہت تشنہ کام ہے
اے حُر سکینہ اس مری بیٹی کا نام ہے

۷۹
حُر نے کہا کہ اب نہیں میرے جگر میں تاب
رن کی ہیں اب غلام کو رخصت ملے شتاب
اس صبر کے نثار میں اے ابن بوتراب
ناچار ہو کے شاہ نے اس کو دیا جواب
مقبول حق ہے کون تری عرض رد کرے
جا بھائی تیری خالق عالم مدد کرے

۸۰
یہ مژدہ سن کے شاد ہوا حُرِ نامدار
روئے امام بیبیاں بھی روئیں زار زار
حضرت کے گرد پھر کے ہوا گھوڑے پر سوار
پہنچا وہ مثل شیر بہ میدان کارزار
لاکھوں تھے پر بجا نہ کسی کے حواس تھے
آمد کو اس کی دیکھ کے سب بدحواس تھے

۸۱
اللہ رے اس دلیر کی فر و شکوہ و شان
کہتا تھا کوئی حُر سے مشابہ ہے یہ جوان
ہیبت سے جس کی فوج میں تھا شور الاماں
بولا کوئی یہ شخص کہاں اور حُر کہاں
کیا اس قدر فروغ تھا اس کے جمال کا
یہ تو کوئی عزیز ہے زہراؑ کی آل کا

۸۲
یہ شور سن کے فوج سے حُر نے کیا کلام
آقا مرا حسینؑ ہے اور حُر ہے میرا نام
مت سمجھو تم عزیز میں ہوں شاہ کا غلام
صورت پہ میری کیوں لکھیں حیرت کا ہے مقام
بے وجہ حُسن کا نہیں رُخ پر ظہور ہے
اے ساکنانِ شام یہ ایماں کا نور ہے

۸۳
اور دوسرا سبب یہ ہے اے قوم بے وفا
واللہ ابنِ فاطمہؑ ہے نورِ کبریا
سجدہ اپنا میں نے شاہ کے قدموں پہ ہے رکھا
برتر ہو کیوں نہ اس کے غلاموں کا مرتبا
معمور نورِ حق سے مرا سینہ ہو گیا
تاثیرِ خاکِ پا سے دل آئینہ ہو گیا

۸۴
یہ سن کے ابنِ سعد پکارے بصد ہراس
حُر نے دیا جواب کہ اے مردِ بے حواس
دشمن سے مل گیا نہ کیا کچھ نمک کا پاس
رکھتے ہیں پاسِ دیں کو مقدم خدا شناس
کرتا ہے دشمنی تو جنابِ بتول سے
فاسق کے بدلے لڑتا ہے سبطِ رسولؐ سے

۸۵
واللہ گوشوارۂ عرشِ خدا ہے وہ
ریحانۂ ریاضِ شہِ لافتا ہے وہ
لاریب پارۂ جگرِ مصطفا ہے وہ
نورِ دو چشمِ حضرتِ خیرالنسا ہے وہ
مختار ہے جو روضۂ دار السلام کا
پاس یزید کرتا کہ پاس اس امام کا

۸۶
ہے تجھ کو کر دیا طمعِ دنیوی نے کور
ہونے گا پاس غیرِ ندامت نہ زر نہ زور
کھل جائے گا غرور و تکبر بسانِ گور
پاسِ نمک نہ کرنے کا میرے عبث ہے شور
اب کیا روزِ پرسشِ اعمال دیکھیو
میرا بھی رتبہ اپنا بھی تو حال دیکھیو

۸۷
یہ سنتے ہی عمر نے کیا فوج سے خطاب
چمکا کے حُر نے گھوڑے کو اپنے دیا جواب
ہاں پہلے مار ڈالو اسے گھیر کر شتاب
تو ہی نکل کے مجھ سے لڑ اے خانماں خراب
تا دیکھیں یہ بھی جتنے جو مجھ پر چڑھتے ہیں
شبیرؑ کے غلام بھی کس طرح لڑتے ہیں

۸۸
یہ کہہ کے حملہ ور ہوا جوں شیرِ خشمناک
زخمی ہو لوٹنے لگے کتنے ہوئے بہ خاک
کتنوں کو مارا خوف سے کتنے ہوئے ہلاک
کتنے جو تیر مارتے تھے ان کو تاک تاک
وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے
دہشت سے کھینچ نہ سکتے تھے چلّے کمانوں کے

۸۹
تلوار کھینچے شیر سا جاتا ہے جس طرف
نعرہ ہر ایک وار پہ تھا یا شہِ نجف
ہو جاتی تھی ادھر کی پراگندہ صف کی صف
فرماتا تھا یہ حیدرِ کرار کا خلف
تحسین کا آسمان و زمیں پر خروش ہے
جاں کو میرے آج شجاعت کا جوش ہے

۹۰
یاں تو بیاں یہ کرتے تھے حضرت بہ چشمِ نم
اس نے بھی سر بدن سے کئے سیکڑوں قلم
واں اس جری پہ ٹوٹ پڑا لشکرِ ستم
پر آپ بھی وہ زخمی ہوا سر سے تا قدم
بارانِ تیرِ ظلم سے سب جسم چھن گیا
جانباز کا سمند بھی طاؤس بن گیا

۹۱

رگ رگ سے حُر کی چھٹنے لگی جب لہو کی دھار
نیزہ کسی نے آ کے جو مارا قضا شعار
غش میں جھکا وہ گھوڑے کی گردن پہ ایک بار
تب یا حسینؑ کہہ گئے گرا حُرِّ نامدار
یہ سن کے ابرِ غم دلِ سرور پہ چھا گیا
اک آہ کی کہ عرشِ خدا تھرتھرا گیا

۹۲

رہوار سے اُتر کے چلے مضطر و حزیں
اکبرؑ نے دوڑ کر یہ کہا یا امامِ دیں
رکھا زمیں پہ پاؤں کہیں اور پڑا کہیں
جانا مناسب آپ کا اس فوج میں نہیں
تنہا حضور جائیں نہ حُر کی تلاش کو
ہو حکم تو غلام اُٹھا لائے لاش کو

۹۳

شہ نے کہا کہ تم مجھے روکو نہ میری جاں
ملتا ہے دوست خلق میں اس طرح کا کہاں
میرے لئے شہید ہوا میرا میہماں
میرے بغیر اور نہیں کوئی اُس کا یاں
رخصت کو اُس غریب کی جانا ضرور ہے
مہماں کو گلے سے لگانا ضرور ہے

۹۴

بیٹا میں کیا بیان کروں حُر کا مرتبا
رو رو گلے لگاتے ہیں شفقت سے مرتضاؑ
لاشے پہ اُس کے آئے ہیں پیغمبرِ خدا
ہمت کی اُس کی کرتے ہیں تعریف مجتبا
عزت یہ کس شہید کی دنیا میں ہوئی ہے
ماں میری حُر کے واسطے مقتل میں روتی ہے

۹۵

یہ کہہ کے لاش پر گئے حضرت بہ چشمِ تر
اُس سے لپٹ کے رونے لگے شاہ بحر و بر
وہ زخمی لوٹتا تھا پڑا ریگِ گرم پر
زانوں پہ اپنے رکھ لیا شفقت سے اُس کا سر
تہ جم گئی تھی چہرے پہ اُس کے جو خاک کی
حضرت نے آستینِ مبارک سے پاک کی

۹۶

منہ اُس کا دیکھ دیکھ کے اس طرح روتے تھے
اشک امام حُر کے جو رخسار پر گرے
روتا ہے جس طرح کوئی فرزند کے لئے
تب اس نے آنکھیں کھول کے کی عرض شاہ سے
آغوش میں لیے ہوئے حضرت جو روتے ہیں
واللہ ٹکڑے میرے کلیجے کے ہوتے ہیں

۹۷

اس بندہ پروری پہ ہوں تو جان سے فدا
تشریف لائے آپ خوشا میرا مرتبا
شفقت وہ مجھ پہ کی کہ نہیں جس کی انتہا
ممتاز اس غلام کو کونین میں کیا
لغزش میں تھا قدم مرا لیکن سنبھل گیا
بیڑا مرا تباہی سے باہر نکل گیا

۹۸

زخمی ہوں تیغ و تیر سے میں سر سے تا قدم
کہنے لگے یہ تب شہِ بے کس بہ چشمِ نم
کس طرح اُٹھ کے گرد پھروں یا شہِ امم
واللہ تو تو زخمی ہے اور ہے مجھے الم
کوئی نہ بچ رہے گا حسینی سپاہ میں
ہم سب شریکِ درد ہیں خالق کی راہ میں

۹۹

مجروح جس طرح سے ہوا ہے ترا بدن
جس طرح ہاتھ کٹ گئے ہیں تیرے تیغ زن
تلواریں یوں ہی کھائے گا لختِ دلِ حسنؑ
بے دست یوں ہی ہوئے گا عباسؑ صف شکن
زخمِ سناں ہے تیرے دلِ دردناک پر
زخمی ہو یوں ہی تڑپے گا اکبر بھی خاک پر

۱۰۰

جس طرح تیر ظلم ہے تیرے گلے کے پار
مجروح یوں ہی ہوگا مرا طفلِ شیر خوار
بعد اُس کے مجھ کو زخمی کریں گے ستم شعار
جس دم گروں گا گھوڑے سے باچشمِ زخم دار
مارے گا برچھی اور کوئی تلوار مارے گا
چھاتی پہ چڑھ کے خنجر مرا سر اُتارے گا!

۱۰۱

زخمی جو تو ہوا تو میں آیا ترے قریں
آغوش میں لیتا تجھے باخاطرِ حزیں
زانوں پہ تیرا سر رکھا اے حر بایقیں
لیکن چلے گی جب مری گردن پہ تیغِ کیں
جز یاس و بے کسی نہ کوئی پاس ہوئے گا
زانوں پہ رکھ کے سر کو مرے کون روئے گا

۱۰۲

ہوئے گا سوئے خلد رواں جب تو نیک نام
لے جاؤں گا میں لاش تری تا درِ خیام
پر اپنی بے کسی کو کہوں کیا میں تشنہ کام
روندیں گے میری لاش کو گھوڑوں سے اہلِ شام
بعدِ فنا بھی ہوئیں گے رنج و محن مجھے
چالیس دن تلک نہ ملے گا کفن مجھے

۱۰۳

شہ نے جو حُر سے اپنی مصیبت یہ کی بیاں
اُس باوفا کی آنکھ سے آنسو ہوئے رواں
قدموں سے شہ کے ملنے لگا چشمِ خوں فشاں
ہچکی جو آئی موت کی غازی کو ناگہاں
آنکھیں پھرائیں زیست کا نقشہ بدل گیا
حسرت سے دیکھا شاہ کو اور دم نکل گیا

۱۰۴

جس بے کسی سے رو کے تھے حر کو شہِ اُمم
کس دل میں تاب ہے جو بیاں کر سکے وہ غم
دریا اگر مداد اور اشجار ہوں قلم
یہ غم وہ ہے انیسؔ کہ ہرگز نہ ہو رقم
کیا کچھ نہ لکھتے جائیں گے کیا کچھ کہا نہیں
سچ ہے غمِ حسین کی کچھ انتہا نہیں

رباعی

جبریلِ امیں کو فخرِ دربانی ہے
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

رباعی

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوش بو ہو جائے
عطرِ عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیمِ زلفِ ہم شکلِ رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

رباعی

مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
سینہ تیروں کا یوں کسی پر برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں بحر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

رباعی

میزانِ کرم میں جُرم تُل جاتے ہیں
فردوس میں مثلِ بوئے گُل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

مرثیہ

۱

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوئی آئی بہارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

۲

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۳

وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۴

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

۵

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
رو کے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

۶

وہ پھولنا شفق کا وہ مینا لئے لاجورد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
گل سی وہ گیاہ وہ گلِ سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۷

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

۸

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
گیتی کو تنگ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر

۹

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
وہ گوریاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر
چمکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ بے شیر کے لئے

۱۰

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
چلّاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

۱۱

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
حلقے میں اہلِ بیتؑ کے روتے تھے یاں امام
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ امام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہؑ کے ہاتھ تھے

۱۲

زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

۱۳

زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
یاد آ گیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
فرمایا اے بہن تری الفت کے میں نثار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہردم خیال ہے
بھینا حسینؑ مخبرِ صادقؐ کا لال ہے

۱۴

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم
اُمّت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

۱۵

یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ تر
زینبؑ خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

۱۶

فرما کے یہ سکینہؑ کے منھ پر نگاہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی
گودی میں لے لیا اسے اور دل سے آہ کی
سمجھی یہ آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منھ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

۱۷

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ پھر پائیے گا آپ
چھاتی پہ سونے والی کو تڑپائیے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھکو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

۱۸

منھ چوم کر یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال
صدقے تھے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امامؑ ہو
سوکھے ہیں ہو گئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

۱۹

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رلاؤ
ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو قبول سے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

۲۰

ناچار شہ کی گودی سے اتری وہ رشکِ حور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

۲۱

حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس و جن
فاقوں میں باحواس لڑائی میں مطمئن
کوئی جواں کوئی متوسط کوئی مسن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین پہ دن میں تو عید ہو

۲۲

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جس کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
حرارت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
الٹے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

۲۳

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
جاں بازِ سرفروش بہادر وفا شعار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
اک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

۲۴

خلق و مروت عشق اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم تیغ زنی ان پہ ختم تھی
حسن اُن پہ ختم گلبدنی اُن پہ ختم تھی
ہر معرکے میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علی رہے اُسی بیشہ کے شیر تھے

۲۵

اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گلبدن
رخسار سے بہم تھے جو گیسو کھلے پُر شکن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
حیران تھے سب کہ مل گئے کیوں کر حلب ختن
سرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

۲۶

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بہ دم
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
مرضی ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

۲۷

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
دو روز سے ملا نہیں میرے تن کو آب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں صبر دل کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

۲۸

قربان احتشام علمدار حق پژوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ
لرزاں تھے جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کا شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہ شام تھی پنجے میں شیر کے

۲۹

اک سو چراغ محفل شبیر تھا جلوہ گر
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرت قمر
روشن تھے جن کے چہرۂ انور سے دشت و در
تن تن کے جھومتا تھا اگر خیل شبر زر
جرأت نثار ہوتی تھی اس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

۳۰

تلوار تول تول کے دست جدال میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگن کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تار نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

۳۱

تھے بھلوئے حسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال
کاندھوں پہ تیغ نظر آتے تھے دو ہلال
گویا قرین بدر تھے دو جسم بے مثال
ظاہر تھا چتونوں سے ید اللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیر حق کے گھرانے کے شیر تھے

۳۲

دونوں یتیم حضرت مسلمؑ تھے کیا عقیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر ہو گئے قتیل
حاضر تھے باادب عقب سرور جلیل
ہم کو یوں کو ماریں گے غریب ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہب ابن زیاد پر

۳۳

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
لے جا کے بام پر سر اقدس کیا جدا
یہ ظلم اک غریب پہ بے کس پہ یہ جفا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
ایسی کبھی دکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش ابھی تک گڑی نہیں

۳۴

اس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ رو سیاہ
منت ہے ان غریبوں کے مطلق نہ کی نگاہ
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغ دو دم کریں
ہم بچوں سے ہاتھوں کو اس کے قلم کریں

۳۵

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
بڑھ بڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
جو صدر زیں پہ مصدر رحمت ہوا سوار
آگے بڑھے علم لیے عباسؑ نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امام امم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

۳۶

اللہ رے فیض جلوۂ ابن شہ نجف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعت شرف
بس یک بیک بجا دہل جنگ اس طرف
گیتی لرز گئی دل اوتاد ہل گئے
تیر ستم کمانوں کے چلوں سے ہل گئے

۳۷

لشکر سے تب بڑھا پسر سعد چند گام
شاہد رہیں تمام دلیران فوج شام
چلے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسین کا
کیا شاد ہوں جو ہوف ہو جو سینہ حسین کا

۳۸

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
بے جان ہوئے پچاس رفیقان بے نظیر
یک بار فوج شہ پہ چلے دس ہزار تیر
لاشوں پہ ان کے روئے امام فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہل تمیز تھے
ہاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

۳۹

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بہ خیر
روتے تھے حال فخر سلیماں پہ وحش و طیر
تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اس میں کوئی غیر
کرنے لگے عزیز بھی ملک عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امام جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

۴۰

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
مانند شیر حق کئے حملے ادھر ادھر
نکلے وغا کو زینب ذی جاہ کے پسر
کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے سر
الٹیں صفیں جدھر وہ دم جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

۴۱

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباس نام ور
لو کام آئے زینب ناشاد کے پسر
روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

۴۲

دوڑے حسین جانب مقتل بہ اشک و آہ
مُردوں کو بھانجوں کے اٹھا لائے گھر میں شاہ
آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشک ماہ
سر پیٹے اہل بیت رسول فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۴۳

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
ہم شکل مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

۴۴

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال
رو کر کہا کہ اے حسن مجتبیٰ کے لال
قاسم کو اپنے پاس بلایا بہ صد ملال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشک خوں مرے چشم پر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

۴۵

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھتے ہو کیا تمہیں پالا ہے شاہ نے

۴۶
سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
سر ان کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسینؑ بھی محمدؐ کے سامنے

۴۷
جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دلہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
قرباں ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمہیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

۴۸
مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گل عذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھے رہیں وقت کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

۴۹
اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ امم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں مزار کشتۂ ستم کی ہمیں قسم
رن پر قدم ہے اب کوئی دم میں سوئے عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہسوار ہوں
عباسؑ ہوں کہ اکبرؑ عالی وقار ہوں

۵۰
یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دلہن کے پاس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

۵۱
کس سے کہیں جو حال دل دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے
اب کوئی دم میں دلبر زہراؑ ہلاک ہے
آئی تباہی آل نبیؐ کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امام حجاز پر

۵۲
تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسر ضیغم صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روز بد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم بتولؑ سے تم سرخرو رہو

۵۳
واللہ قتل ہوں گے جو عاشق نام ور
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
اکبرؑ خدانخواستہ مارے گئے اگر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا چلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

۵۴
سوچو تمہیں کہ گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریاد نانا علیؑ کی صدا دیں سنا کریں
رخصت کرو تو فوج ستم سے وغا کریں
کھولو جو لعل لب تو پھر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپرد عروس اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

۵۵

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور
پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
نرگس کے پھول ہاتھ سے ملنا یہ کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

۵۶

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پُر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو

۵۷

اک دم کی بھی نہیں تو جدائی ہے تم سے شاق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق
کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوں ہی رہو گی تنِ پاش پاش پر
کیا بَین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر

۵۸

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
منھ پر دُلھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

۵۹

سمجھی کہ بیٹے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
سوؤ گے منھ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسنؑ سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلھن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیے
اے شمعِ بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیے

۶۰

فرمایا کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
مہماں ہیں جہاں میں کوئی دم کے حق شناس
نے باپ کی نہ بھائی کی اور نے چچا کی آس
سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو نصیب ہمارے اُلٹ گئے

۶۱

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
بندھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوویں گے صاحب کی لاش پر

۶۲

باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسمؑ بہ حالِ زار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گل عذار
ہل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

۶۳

فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسنؑ
غل پڑ گیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دُلھن
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیو زنِ بیوہ کے لال کی

۶۴

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
تو میں نے دودھ بخش دیا سب رہیں گواہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیٔ الٰہ
بیٹھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اسکی کنیز ہوں

۶۵ مطلع

جب خیمۂ حسینؑ سے نکلا حسنؑ کا لال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد ملال
دیجیے رضائے حرب مجھے بہر ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ روکیو
شبیر نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

۶۶

لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ امم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
پیارے تمھارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

۶۷

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تسلیم کر کے قاسمِ گل رو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

۶۸

پہونچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
نیزہ بکف کے گھوڑے کو پھیرا ادھر اُدھر
خورشید خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رخِ پر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

۶۹

کیوں وصفِ لعل لب میں حلاوت نہ پائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
ہے مدح خواں کو قند مکرر تمنائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چھپائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق سے

۷۰

دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب
براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
بتیس موتیوں کی یہ قرآن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر

۷۱

ناگاہ رجز پڑھنے لگے قاسمِ جری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم سے ہے اوج پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب پہ ہر خاص و عام کا
سکہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

۷۲

جد ہے مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف
دادی جنابِ فاطمہؑ زہرا سی ذی شرف
ضرغامِ دیں معینِ رسولانِ ما سلف
عمو حسینؑ صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں
زہرے سے جو شہید ہوا اسکا لال ہوں

۷۳

اس کا پسر ہوں اے سپہِ مقہورِ روم و شام
واللہ اس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
گلزارِ فاطمہؑ کا ہے جو سروِ سبزہ فام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اس کی ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی

۷۴

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
قاسمؑ بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دو دم چلے
تیر و سناں و نیزہ و خنجر بہم چلے
اعدا پہ پھیر کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

۷۵

ڈھالیں اٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن پڑے رہے اور سر اتر گئے

۷۶

تھا ابنِ سعدِ شوم کو اس دم بہت ہراس
اس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
غرقِ سلاح ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اٹھا لے سمند سے

۷۷

کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف
تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یاں تب لڑوں اگر علیؑ آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

۷۸

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خورد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

۷۹

لکھا ہے چار تھے پسرِ ازرقِ پلید
بولا یہ ان کو دیکھ کے وہ پیروِ یزید
دشمن تو آلِ پاک کے شیطان کے مرید
ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
رلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسولؐ کو

۸۰

یہ چاند مجتبیٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ
تلواریں مارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولہا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجیو تم میرِ شام کو

۸۱

نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک یل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
ہاں اے حسنؑ کے لال خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نام شہِ ذوالفقار لے
بیکسی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

۸۲

قاسمؑ یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار
امداد وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

۸۳

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
تھا بس کہ تیز دستِ حسنؑ کا مہِ منیر
چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

۸۴

اک ہاتھ میں گرے جو کٹے دستِ نابکار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
پکڑا کماں کے کھینچنے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چھپ گئی تودوں میں خاک کے

۸۵

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیرِ بے اماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں
قربان تیرے ہاتھ کے چلّائی یہ کماں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

۸۶

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

۸۷

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سن کے اس نے ڈھال کو چہرے پہ کر لیا
بجلی کو بے حیا کی سناں میں پرو دیا

۸۸

بے کار ہو کے کور ہوا جب وہ خیرہ سر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر
پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
جا تو بھی ہے برادرِ عینی ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

۸۹

جھپٹا برادرِ سوم اس کا بہ کرّ و فر
یاں بہرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
تیغِ دودم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمود سرِ نابکار کو
جس طرح تیغِ تیز اڑا دے خیار کو

۹۰

مرتے ہی اس کے فوج سے جو تھا پسر بڑھا
سنتے ہی یہ وہ تیغِ دودم کھینچ کر بڑھا
قاسمؑ پکارے او لعیں خود سر کدھر بڑھا
جھنجھلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

۹۱

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئی چشمِ نابکار
ارزق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
شکلِ تنور منھ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

۹۲

شانے پہ تھی شقی کے وہ دوٹانک کی کماں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بے تک کہ الاماں
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
اکتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
بگڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال میں

۹۳

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام
عباسؑ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
آیا سوئے یتیمِ حسنؑ موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اتار کے

۹۴

یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
اے خالقِ زمین و زماں ربِ کائنات
درگاہِ کبریا میں دعا کی اٹھا کے ہات
ارزق کے ہاتھ سے مرے قاسمؑ کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے
یارب بچا لے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

۹۵

فضہؓ پکاری خیمے میں آ کر بچشمِ تر
آیا ہے لڑنے ارزقِ ملعون خیرہ سر
لوگو تمھیں یتیمِ حسنؑ کی بھی ہے خبر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بے حواس ہیں

۹۶

نکلا یہ سب کے منھ سے کہ ہے ہے حسن کا لال
بیٹھے سے ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
زینبؑ نے اٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
چلائی ماں گذر گیا کیا میرا نونہال
عابدؑ کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسمؑ کے چھوٹے بھائی کا منھ زرد ہو گیا

۹۷

چلائی رو کے زوجۂ عباسؑ نوجواں
سن کر یہ غل دلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں
یارب ہے تو یتیمِ حسنؑ کا نگاہباں
لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولھا پہ آنچ ہے میں صدقے دعا کرو

۹۸

اس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِ ذوالمنن
زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلہن
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

۹۹

یارب دلہن بنے مجھے گذری ہے ایک شب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح بر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اٹھا لے تو خوب ہے

۱۰۰

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یا کہ بیاہ
جو آگیا پیام رنڈاپے کا یا الٰہ
بعد ان کے ہوگا خلق میں کیونکر میرا نباہ
اٹھوں جہاں سے دلبر شبیر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

۱۰۱

تو جیں ادھر دعا کی چلیں سوئے آسماں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
بل کھا کے اس طرف یہ پکارا وہ بد زباں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں
ہے اسکی تیغ ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سر سر کیا ہے دیو کو جنگل میں بیس کے

۱۰۲

قاسمؑ نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سر بلند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
نیزے کا بند باندھ کوئی پھینک کر کمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

۱۰۳

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل
جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل
جرات میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

۱۰۴

یہ گرز میلِ راہ سقر ہے ترے لئے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے
دست اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لئے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغ دو دم تجھے

۱۰۵

کیا ہوسکے گا تجھ سے بھلا وقت دار و گیر
حلقہ نہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آغوش میں کہ تجکو سیاہی دبائے ہے

۱۰۶

گو اسلحہ ہے زیور مردان سر گذار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغ آبدار
سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر و دار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے

۱۰۷

بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل ترے حواس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
گر ہیں جو نور عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا خجل ہے کہ منھ کو چھپائے ہے

۱۰۸

آگے ہمارے دعوئ جرات خدا کی شان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجوان
گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زبان
لے میاں سے کہ اسکا بھی ہو جائے امتحان
ہیں شیر شیر خوار جناب امیرؑ کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

۱۰۹
بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش اور زبوں شعار
مرحب سا پہلواں نہ بچا وقت کارزار
گینڈے کی ڈھال کاٹنی ہے تیغ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگ گئی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

۱۱۰
قائل کیا جو مصحف ناطق کے لال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اس بد خصال نے
تر کر دیا اسے عرق انفعال نے
پھیرا فرس کو قاسمؑ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب ڈرے ہوئے
عباسؑ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

۱۱۱
قاسمؑ نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور
رہیے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جان عم کہ دم کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

۱۱۲
کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پٹری جمی رہے

۱۱۳
فارس ہے تم سا کون تہ چرخ چنبری
صدقے میں اے نہنگ محیط دلاوری
دکھلا رہے ہو صاحب دلدل کی بگدھری
دکھلا دو ضرب تیغ جہانگیر حیدری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہیں چوٹیں کڑی رہیں

۱۱۴
بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے علیؑ کا زور
بہرام کی طرح سے چلا اب میان گور
گو بیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور شور
چلتے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

۱۱۵
سنکر صدا نے شیر پکارا وہ بزدلا
تیوری چڑھا کے حضرت عباسؑ نے کہا
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازم وغا
بس ہے سمجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

۱۱۶
نیزہ جما کے جانب قاسمؑ بڑھا وہ پیل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل
دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیٹے اسد ذوالجلال کے
بچو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷
یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی نکال
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

۱۱۸
قاسمؑ نے زور سے جو انی پہ رکھی آنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آ بنی
بھالا گا شقی کے جسم سے زور تہمتنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

۱۱۹
جھلّا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
قاسمؑ نے ڈانڈ ڈانڈ پہ ماری بچا کے سر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰
نکلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
چلّے میں بے کمان کیانی بہ صد غضب
تیوری چڑھائی قاسمؑ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

۱۲۱
بولے یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسنؑ
چلّائے بڑھ کے حضرتِ عباسؑ صف شکن
رُخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد پیل تن
کیا تجکو خوب یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو

۱۲۲
کند و گداز تیر نظر پہ بھی کی نظر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر
ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چلّے سے کو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

۱۲۳
دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر
ہاں اے حسنؑ کے لال بدخشاں بدہ بگیر
چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
بجلی چمک کے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسمؑ سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس نے بھی تیور بدل گئے

۱۲۴
مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
مارے زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
آنکھیں ابل پڑیں صفتِ آہوئے ختن
چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی تو چڑھا ہے رن
تہیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

۱۲۵
فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
دشمن کو گھورتا ہے دہانا چبا چبا
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو با دنا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑنے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶
چنچل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھما اڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اڑا
صورت بنائی جست کی سٹا جما اڑا
غل سمند باد شبہ اٹھا اڑا
جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک	۱۲۷	دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک
چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی		یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی
ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیٔ حسد	۱۲۸	تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد کہتا تھا بازوئے شہ دیں یا علیؑ مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو		جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو
لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بدخصال گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بہ صد جلال	۱۲۹	جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسنؑ کا لال اتنے بڑھے کہ رہ گئی اس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے		گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے
عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا	۱۳۰	ہاں اب نہ جانے دو بچو احسنت مرحبا سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا ابھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا		مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا
غازی نے دی صدا کہ وہ مارا رذیل کو کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو	۱۳۱	بچے نے آج پست کیا مست پیل کو لوگو سنو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا		دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا
قاسمؑ سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں ظفر اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر	۱۳۲	تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو		کام آئے کیوں نہ داؤ جو استاد پاس ہو
فرمایا جانِ عم یہ لشکر تھا کہ دیو زاد آؤ کہ تم پہ پھونک دیں بڑھ کر وان یکاد	۱۳۳	ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد چلائی دور سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسینؑ پر		اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر
عباسؑ نامدار تو ہنستے چلے ادھر اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر	۱۳۴	یعنی خوشی کی جا کے شہ دیں کو دوں خبر یاں اس پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے		حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے
کیوں کر تمام فوج سے یہ تشنہ لب لڑے کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے	۱۳۵	اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے جانبازیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا		بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا

۱۳۶
للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
بجلی گری اُدھر یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
منھ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

۱۳۷
کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
پھر دست چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
دست یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
تیورا کے سنبھلے منھ سے لہو ڈالا دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

۱۳۸
آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد روسیاہ
رو کے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھا دو حسنؑ کے چراغ کو

۱۳۹
تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
پڑتی تھیں وہ قریب سے سب ناتوان پر
حملہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

۱۴۰
غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز کا جو سر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ بچاؤ غلام کو

۱۴۱
سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسؑ باوفا
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلائی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی

۱۴۲
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
اس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوئے یسار
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

۱۴۳
دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فغاں
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

۱۴۴
ڈیوڑھی پہ لاش لائے جو سلطانِ بحر و بر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی کوئی سر
پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
چادر کمر کی تھامے تھے عباسؑ نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں

۱۴۵
لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہ کربلا
دوڑے ادھر سے پیٹتے ناموس مصطفا
فضہ بھی آ گئی آگے کھلے سر برہنہ پا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو!
دولہا دلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

۱۴۶
بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل نبی پہ آئیں
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دولہن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تاکہ براتی بھی چین پائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو دلہن کی نکالے جہیز کو

۱۴۷
ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
پہنچے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
گھبرا کے تب سکینہؑ سے بولی وہ نوحہ گر
دولہا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

۱۴۸
یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہؑ سے جگر فگار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

۱۴۹
یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہؑ برہنہ سر
آ کر قریب صحن پکاری بہ چشم تر
اے بیبیو کسی کو دلہن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپھی جان سے گھبرا گذر گئیں

۱۵۰
رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی اس کی نہیں تھی نہ کچھ خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

۱۵۱
حضرت یہ سن کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
چادر سپید اڑھا کے دلہن کو بہ حال زار
گودی میں لائیں زینبؑ غمگیں کو سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تب پاش پاش پر
قاسمؑ بنے اٹھو دلہن آئی ہے لاش پر

۱۵۲
صدقے گئی بچی کو نہ ہوئے کہیں ملال
رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسنؑ کے لال
واری کی بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

۱۵۳
جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ
میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
بولی یہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

۱۵۴
اے پارۂ دلِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ
کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب تو جہاں سے چین
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
بیوہ کو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑو دلہن کی لاش پہ رونے کے واسطے
دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

۱۵۵
صاحب بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں
بے کس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
دولہا کہوں کہ قاسمؑ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولہا کو کیا کہہ کے روتی ہے

۱۵۶
کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین
اس بزمِ پاک میں ہیں نہاں نوحہ گرِ حسینؑ
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبرؑ کو بھی قلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
پرسا دو تم حسینؑ کو بھی اور حسنؑ کو بھی

۱۵۷
لکھے انیسؔ میں نے بہ سرعت یہ چند بند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

سلام

خیالِ چہرۂ شہ، وقتِ خواب رہتا ہے
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے

خدا کا قہر نبی کا عتاب رہتا ہے
عدو علیؑ کا ہمیشہ خراب رہتا ہے

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ اے زاہد!
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے

جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم
مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے

زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی
خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے

کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
سیاق داں سے حساب و کتاب رہتا ہے

لگا کے آتشِ قلب و جگر کو اشک نکل
دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بھری ہے کون سی یارب دلِ انیسؔ میں حب
کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہے

رباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنولِ دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہے انیسؔ
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ

جاتا ہے شیرِ بیشۂ حیدر فرات پر
صدمہ عجب ہے بادشہِ کائنات پر
طاری ہے مرگ خوف ہر اک ذی حیات پر
آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے وہ جو قبرِ علیؑ کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

٢
صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبطِ آہ
کیا مرحلہ ہے صعب یہ کیونکر کٹے گی راہ
فرماتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا الٰہ
بھائی مرا یہی ہے یہی لشکر یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغِ علیؑ کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

٣
دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل
پالا ہے بر میں آہ تجھے کس طرح سے دل
اے موت آ کہ روحِ علیؑ سے نہ ہوں خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اٹھایا نہ جائے گا

٤
یہ نوجوان بضاعتِ حیدر ہے یا کریم
پیارا پسر یہی یہ برادر ہے یا کریم
حمزہ مرا یہی یہی جعفر ہے یا کریم
دل سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جانتا ہوں خیرِ خدا میرے ساتھ ہیں

٥
زینبؑ کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا
سہرا دکھا کے قاسمؑ بے پر بچھڑ گیا
پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبطِ نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو

٦
حضرت ادھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہؑ بہ چشمِ تر
عباسؑ بیبیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
فرماتے ہیں بھتیجی کا منھ چوم چوم کر
پہلے تھا ذکر آبِ تسلی کے واسطے
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

٧
کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ فام
اصغرؑ کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیک نام
اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقتِ کلام
فرماتی ہیں کہ مرتا ہے ہے ہے یہ تشنہ کام
دکھلاؤ اس کا حال شہِ نامدار کو
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیرخوار کو

٨
کرتے ہیں عرض حضرتِ عباسؑ نامدار
یہ کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہِ ذی وقار
بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
جائے پسر کو لے کے وہاں بہرِ کارزار
رخصت میں سعی کیجیے کہ ہو نام آپ کا
وہ کام ہے غلام کا یہ کام آپ کا

٩
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ خجستہ حال
جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساؑ کا لال
کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
نیکی بدی ہو سمجھو تمہیں شاہِ خوش خصال
بانو نے مرتضیٰؑ کی کمائی کو کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

۱۰

زینبؑ یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا
کیوں کر دلا دے بھائی سے ان کو کوئی رضا
تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

۱۱

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات
مشکیزہ لے کے اب یہ نہ جائیں سوئے فرات
بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گار خیر ہوں
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

۱۲

جس جا حسینؑ بیٹھے تھے عریاں سر کیے
کی عرض تا بجا کوئی خونِ جگر پیے
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لیے
پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بہ لب جیے
ہچکی لگی ہے اصغرؑ ناشاد کام کو
مولا بس اب نہ روکیے اپنے غلام کو

۱۳

فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
اچھا سکینہؑ جس میں خوشی تم ہمیں رُلاؤ
مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو روؤ گی

۱۴

انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے
خیر اب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے
یہ اودے اودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
دولت ولیِ حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو رکھے
دریا کا معرکہ ہے خدا آبرو رکھے

۱۵

گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
اصغرؑ کو لائیں گود میں جب بانوئے حزیں
پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امامِ دیں
مجرم جو لب پہ حرفِ شکایت بھی لائے ہوں
لیجے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں

۱۶

یہ سن کے گود میں لیا اُس تشنہ کام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
عباسؑ خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہراؑ کے جائے کی
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

۱۷

بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ژیاں چلا
چلّائے اہلِ بیت کہ راحت رساں چلا
غل پڑ گیا کہ یاورِ شاہِ زماں چلا
لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
ہے ہے حسینؑ بے کس و بے یار ہو گئے

۱۸

اللہ رے رعب آمدِ عباسؑ عرش قدر
غل ہے قریب تر ہے سپہرِ وغا کا بدر
سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں میں صدر
زہرا ہے آب گھات سے بھاگے ہیں اہلِ غدر
آتا ہے ابنِ ضیغمِ یزداں لڑائی کو
تیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

۱۹

لشکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس
وہ دور دور سب ہیں صفیں تھیں جو پاس پاس
ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نے حواس
آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں
گھوڑے بھگاؤ حضرت عباسؑ آتے ہیں

۲۰

وہ عازم وغا ہے جو شیروں کا شیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے
روتا ہے مل کے بھائی سے بھائی یہ دیر ہے
جرّار ہے شجاع جہاں ہے دلیر ہے
لرزہ ہے ان کے تن میں جو مرد نبرد ہیں
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

۲۱

رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میانِ فوج
مانند بید کانپ رہے ہیں جوانِ فوج
دامن لپیٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج
رایت تمام خوف سے تھرائے جاتے ہیں
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں

۲۲

نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم
نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم
ذروں سے نرم نگیں بنے گہر لعل سنگ سے
صحرا زمرّدی ہے پھریرے کے رنگ سے

۲۳

وہ ضو علم کی وہ رخِ عباسؑ نامور
پنجہ اُدھر علم کا رُخ پر ضیا اِدھر
رکھے تھے ہاتھ چہرے پہ خورشید خیرہ سر
دو نورِ سرمدی تہ و بالا تھے جلوہ گر
یکتا وہ زرق برق میں یہ آب و تاب میں
تھا فرق ایک نیزے کا دو آفتاب میں

۲۴

پنجے سے نور پنجتنی آشکار ہے
دامن بھی ابرِ رحمتِ پروردگار ہے
پرچم پہ طرۂ سرِ حوراں نثار ہے
پہنچا جو اس کے سایے میں وہ رستگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبیٰ نہال ہو اگر اس کی ہوا لگے

۲۵

ناگاہ غل ہوا فرسِ تیز گام لاؤ
ہاں رخشِ تیز رو کو بصد اہتمام لاؤ
آیا علیؑ کا سروِ رواں خوش خرام لاؤ
اسپ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظار ابرشِ آہو شکار کا
بیٹا سوار ہوئے گا دلدل سوار کا

۲۶

آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے
سرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
سم تھے زمین پر تو دماغ آسمان پر

۲۷

وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
کیلیں نجوم نعل ہلال اور سم قمر
وہ انکھڑیاں خجل ہو ہرن جن کو دیکھ کر
باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھائی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غصہ تھا یہ کہ تنگ ہے وسعت جہان کی

۲۸

دلدل نژاد برق تجلی براق سیر
اسوار دم دلاسے گر پھیر لے تو خیر
دریا میں موج دشت میں آہو ہوا میں طیر
گر سانس لے تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
سرعت غضب ہے گو کہ وہ بے آب و دانہ ہے
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

۲۹

سائے کالاش کے دھوپ میں سرعت سے تھا یہ حال
گہ رہ میں گاہ بحر میں گاہے سوئے جبال
وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گم کردہ آشیاں تھا عقاب کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا

۳۰

وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ
جب جا ہو سیر عالم امکان کی دیکھ آؤ
سو حسن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
تازی ہو روح پوئی قدم میں وہ لطف پاؤ
رفتن میں پست حوصلہ کبک دری کا تھا
چھل بل ہرن کی تھی تو جھکڑا پری کا تھا

۳۱

لو اب سوار ہوتے ہیں عباسؑ نامور
لو بسط کے ہاتھ آپ نے رکھا عیال پر
لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو آفتاب خانۂ زیں پر ہے جلوہ گر
بر چھا لیا سمند کو زانوں میں داب کے
لو وہ ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

۳۲

ٹرنے میں حیرت ہاں جو دہن سے نکل گیا
لشکر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا
وحشی غزال دشت ختن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیسا برق بھی شرما کے رہ گئی
چھلے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

۳۳

گھوڑا اڑا کہ ہوگئی سرعت ہوا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرق ثریا سری کی گرد
پونے چمن تھی یا قدم باد پا کی گرد
اڑ کر سر فلک پہ گئی کربلا کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر

۳۴

شوکت وہ اس فرس کی وہ عباسؑ کی نمود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود
پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
کیا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے
یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

۳۵

پیدا تھا شکل حیدر کرار رعب حق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق
چمکا جو نور عرش بنا خاک کا طبق
ازبر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
موتی کے آگے دانتوں کی کچھ آبرو نہ تھی
سورہ تھا نور کا وہ بیاض گلو نہ تھی

۳۶

وہ ہاتھ کار خیر رہا جن سے روز و شب
بازو وہ جن میں قوت دست خدا تھی سب
ساعد تھے صاف ساعد پر نور شیر رب
شانے وہ جن میں شان نشان شہ عرب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھرا رہا
سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

۳۷
شان و شکوہ و صولت و عدل و نسب و داد
اشفاق و رحم و دوستی و خلت و وداد
اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد
خوف و رجا و آرزو و مطلب و مراد
اندوہ و درد و رنج مطیعان نویں تھے
سب غاشیہ بدوش فرس کے جلو میں تھے

۳۸
شوکت کا قول تھا کہ مطیع جناب ہوں
نصرت کا ادّعا تھا کہ میں کامیاب ہوں
کہتی تھی تیغ خاک در بوتراب ہوں
دعویٰ تھا قہر کو کہ علیؑ کا عتاب ہوں
خائف سے تھے پہ صبر بھی منھ موڑتا نہ تھا
ہر گام پر ثبات قدم چھوڑتا نہ تھا

۳۹
تلوار وہ ہلال تھے جس کو دیکھ کر
مہتاب آسماں ظفر آہنی سپر
تھی کہکشاں کمند عدو بند شیر نر
خود آفتاب تھا تو جبین مبین قمر
رخ سے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے
حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

۴۰
نیزے کی نوک سے جگر آفتاب خوں
ابرو سے حور فتح و ظفر تھا کماں کا نوں
سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں
تھا ماہِ نو بھی جس کے خم و چم سے سرنگوں
دہشت سے گوشہ گیر پریشان شام کے
ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

۴۱
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے گونجا جو شیر نر
نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعر تر
چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبان ناطقہ الکن ہے لال ہے
لاریب فیہ مصحف ناطق کا لال ہے

۴۲
نعرہ یہ تھا کہ گوہر برج شرف ہوں میں
فخر سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں
فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
اللہ و پنجتن ہیں جدھر اس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا
پیرو ہوں بادشاہ ہدایت پناہ کا

۴۳
حیدرؑ کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے
خیبر میں جبرئیل کے بھی تین پر کٹے
جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
پر یوں کٹے کہ تیغ سے جیسے سپر کٹے
ضربت کا حال عمر دلاور سے پوچھیے
حیدرؑ کا زور مرحب و عنتر سے پوچھیے

۴۴
بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں
پیمبر کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں
سقائے اہل بیت رسولؐ انام ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں شہ دیں کا غلام ہوں
سینہ پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
یہ مشک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

۴۵
یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و دانہ سب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب
لیکن قریب مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
کچھ مصطفیٰؐ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گزر گئے
کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

۴۶

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو
تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو
آثار مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمہارے زعم میں تقصیر دار ہیں
پر ان کا کیا قصور ہے جو شیرخوار ہیں

۴۷

یہ دھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
مرجھا گیا ہے احمد مختار کا چمن
مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن
پانی بغیر اب نہ جئیں گے وہ گل بدن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
نیلے ہیں ہونٹ بھوک سے رخسار زرد ہیں

۴۸

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب
دیں گے زبان تیغ سے ہم آپ کو جواب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے اجتناب
تیغے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا
جز آب تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

۴۹

ایسا سخن کبھی جو سنا تھا نہ کان سے
برچھی سی جگر نہ کہا کچھ زبان سے
جھکا فرس پہ جب شہ مرداں کی شان سے
بس خود بخود اُگلنے لگی تیغ میان سے
نعرہ کیا کہ او سگِ ناپاک دور ہو
یہ کیا سخن ہے منہ میں ترے خاک دور ہو

۵۰

حجت تمام کرنے کے خاطر تھے یہ کلام
ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
سوکھی زبان کو جو ہلادے وہ تشنہ کام
حاضر ابھی ہوں حیدرؑ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

۵۱

کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہؑ کا تو
عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
سردار بردبار نکوکار نیک خو
ان کا عدو خدا و پیمبر کا ہے عدو
جاری ہے فیضِ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
غاصب ہے تو یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا

۵۲

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغِ شرر فشاں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظ جہاں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوج شام کا دفتر الٹ گیا

۵۳

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار
پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
زیرِ زمیں کو گاؤ زمیں کو نہ تھا قرار
تھرا رہا تھا توسنِ فلک وقتِ گیر و دار
غل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

۵۴

اقبال تندرستی و آسائش و قرار
امن و امان صبر و توانائی و وقار
حکم و سکون راحت و آرام و اختیار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
آثارِ فتح حق انہیں معلوم ہو گئے
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

۵۵

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغِ اجل چلو
دب کر صدا غرور نے دی سر کے بھل چلو
ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دریا بہے گا خوں کا کنارے فرات کے
دم بھر میں بند ہوویں گے رستے نجات کے

۵۶

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا
دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوج عدو روندنے لگی
جنگل میں برق قہر خدا کوندنے لگی

۵۷

چمکی جو تیغ آیۂ قہر خدا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
خوں میں ڈبو چکی تو پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

۵۸

ہر دم تھی معرکہ میں اجل اس کے دم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح و خم کے ساتھ
گرتا تھا خود کٹ کے برابر جھلم کے ساتھ
جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکہ درم کے ساتھ
ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا
تیغہ نہ کہیے آیۂ نصرت کا نقش تھا

۵۹

بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی تاب
جوہر بھی آیہ دیں اصالت میں لاجواب
مانند ذوالفقار گراں قدر لاجواب
وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب
اترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

۶۰

پایا تھا باغیوں نے شرر یہ دم جدل
شاخیں کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل
ڈھالوں سے پھول اڑ گئے تھے برچھیوں کے پھل
گرتے تھے سہم کر قدر انداز منہ کے بل
گوشوں کو ڈھونڈھتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
ریتی پہ نخل تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

۶۱

کوپال و تیغ و خنجر و گرز و سناں و تیر
دم میں یہ صف تمام ادھر کا پرا تغیر
دو دو تھے پیش آئینۂ تیغ بے نظیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اڑ کر بھی مرغ روح کا بچنا محال تھا
جوہر جلم میں یا تھے کہ لوہے کا جال تھا

۶۲

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ
گردوں سے کھنچ نہ سکتے تھے خنجر میان جنگ
لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینے تھے دنگ
تلوار سے منہ چھپائے تھیں ضرب درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

۶۳

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغ شرار ریز
چلنے میں تیغ تیز فرس تیز ہاتھ تیز
دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کو رہ گریز
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز
کشتہ ہوں ایک ضرب میں دو دو کہ چار ہوں
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

٦٤

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی
بڑھ کے نشانِ برق جگر تک پہونچ گئی
سر پر پڑی تو پیر کے بر تک پہونچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
بڑھ کر گرے زمیں پہ آئی شرنگ کے
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

٦٥

ان کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سرگذار تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے
ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
تابِ فرس کی تھیں کہ سرو ہی کے وار تھے
جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہلِ کینہ پر
خنجر زباں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر

٦٦

تیغ دو دم سروں سے گذرتی تھی دم بہ دم
رُکتی تھی دم بدم تو ٹھہرتی تھی دم بہ دم
دوزخ میں فوجِ شام کی بھرتی تھی دمبدم
ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دمبدم
ڈر سے جگر بھی آب تھے زہرہ بھی آب تھے
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

٦٧

نکلا اُدھر سے وہ جو اجل کا شکار تھا
کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا
پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سروں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

٦٨

رہوار نے وغا میں کماں دستی نہ کی
مالک سے بے کسی میں کمال ہمدمی نہ کی
شمشیر جاں ستاں نے کماں پر بھی نہ کی
سو مرتبہ چلی پہ پرش نے کمی نہ کی
دم سے تھا بحرِ خوں کا کنارہ لگا ہوا
جانوں کا گھاٹ پر تھا اُتارا لگا ہوا

٦٩

جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گذر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
پہونچوں سے دونوں ہاتھ اُڑے تن سے سر گیا
گھوڑے سمیت گر کے یہ تڑپا کہ مر گیا
گرتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا
بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا

٧٠

فتح و ظفر تھی حاشیہ گیرِ دو کابدار
جوہر تھے یا کہ سلسلۂ زلفِ تابدار
دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغِ تابدار
تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آبدار
اک شور تھا کہ زیست کا عرصہ قلیل ہے
پیاسو یہ ہو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

٧١

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
سر اُڑ گئے تنوں سے جدا تھے عناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منھ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

٧٢

سر پر قدم پہ تھے تنِ کفار سے جدا
چلّے تھے سر پہ سر لبِ سوفار سے جدا
قبضہ کماں کا دستِ کماندار سے جدا
ڈر سے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا
تدبیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو
چلّاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

۷۳

یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں
چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشاں کے پاؤں
رن میں جمے رہے تو اسی نوجواں کے پاؤں
ہٹنا بھی ہے جہاد میں حق کا ولی کہیں
عباسِ علی بھی ہٹیں جو ہٹے ہوں علی کہیں

۷۴

جب شیر سے ترائی کی جانب جھپٹ گئے
صف آئی صف پہ گھوڑے پہ گھوڑے الٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے
جن کے قدم جمے رہے سر ان کے کٹ گئے
حملوں کے بعد تھمتے تھے یوں نعرے مار کے
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے

۷۵

ہر شے تھی خوفِ ضربتِ شمشیر سے جدا
ناوک کماں سے دور کماں تیر سے جدا
پیر حزیں جواں سے جواں پیر سے جدا
چلے سمٹ کے ہوتے تھے زہ گیر سے جدا
سائے عقابِ تیر غمِ بے پری میں تھے
پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے

۷۶

نیزے کو توڑتا ہوا گر کوئی یل بڑھا
دریا سے قہرِ حق کی طرف پُر دغل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسامِ دو دستی کا پھل بڑھا
تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اجل بڑھا
دو ٹکڑے طول میں جو دمِ امتحاں ہوئے
غل تھا کہ معنیِ یدِ طولیٰ عیاں ہوئے

۷۷

رکتی تھی خود پہ نہ جھلم پہ نہ ڈھال پر
حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر
جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چشمک یہ دمبدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں
چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں

۷۸

گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں جو گرد
مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد
چلنے جواں تھے دفترِ مردانگی میں فرد
چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دمِ نبرد
تصحیح کیسی ہوش میں اک خود غلط نہ تھا
زخمی تھے منہ کہیں اثرِ خال و خط نہ تھا

۷۹

ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا رد بکار
آئی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
اسوار برطرف تو ندار در سالہ دار
طلبق لیے تھے منشئ فوجِ ستم شعار
کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے
غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے

۸۰

تسلیم کو جھکے ہوئے تھے با ادب نشاں
لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
اٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں
نوبت یہ ہے تو فوج کا مٹتا ہے اب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں نکلے کیا سپاہ کا
سکہ پڑا ہے ضربِ علمدار شاہ کا

۸۱

جب اٹھ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گری
گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
گویا ادھر خدا کا غضب جس طرف گری
کٹ کر کرارے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صفِ کارزار پہ
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پہ

۸۲
آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے
تلواریں پھینکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے
بھاگے کمانیں تیر عدو جوڑ جوڑ کے
بھاگے دغا میں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
وہ برچھیاں نہ پھر نہ وہ شور مصاف تھا
جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

۸۳
وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے
جو تھے قریب نہر وہ سب دور دور تھے
دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۸۴
لوٹا کنار نہر جو پہنچا وہ شہسوار
آئی صدائے حضرت الیاس باوقار
خوں پونچھ کر رکھی تہِ ران تیغ آبدار
اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
سرور ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو لڑے
دھو ہاتھ منہ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

۸۵
سقے لئے اہل بیت پکارا بہ چشم تر
پیاسا ہے تین روز سے مختار خشک و تر
میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیئے
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیئے

۸۶
ڈالا میان نہر جو اسپ صبا شتاب
موجیں بڑھیں برائے قدم بوسی جناب
آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیان آب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

۸۷
پانی سے منہ اٹھائے جو تھا اسپ سربلند
بولا ہلا کے سر کو سمند وفا پسند
ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہ ارجمند
حیواں تو ہوں حضور یہ خوش اعتقاد ہوں
میں بھی تو ابن فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں

۸۸
فرمایا آپ نے مرے غمخوار مرحبا
تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا
ڈگتے نہیں کبھی قدم صاحب وفا
پیش خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
پانی سے اے فرس تجھے جب اجتناب ہو
سیراب کس طرح پسر بوتراب ہو

۸۹
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
تنہا تھا بے وطن پہ ہوا پھر ہجوم عام
پھر گھاٹ پر گھٹا کی طرح چھائی فوج شام
پھر ہر طرف سے چلنے لگے تیر اور حسام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

۹۰
گھوڑا کہیں ٹھہرا کہیں اڑ کر نکل گیا
نیزوں سے مڑ گیا کوئی کوئی دہل گیا
جو دوڑ کے گر پڑا وہ سموں سے کچل گیا
صف بچھ گئی ادھر کی جدھر وہ اچھل گیا
مشکیزہ لے کے لاکھوں سے جنگ وغا کیا
یوں اے بہادرو دکھو عباسؑ کیا کریں

۹۱
برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیرِ کین
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعین
غربال ہو گیا تنِ عباسؑ مہ جبیں
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
مڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا

۹۲
ٹھنڈا جو ہو گیا علمِ شاہِ دیں پناہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ
عباسِ نامور نے بھری دل سے ایک آہ
مشکیزے پر بھی تیر لگا وا مصیبتاہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بصد یاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرت عباسؑ گر پڑے

۹۳
اُٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباسؑ ذی حشم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
گرزِ گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے ستم
ٹکڑے ہوا جگر اسدِ ذوالجلال کا
سر پاش پاش ہو گیا حیدرؑ کے لال کا

۹۴
مڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیرِ نر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

۹۵
شانوں سے سارے جسم کا جب بہہ گیا لہو
آواز دی کہ آئیے یا شاہِ نیک خو
رستی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
سر تن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ [illegible] رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرتِ دیدار رہ نہ جائے

۹۶
نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر
چہرے کا رنگ اڑا ہوا کرتا عرق میں تر
گورے گلے میں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
شاید خبر نہیں ہے امامِ غیور کو
آقا پدر پکارتے ہیں حضور کو

۹۷
ڈیوڑھی پہ تلملا کے سکینہؑ نے یہ کہا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہِ کربلا
ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباسؑ کی صدا
اب گھر سے میں نکلتی ہوں یا شاہِ نینوا
مر جاؤں گی اگر انھیں جیتا نہ پاؤں گی
کیوں کر چچی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

۹۸
حضرت نے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امامِ دیں
ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارے کئی لعیں
کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباسؑ مہ جبیں
بڑھنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو

۹۹
تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم
آئے ہیں یاں پھریرے کے پرزے اڑا کے ہم
افتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دم
دنیا سے آج اٹھ گیا حامل نشان کا
کٹتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

۱۰۰
سنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر
تڑپے اٹھے گرے نہ سنبھالا گیا جگر
چلّاتے تھے کہو علی اکبر چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے
کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

۱۰۱
عباس کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے
فضہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سنائے
دیکھو حرم سرا سے سکینہ نکل نہ آئے
اکبر جو گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
پرسا تو دوں نجف کی طرف مجھ کو موڑ دو
سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

۱۰۲
یہ روز قتل حمزہ و جعفر ہے اے پسر
یہ ماتم شہادت حیدر ہے اے پسر
یوم وفات حضرت شبر ہے اے پسر
صبر اب کہاں یہ داغ برادر ہے اے پسر
پیر الم بتول کی جائی سے پوچھیے
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

۱۰۳
غربت میں لٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغ پدر ہائے ہائے ہائے
سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے ہائے
کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباس کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہید حسن آج مر گئے

۱۰۴
کرتا تھا عرض باپ کو تھامے ہوئے پسر
زندہ ابھی ہیں حضرت عباس نامور
دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہ بحر و بر
گھبرائیے نہ اب ہے ترائی قریب تر
خادم اٹھائے گا جسد پاش پاش کو
چلیے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

۱۰۵
جس دم قریب لاش کے لائے حسین کو
تڑپا وہ شیر حق کے صدائے حسین کو
عباس جاں بلب نظر آئے حسین کو
اکبر نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسین کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شہ ابرار گر پڑے

۱۰۶
بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر
بولے یہ آنکھ کھول کے عباس نامور
واللہ یہ دل کہ منھ کے قریب آگیا جگر
اکبر سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے نثار جائے امام غیور کے
مجھ کو اٹھا کے گرد پھراؤ حضور کے

۱۰۷
منھ مل کے منھ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال
عباس تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
صفدر نے مسکرا کے کہا شکر ذوالجلال
آرام آگیا تپش روح و دل گئی
آپ آئے کیا کہ دولت کونین مل گئی

۱۰۸
مولا نزول رحمت پروردگار ہے
شبر کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے
اب آمد آمد شہ دلدل سوار ہے
شاید جناب فاطمہ کا انتظار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
آئے ہیں باغ خلد سے نانا حضور کے

۱۰۹
کیا بندہ پروری ہے زہے عز و افتخار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی تھی جان زار
لاکھوں برس کی زیست ہے اس موت کے نثار
دشوار ہے مفارقت شاہ نامدار
کیوں کر نہ ایسے مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگام نزع جس کے سرہانے امام ہو

۱۱۰
رونے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ ذی وقار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جان زار
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہ نامدار
تلوار کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

۱۱۱
کیا بے کسی ہے موت سے اے قبلۂ انام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام
باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقت کلام
کچھ ایسی آ بنی ہے کہ مجبور ہے غلام
پاؤں گا اب کہاں میں امام غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

۱۱۲
گھبرا کے نزع میں علیؑ اکبر سے یہ کہا
میرا تو کوچ ہے طرف گلشن بقا
اے شاہزادۂ دو جہاں میں ترے فدا
فرزند فاطمہؑ سے خبردار اب ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
عمو نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

۱۱۳
یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر
ٹپکے مژہ سے خون کے قطرے اِدھر اُدھر
کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

۱۱۴
چلائے سر کو پیٹ کے سلطان بحر و بر
بے کس ہوا حسینؑ گئی دولت پدر
فریاد ہے کہ مر گئے عباسؑ نامور
آئی صدا علیؑ کی کہ شبیر صبر کر!
فرزند تھا مرا یہ تمہارا غلام تھا
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

۱۱۵
یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر
جعفر بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر
زہراؑ سرہانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
نانا تمہارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
پرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
یہ سب تمہارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

۱۱۶
اُٹھ کر پکارے حضرت شبیرؑ نامدار
ہے ہے مرا شفیق مرا یار و غمگسار
میں لٹ گیا دُہائی ہے یا شیر کردگار
خدمت گزار عاشق صادق وفا شعار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

۱۱۷
بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری
آنکھیں اُدھر تھیں اس کی جدھر تھی نظر مری
واحسرتا زرہ ہے مری ہے سپر مری
کیوں مجھ سے منہ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی
سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

١١٨

یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک
بیٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک
تر ہو گئی شہید کے خوں سے تبائے پاک
کر ڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
اتو جو آلئے گر کے شہِ مشرقین کو
چلائی فاطمہ کہ سنبھالو حسینؑ کو

١١٩

جلدی عبا اڑھا کے دلاور کی لاش پر
خیمے سے نکل آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر
اکبرؑ نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
آمادہ گر تو ساتھ سکینہ بھی آئے گی
دیکھی چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی

١٢٠

فرمایا شہ نے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا
مجھ سے ابھی تو بچھڑے ہیں عباسؑ باوفا
روئے نہ پیارے بھائی کو مظلوم کربلا
راحت ہو شمر آ کے جو کاٹے مرا گلا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ الفت کو توڑ دوں
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

١٢١

آواز پھر علیؑ کی یہ آئی کہ اے پسر
ڈیوڑھی پہ غش ہے زوجۂ عباسؑ نامور
تو جا کہ میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
دونوں غلام زادے تمھارے ہیں نوحہ گر
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں

١٢٢

ناچار لاش چھوڑ کے اٹھے امام دیں
کوتل تھا ساتھ اسپ علمدار مہ جبیں
بے مشک علم کو لے کے چلے اکبرؑ حزیں
باگیں کٹی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
الٹی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی
پرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

١٢٣

ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا تھوتھنی فگار
گردن پھرا کے تکتا تھا دریا کو بار بار
سینہ بھی سب چھنا ہوا گردن بھی زخمدار
یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
اکبرؑ برہنہ سر لئے آتے ہیں اس طرح
دلدل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

١٢٤

صدمے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر
چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھریرے پہ سربسر
جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم پہ علامت نشان سے
بیٹھو کہ اٹھ گیا مرا حامی جہان سے

١٢٥

پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں
دوڑا تڑپ کے دلبر عباسؑ مہ جبیں
آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرؑ حزیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امام دیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے

١٢٦

یہ سن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
مادر پکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار
آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار
چلایا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار
بالی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے
اماں اڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

۱۲۷

پردہ الٹ کے خیمہ کا فضہ نے دی صدا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہ کربلا
اے پردہ والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
مارے گئے جہاد میں عباس باوفا
موت آگئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علی کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

۱۲۸

خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر
ماتم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی نوحہ گر
رانڈوں کے دل الٹ گئے تھرا گئے جگر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر
ہے ہے کا غل ہوا کہ سکینہ اچھل پڑی
چھلے سے بال کھولے دلہن بھی نکل پڑی

۱۲۹

اکبر نے آکے گاڑ دیا صحن میں علم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بہ درد و غم
کھولے سروں کو زیر علم آئے سب حرم
لو زینب اپنے بھائی کو رو آئے رن میں ہم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے
رنڈ سالہ لاؤ زوجۂ عباس کے لئے

۱۳۰

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علی کے لال
پیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
بکھرا دیے حسین کی بہنوں نے سر کے بال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفال خستہ حال
فق ہو گیا سکینہ کا منہ سانس الٹ گئی
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

۱۳۱

منہ دامن علم سے چھپا کے یہ صدا بکا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

۱۳۲

اللہ رے دل خراش علی کی بہو کے بین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسین
سکان آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
تھامے تھی ہاتھ خواہر سلطان مشرقین
ٹکڑے تھے تیغ غم سے دل سوگوار کے
حکم حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

۱۳۳

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امام دیں
منہ کر کے سوئے نہر پکاری وہ دل حزیں
اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
صاحب حسین روتے ہیں تم کو خبر نہیں
جنگل بسا دیا شہ والا کو چھوڑ کے
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

۱۳۴

صاحب سکینہ جان بلکتی ہے آئیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے
کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
الفت کے دلدہی کے منافی نہ چاہیئے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہیئے

۱۳۵

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں
جان علی ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں
بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑیے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

۱۳۶

والی کہاں ہیں رانڈ یتیموں کو لے کے جائے
اُس کو بلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے
سر پیٹتی ہوئی لبِ دریا تنفیز آئے
کیا اُسکی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

۱۳۷

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا
خضر اُن کو مل گئے علمِ سبز کیا بلا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا
تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی ملا
صدقے سے شہ کے جعفرِ طیار ہم ہوئے
صاحب تمھیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

۱۳۸

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا
آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش علمدار با وفا
بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امامِ غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

۱۳۹

کہتے تھے شب کو بھر کے دمِ سرد دم بہ دم
تم ہم کو چاہتی ہو تمھیں چاہتے ہیں ہم
تو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ اُمم
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

۱۴۰

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیرِ حق کے لال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھائی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال
اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

۱۴۱

صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوف جا
دریا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا
بستر کو خالی دیکھ کے گذرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق میں یہ پہلی رات ہے

۱۴۲

ہے ہے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی
غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ رخصت بچھڑ گئی
جن راحتوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی
والی مجھے بلاؤ کہ دُنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیا سے زشت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

۱۴۳

کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی
میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی
کیا پائنتی بھی اک مری تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منھ موڑتے نہیں
ساتھی بُرا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

۱۴۴

یوں منھ کو موڑنا تو طریقِ وفا نہیں
صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
کیوں کر تھمیں جہاز موافق ہوا نہیں
منجدھار میں تو ناؤ ہے اور ناخدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہِ مشرقین کا
والی مجھے بلا لیجے صدقہ حسینؑ کا

۱۴۵

صاحب تھیں سکینہؑ ناشاد کی قسم
تم کو حسینؑ کشتۂ بے داد کی قسم
صاحب تمھیں مصیبت سجادؑ کی قسم
تم کو ہمارے نالۂ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیا مجھے زشت میں
مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لو بہشت میں

۱۴۶

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سبز وہ سوگوار
بھاوج کے ہاتھ تھام کے بولے بحال زار
ڈیوڑھی پہ آ کے رو کے ہوئے شاہ نامدار
بس بس خدا کو یاد کرو اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لئے مرگ و گور ہے
بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

۱۴۷

بس اے انیسؔ طول کی آگے نہیں ہے تاب
بلواؤ خاکسار کو یا ابن بوتراب
طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب جواب
ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا
خاک شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

سلام

صبر کرتے تھے سلامی شہ والا کیا کیا
اہل کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا
بانو کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا افسوس
تھی مجھے بیاہ کی اکبرؑ کے تمنا کیا کیا
تیر کھاتے ہی گلے میں جو دم اصغرؑ کا رکا
شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچہ کیا کیا
دیکھتا جو سر قاسمؑ کو وہ کہتا رو رو
حسرتیں لے گیا دنیا سے یہ دولہا کیا کیا
لاش عباسؑ پہ آ کے جو وہ دیتے تھے لعیں
تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لب دریا کیا کیا
منع جو رونے کو کرتا تو یہ کہتے سجادؑ
کیوں نہ روؤں ستم ان آنکھوں سے دیکھا کیا کیا

قطعہ

شاہ دیں کے حرم آئے تھے وطن سے جس دم
خاک پر پیٹ کے سر دولہا ہے صغراؑ کیا کیا
اور ایک ایک سے کہتی تھی بتاؤ لوگو
کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے بابا کیا کیا
سینۂ شہ سے نہ بن ذبح کئے شمر اترا
گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہرا کیا کیا
بانو کبھی تھی تصور میں علی اصغرؑ کے
دودھ بن تڑپا ہے ہے مرا بچا کیا کیا
پانی دو دن نہ ملا تیر گلے پہ کھایا
اتنی سی زندگی میں سہہ گئے ایذا کیا کیا
دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابدؑ نے کہا
بعد مرنے کے بھی صدمہ تمھیں ہو بچا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہیں ملتا لیکن — سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا
دشت پُر خار سے جاتے تھے جو پیدل سجادؑ — پھوٹ کر روتا تھا ہر آبلہ پا کیا کیا
دیکھ کر شہ کے عزیزوں کو عدو کہتے تھے — صاحبِ حسن خدا نے کئے پیدا کیا کیا
لاشِ اصغرؑ پہ کہا بانو نے اماں صد مے — ننھی سی جان پہ گذری کہو بیٹا کیا کیا

قطعہ

سرِ شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رُو رُو سجادؑ — رنج دیتے ہیں مجھے راہ میں اعدا کیا کیا
طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہار اونٹوں کی — کام اتنے ہیں کروں میں تنِ تنہا کیا کیا
دھوپ میں لاش جلی ہاتھ کٹے پہونچوں سے — بعد مُردن بھی ہوئی لاش کو ایذا کیا کیا
شاہ کہتے تھے سکینہؑ مرے مرنے کے بعد — کیا کہوں تم پہ ستم ہوئیں گے بیٹا کیا کیا
دفن کا لاشۂ شبیرؑ کے جب وقت آیا — دفعتاً ہو گئے اسباب مہیا کیا کیا
باغ میں دیکھتے جب سرو کو عابدؑ کہتے — کٹ گئے تیغِ ستم سے قدِ رعنا کیا کیا
سر جھکا لیتی تھی صغراؑ کوئی کہتا تھا اگر — کھو کو تے سے پدر نے تمھیں بھیجا کیا کیا
قید خانہ میں سکینہؑ کو جو یاد آ گئے پدر — رات بھر سینے میں دل ننھا سا تڑپا کیا کیا
دیکھا مرنے پہ کمر باندھتے جب بابا کو — سرِ اُٹھا تکیہ پہ سجادؑ نے پٹکا کیا کیا
بانو کہتی تھی اب اکبرؑ مجھے سمجھاتے نہیں — یاد مادر تری باتیں کرے بیٹا کیا کیا
رو رو یہ کہتی تھی صغراؑ کہ کہے جا قاصد — تو نے کیا کیا کہا اور بابا نے پوچھا کیا کیا
کہتے عابدؑ خبرِ قتلِ عزیزاں سن کر — اپنی بیماری کا ہوتا ہے مدا وا کیا کیا
خط لیے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام — دیکھو بیٹا تمھیں صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا
دیکھ کر فوجِ حسینی کو عدو کہتے تھے — ساتھ لائے ہیں جواں سید والا کیا کیا
ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیسؔ — اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دنیا کیا کیا

رُباعی

خوں بھائی کا شہ کے رو برو بہتا تھا — پیاسے کا لہو کنارِ جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ — دریا پہ تو اِدھر اُدھر لہو بہتا تھا

مرثیہ

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا
چرخ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲

وہ شان اس علم کی وہ عباسؑ کا جلال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

۳

تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
ذرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر
تمغے کی چپلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

۴

قربان اختتام علمدار نامور
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
رخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سر بسر
قبضے میں تیغ، بر پہ زرہ، دوش پر سپر
چھایا تھا خوف لشکر ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیر الٰہی جہاد پر

۵

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیٔ علم
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دم بہ دم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۶

پنجہ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
کیوں منحرف دوست ہوگے ہو اے قوم نابکار
آنکھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

۷

غرفوں سے جھانک کے بولی ہر ایک حور
یارب رہے نگاہ بد اس کی ضیا سے دور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
پنجہ ہے اک جا پہ یا ہے پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمد و حیدر کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

۸

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں کے دم سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

۹

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں کہ دنیا بہشت ہے

۱۰

ہم شکل مصطفیٰؐ کا ہے کیا حسن کیا جمال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بے مثال
یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ ہلال
اک گل یہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے قدرت پروردگار ہے

۱۱

لخت دل حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسین
یہ زلف مشک بیز یہ آئینۂ جبیں
جس کے چراغ حسن سے روشن ہے سب زمیں
سرمایۂ خطا و ختن کا بنات چیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

۱۲

نام خدا ہیں عونؑ و محمدؑ بھی کیا شکیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
اک مہر بے نظیر ہے ایک بدر بے عدیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
شبل علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے پیچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۱۳

عباسؑ نامور بھی ہے عجب سج کا ہے جوان
حمزہؑ کا رعب صولت جعفرؑ علیؑ کی شان
نازاں ہے جس کے دوش منور پہ خود نشان
ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جان
کیوں کر نہ عشق ہو شہ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

۱۴

اس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب
ابر کرم خدیو عجم خسرو عرب
سرتاج آسمان و زمیں نور عرش رب
عالی ہمم امام امم شاہ تشنہ لب
جنباں زبان خشک ہے ذکر الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختم رسلؐ رزمگاہ میں

۱۵

کیا فوج تھی حسینؑ کی اس فوج کے نثار
جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار
اک ایک آبرو لئے عرب فخر روزگار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گل عذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیر الٰہ میں

۱۶

ایک ایک ملک تھا جرات و ہمت کا بادشاہ
آنکھیں غزال رشک نگہ شیر کی نگاہ
کیوان خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو بل گئے تلوار چل گئی

۱۷

وہ اشتیاق جنگ میں لڑنے کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
بے تاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۸

اکبرؑ سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
یہ تیغے نہ لیویں گے دم بے لہو پیے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا

۱۹
بچپن یہ خادمان اولوالعزم کے نہ جائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
جب چاہیں معرکے ہیں جسے آپ آزمائیں
بجلی گرے تو منھ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

۲۰
کہتے تھے مسکرا کے یہ زینبؑ کے دونوں لال
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دم جدال
نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اتری ہے تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

۲۱
یہ چپکے چپکے جو کرتے تھے باہم وہ گل عذار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسؑ نامدار
تیور دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ پیچھے رکیں گے بھلا فوج شام سے

۲۲
یہ سن یہ زور شور یہ عمر یہ آن بان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
یہ بھولے بھولے منھ یہ جواں مردیاں یہ شان
چلتی ہے ذوالفقار علیؑ کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳
زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
رخ پر جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور
مثل عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
پرتو گلوں کا ہے کہ جھلکتی ہے برق طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

۲۴
یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اس طرف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

۲۵
غصے سے آفتاب ہوئے مہ وشوں کے رنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کی ہوئی امنگ
بے چین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

۲۶
تنتا ہوا بڑھا کوئی تھمنے کو جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
ٹکڑے اڑائیں گے عمرو شمرِ شوم کے
نامرد ہیں چراتے ہیں آنکھ مرد سے
دونوں کو چار کر کے بھڑیں گے نبرد سے

۲۷
دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
منھ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

۲۸
بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
ایک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

۲۹
سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام ور
کہتے تھے تیغیں لیے وہ غیرتِ قمر
آ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کو فتنوں کو دے نہیں ظفر
سر کے نہ پھیر دعائیں جو بڑھ کے قدم گرے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰
عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہے دیر
مولا غلام سے نہیں رکتے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱
کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذنِ کارزار
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں یاں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نے غلام کی

۳۲
جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر
باندھے ہیں سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر
کہتے ہیں بچوں امام کی جانب لگائے تیر
ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳
اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے
ہر صف میں یا علیؑ ولی کا خروش ہے
عالم ہے بے خودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴
حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
اچھا جہاد کو بڑھے ایک ایک نام ور
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
دربارِ مصطفیٰ میں وہی پہلے جائے گا

۳۵
مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں
اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
زخمی تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

۳۶
اللہ رے جہاد حبیب و زہیرِ قین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
گویا بپا تھا خیبر و خندق و حنین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسینؑ
یوں جا کے روئے ان کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

۳۷

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
کانپا سپہر شہ نے دم سرد یوں بھرا
گر رو کے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

۳۸

تھی قہر حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
عزت عرب کی کر گئے جعفرؑ کے یادگار
شمشیر حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر بھی مثل علیؑ اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹

نکلے برادران علمدار صف شکن
بلے سر تھے مورچوں میں جوانان پیل تن
دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جو دل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تھکیں بحل
گو شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
شیروں رکیں نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بس اب جد و کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

۴۱

اُلٹو پروں کو اور صفوں کو بچا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اس پار جا کے آؤ
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نذر ہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

۴۲

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
دولت پدر کی تمھی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳

بے جان ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر
حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے
ہفتاد و دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

۴۴

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرف لشکر عدو
اکبرؑ کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آ گئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے
قاسمؑ کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

۴۵

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶
شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم
بازو کا ٹوٹنا اجل آ لے سے کیا ہے کم
خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
مرمر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیتے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباسؑ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷
بھائی کے بعد ان سے ملی لذت حیات
خالی دیا نہ پائی مروت سے کوئی بات
پہلے کس کے ہم گنہگار تھے یہ یا خدا کی ذات
سویا جو میں تو ان کو کبھی جاگتے ہیں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸
ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

۴۹
قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخم دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
بچھڑا جو ایک دو میں تو پھر ہیں کنار گور
جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشم بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰
بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشن جہاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیر ناتواں
گزرے بہار عمر کے دن آگئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجوان
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے سن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱
ان سے نشاں علیؑ کا ہے تم سے ہمارا نام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے انتظام
گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پدر بے چراغ ہو

۵۲
بچو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
بے سر پدر کو کفن و گور کی تلاش
دو شخص چاہیئے کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست و یاور سرہانے ہو
فرزند یا بھتیجا ہو برادر سرہانے ہو

۵۳
اکبرؑ نے سن کے باپ سے یہ اشک خوں بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
عباسؑ بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دیتے ہیں جان اہل وفا نام کے لیے
پائیں ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے

۵۴
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسمؑ کا ذکر کرتے تھے ہم شکل مصطفےٰ
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمھیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشن ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبرؑ اٹھائیں گے

۵۵

اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار
غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
بے اذن جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالتمآب سے
پہلے مروں گا اکبرؑ عالی جناب سے

۵۶

صدقہ علیؑ کی روح کا اکبرؑ کو روکیے
دے کر قسم شبیہ پیمبرؐ کو روکیے
نور نگاہ بانوئے بے پر کو روکیے
اے آفتاب دیں مہ انور کو روکیے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

۵۷

شہ نے کہا کہ سر کو قدم سے اُٹھائیے
لیجے رضائے حسب طلب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے
اپنی سکینہؑ جان سے جا کر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

۵۸

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
بھائی کو گھر میں لے چلے جب شاہ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطر فوج ستم شعار
وہ اذن جنگ پا چکے عباسؑ نامدار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموس شاہ سے

۵۹

نکلے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
نعرہ یہ دم بدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنان شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

۶۰

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
کانپے مثال بید جوانان پر جگر
ہل چل میں اس طرف کے پرے ہو گئے اُدھر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

۶۱

لوٹے وہ سورما جو بندھے تھے پئے جدال
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبت خلف شیر ذوالجلال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشت نبرد کھیت بنا زعفران کا

۶۲

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے دور انقلاب
اُلٹے گا اس زمیں کا ورق ابن بوتراب
اس خیبر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
بس اب بنائے عالم امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا
لنگر ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

۶۳

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
بھرتے تھے خیبری بھی دم سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کونے کے نامرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے تیر باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

۶۴
تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں
تو بار جوڑے تھے اکیلے ہزار میں
اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

۶۵
سرگروہائے فوج مخالف تھے بے حواس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
ضرب علیؑ ہے ضرب علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

۶۶
اس فوج میں ہے گو یہ تزلزل یہ انتشار
مضطر ہیں بیبیاں شہ والا ہیں بے قرار
ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسؑ نامدار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

۶۷
منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشم تر
کہتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطان بحر و بر
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

۶۸
بھائی کے اضطراب میں زینبؑ کا ہے یہ حال
عباسؑ سے یہ کہتی ہیں رو کر بہ صد ملال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسد کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

۶۹
دیکھو تو حال سبط رسولؐ فلک اساس
ہے کثرت سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبر اسد ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہراؑ کے لال کے

۷۰
عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
کیوں کر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
یہ سر ہے اس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہے فیض سید خوشخو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

۷۱
رخصت طلب ہے شاہ سے اکبرؑ سا لالہ فام
للہ رو کیے نہ اب اے خواہر امام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ماں نہیں مرے سر پر پدر نہیں
ہیں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

۷۲
باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینبؑ جھکا کے سر
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسؑ نامور
مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ رونے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

۷۳
کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عن قریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

۷۴
اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے
امداد بہر حضرت شبیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

۷۵
عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

۷۶
کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
پیٹو نہ سر کو روتا ہے فرزند مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے

۷۷
لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمہیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمہیں

۷۸
صدقے میں ابن فاطمہؑ پر مجھ سے سنو غلام
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمہیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

۷۹
دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کب ایسے تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

۸۰
قاسم کو دیکھو جانب کبریٰ کرو نگاہ
گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دختر شبیر واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں پر جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

۸۱
آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
اف کیجیے نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
پھر چار ہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
بھولی ہو علی کا بڑا نام کر گئی؟

۸۲

شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر
ہتیار سج کے حضرتِ عباسؑ نام ور
چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
آئے قریب لختِ دلِ سیّد البشر
صدمے سے رنگ سبطِ نبیؐ زرد ہو گیا
کاندھے پہ دست دیا کہ بدن سرد ہو گیا

۸۳

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نام ور
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر ادھر
بے تاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
بے زیست تیغ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینبؑ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

۸۴

سب گھر کی بیبیوں کو کہو میرے پاس آئیں
گودی میں تشنہ کام سکینہؑ کو جلد لائیں
بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں
یہ نوجوان سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؑ سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

۸۵

یہ سن کے ساری بیبیاں آئیں بہ حالِ زار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسؑ نامدار
ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
اک ذرہ پروری کے طلب آفتاب میں
آقا ہے دیر کس لیے خادم کے باب میں

۸۶

لڑکوں نے معرکہ میں کیے اپنے اپنے نام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکھنا دلیر کا
کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی سے شیر کا

۸۷

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
زہراؑ سے بھی حجاب ہے شبیرؑ سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا

۸۸

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا
بیزار کیا نہ ہو گا دلِ شاہِ قل کفیٰ
مجھ سے رسولِ پاکؐ خوشی ہوں گے یا خفا
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
احساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

۸۹

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیے

۹۰

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جاں کاہ کیا کروں
مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی بھی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

۹۱

غازی نے رکھ دیا قدم شاہِ دیں پہ سر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمہارا کوچ مرا پا تراب ہے

۹۲

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
اک آہ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری
سب رو دیے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۳

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغ دو دم لیے
مجرے کو آئی فتح سپاہ حشم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

۹۴

آیا سجا ہوا وہ سمندِ براق سیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
تھا جو فلک سے اڑنے کو لے تیار مثل طیر
الحق سپاہ شر آئے رو کے تو یہ بخیر
ہر ہر قدم کی گرد کو پائی نہیں کبھی
ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۵

وہ زیب و زین فرس کی وہ زینت تھی وہ پھبن
چشم سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
یا گھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

۹۶

رکھا قدم رکاب میں حیدرؑ کے لال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے
نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
دم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
اس ناز سے وہ رشک غزال ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

۹۷

خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی
گرد اُڑ کے غازۂ رخ لیلیٰ وشاں بنی
ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقش سم فرس سے ہزاروں ہلال تھے

۹۸

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب
وہ رعب حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
صولت میں فرد دفتر جرأت میں انتخاب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

۹۹

پہنچے جو دشت کیں میں اڑاتے ہوئے فرس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راست و پیش و پس
گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

۱۰۰
بولے یہ چڑھ کے فوج مخالف سے پہلوان
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۱۰۱
سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال
یہ مورچے ہیں کیا تمہیں جن کا ہو کچھ خیال
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہوگے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

۱۰۲
روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

۱۰۳
تم کیا پہاڑ بیچ میں اگر ہو تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منھ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہو گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۱۰۴
سرکش ہیں سب ہماری زبردستوں سے زیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
دادا شجاع باپ جواں مرد ہم دلیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ ضربیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۱۰۵
جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
سر کاٹتے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بادشاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

۱۰۶
بے مشک کے بھرے نہیں آتا ہے چین کب
اصغرؑ کی گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہؑ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۷
عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور نہرِ آب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اللہ دی آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوج پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

۱۰۸
یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے
نیزے اٹھا کے شیر کے منھ پر شریر آئے
گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ تیغ بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

۱۰۹

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا
یہ صف اجیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

۱۱۰

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

۱۱۱

توڑا یہ مورچہ یہ صف الٹی ادھر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر بھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیرِ نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

۱۱۲

منھ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
اللہ رے دم لہو یہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی کو نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اسکے بھری ہوئی

۱۱۳

بے ننگ تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
آئی اجل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
پہونچا وغا میں تو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۴

چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ ان کے ہزار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
آواز شش جہت میں بگیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

۱۱۵

نعرہ جدا صدائے بگیر و بدہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
گوشہ کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱۶

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
تلوار بھی کلوں کی طرف بر محل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر گئے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

۱۱۷

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بے کار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
بجلی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی بغل چلو
بولی اجل اب اٹھ کے ترچھوں کے بل چلو

۱۱۸

نیزے ادھر قلم تو ادھر برچھیاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
منھ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب تن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

۱۱۹

کی جس نے سرکشی وہی فتنہ فرو ہوا
انشاں لہو سے شبیر کا دست نکو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۲۰

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
عاری تھیں منھ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
تھا اس کے ہاتھ سے دل چار آئینہ فگار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

۱۲۱

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھے نہ چلّے کمان پر

۱۲۲

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
سب چھاؤنی اجاڑ محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالق اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

۱۲۳

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے
ہر جا پہ تیغ شعلہ فشاں سد راہ ہے
اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھ سے منھ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۲۴

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہ لعیں ہٹی
سمجھے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیٔ گردوں پہ چڑھ گیا

۱۲۵

اللہ ری جنگ شیر سلیمانِ کربلا
پہنچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
چوکی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی کجا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قوم اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

۱۲۶

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بند و بست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں!
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں!

۱۲۷
دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
کس دبدبہ سے جوہر تیغ علیؑ دکھائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

۱۲۸
لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
پُر زہر ہے بغیر شہِ آسماں اساس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے ان کے آب خضر بھی ہو دے تو خاک ہے

۱۲۹
فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
گویا خضر اُتر گئے آب حیات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

۱۳۰
گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباسؑ آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

۱۳۱
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
آندھی سیہ گھٹا کی طرح سب سیاہ شام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں جھپٹتیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پرواہ رے جو اس کو ابرو پہ بل نہ تھا!

۱۳۲
چلتی تھی گرد کے چار طرف تیغ برق دم
دشمن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم
کاندھے میں مشک آب تھی پنجہ میں تھا علم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم
اڑ اڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں دھنستے تھے ریت میں

۱۳۳
جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
چلا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
جانے نہ پائے لخت دل شاہ قلعہ گیر
رخ اس جری کا خیمہ کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینہ کو توڑ دو

۱۳۴
سن کر زبان درازیِ شمر ستم شعار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
عباسؑ مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
توڑی اگر یہ صف تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے!

۱۳۵
مشہور ہے کہ ایک یہ بھاری ہیں دو بشر
کھائے اِدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
در پے تھے اک جواں کے لئے لاکھ اہل شر
کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینہ پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

۱۳۶

سینہ سپر تھا مشک پہ رو کے ہوئے تھے ڈھال
کستا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال
لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۳۷

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکر شریر
آکر لگا میان دو ابرو جو ایک تیر
بس چور ہو گیا پسر شاہ قلعہ گیر
تیورا گیا علیؑ ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہؑ پہ جھک گئے

۱۳۸

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقت انتقال
گر گر کے اٹھتے تڑپ کے ادھر سے ادھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۳۹

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہراؑ کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۰

فرماتے تھے کراہ کے اکبرؑ سے بار بار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
شانے دباؤ اے علیؑ اکبر پدر نثار
بازو کا زور لے گئے عباسؑ نامدار
واحسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۱

چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
یہ بچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آکے دیکھ جاؤ
عباسؑ ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈنے کو سکینہؑ نکلتی ہے

۱۴۲

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
ڈیوڑھی میں اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
خیمے میں غش ہے زوجۂ عباسؑ خوش خصال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خورد سال
لب اتنے اودے اودے ہیں ننھے گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۴۳

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہؑ بچشم تر
اب پانی لے کے آتے ہیں عباسؑ نامور
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

۱۴۴

گھیرے ہیں لاکھوں ان کو ستمگار ہائے ہائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گزری بس مشک آئے
مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
بس ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

۱۴۵

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تینوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۱۴۶

افشاں ہیں سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشان
نام آوروں نے آج لٹا یا عجب نشان
عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان
کیوں اے حسینؑ کون اُٹھائے گا اب نشان
لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جس میں علیؑ کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

۱۴۷

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

۱۴۸

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
گھر لٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیا نہیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

۱۴۹

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال
ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۰

خورشیدِ مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
حیدرؑ کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

۱۵۱

اکبرؑ کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
اکبرؑ خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۱۵۲

اکبرؑ پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبرؑ ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۵۳

اکبرؑ نے شہ کے ہاتھوں کو پکڑا بصد بکا
پیچھے یہیں ہے لاشِ علمدارِ باوفا
رکھتے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

۱۵۴
عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی اُمت نے بے سبب
ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۵۵
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

۱۵۶
غش میں سُنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰ
چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ باوفا
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو

۱۵۷
یہ کہہ کے رو سے شہ کی طرف کی نظر بغور
آیا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی
تھرائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

۱۵۸
قدموں کو کھینچ کر جو گرا وہ نیک نام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
گودی میں پاؤں لے کے دبانے لگے امام
تھرائی لاش مر گئے عباسؑ تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبیؐ رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۱۵۹
ہاں رو رو مومنو یہ بکا کا مقام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
تم بھی شریکِ روحِ رسولِ انام ہے
تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہووے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو رووے گا

۱۶۰
آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
پرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا ہو کیا
زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

۱۶۱
بیٹھو سروں کو ہونا ہے اب مرثیہ تمام
رخصت طلب ہے باپ سے اکبرؑ لالہ فام
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
خاموش ہیں حسین نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب رن میں فاطمہؑ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۶۲
بس اے انیس روک لے اب خامہ کی عناں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں
یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہو سکے گا بیاں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتولؑ کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسولؐ کو

مرثیہ ۱

عباسؑ علیؑ شیر نیستان نجف ہے
تابندہ در تاج سلیمان نجف ہے
سرو چمن خضر بیابان نجف ہے
آئینۂ روئے مہ کنعان نجف ہے
طفلی سے اسے عشق امام دوسرا تھا
تنہا اس پہ فدا تھے وہ شہ دیں پہ فدا تھا

۲

کیا دبدبہ کیا شان تھی کیا صولت و شوکت
کیا حسن تھا کیا خلق تھا کیا چشم مروت
کیا حلم تھا کیا رعب تھا کیا قوت و قدرت
کیا رحم تھا کیا عدل تھا کیا بخشش و ہمت
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہیگا
عالم میں علمدار کا مذکور رہے گا

۳

اللہ رے نصب واہ ری توقیر ہے جاہ
دادا تو ابو طالبؑ غازی سا شہنشاہ
عم جعفرؑ طیار ہژبر صف جنگ گاہ
اور والد ماجد کو جو پوچھو اسد اللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابن علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنت نبیؐ کی

۴

ہر چند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہ رو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن میں جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گل زہراؑ ہی کی خو بو
خلق اس میں جوانمردی شاہ نجف اس میں
تھے علم امامت کے سوا سب شرف اس میں

۵

پیدائش عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر
جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ رہ گیر
یاور تھی زبس مادر عباسؑ کی تقدیر
ہم بستر حیدرؑ ہوئی وہ صاحب توقیر
جس روز سے آئی تھی ید اللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

۶

دعوائے کنیزی تھا اسے بنت نبیؐ سے
تھا انس بہت آل رسولؐ عربی سے
مطلب نہ تھا اپنی اسے حاجت طلبی سے
آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
تو جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

۷

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی یا شہ صفدر
دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتح خیبر
الفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جان رسولؐ دوسرا تھے
صدقے کبھی اس پر تھے کبھی اس پہ فدا تھے

۸

جب مصحف ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر
کی حق سے مناجات کہ اے مالک تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحب توقیر
میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں جو حضر کا نام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

۹

شبیرؑ کا تھا نام مناجات میں داخل
کس طرح نہ مقبول کرے خالق عادل
جلد اس کو ثمر نخل دعا کا ہوا حاصل
اللہ نے بخشا پسر نیک شمائل
کھلائی جو تصویر پسر [illegible] نے
عباسؑ علیؑ نام رکھا شیر خدا نے

۱۰

شبیر کو عباسؑ کی مادر نے بلایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا
اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
نعلین اٹھائے گا تمہارا مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے
مالک ہو تمہیں اور تمہیں مختار ہو اس کے

۱۱

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوش خو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو
یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گل رو
یہ شیر مددگاریِ شبیر کرے گا
اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

۱۲

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا
ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا
حق الفتِ زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا
جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

۱۳

خوش ہو کے یہ کی حضرتِ عباسؑ نے تقریر
حاضر ہوں کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر
یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیر
لازم نہیں اماں عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا
پر خلق میں ہووے گا بڑا نام تمہارا

۱۴

مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی
پکڑے ہوئے ہاتھ آگے یداللہ کے لائی
لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پنہائی
کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پر
اب اس کو فدا کیجیے زہراؑ کے پسر پر

۱۵

کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا
عباسؑ بتا دے مجھے مرضی ہے تری کیا
شبیر پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
وہ اہلِ وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا
میں عاشقِ فرزندِ رسولِ دوسرا ہوں
سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

۱۶

رو کر اسداللہ نے دیکھا رخِ شبیر
پیاسوں کا خیال آ گیا حالت ہوئی تغییر
جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر
طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمہ سے غش آ جائے علیؑ کو

۱۷

عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار
چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
صدقے ترے اے دلبرِ زہراؑ کے مددگار
ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا
شہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا

۱۸

مجمل جو کہے مخبرِ صادق نے یہ اخبار
گردش پہ جب آیا فلکِ شعبدہ کردار
کچھ پوچھ سکے آگے نہ عباسؑ علمدار
مہمان ہوئے کوفیوں کے سیدِ ابرار
پانی جو ہوا بند دل و جانِ نبیؐ پر
اس روز کھلا حال دلِ عباسؑ علیؑ پر

۱۹

صبحِ شبِ عاشورہ ہوئی جبکہ نمودار
روتے تھے جو ہر لاش پہ جا کر شہِ ابرار
سر دینے لگے جنسِ شہادت کے طلب گار
غم کی دلِ عباسؑ پہ چل جاتی تھی تلوار
کہتے تھے کہ رخصت کا بہانہ نہیں ملتا
سب جاتے ہیں مرنے ہمیں جانا نہیں ملتا

۲۰

جب قتل ہوا سیّدِ مسموم کا دلبر
شبیرؑ چلے لاش کے ٹکڑوں کو جو لے کر
لکھا ہے نکل آئے حرم خیمے کے باہر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے تیوڑائے ہوئے سر
تھا سوچ کہ بے جاں ہوا فرزند حسنؑ کا
سر پیٹنا دیکھا نہیں جاتا تھا دُلہن کا

۲۱

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
لاشوں میں لٹا آئے اسے جب شہِ ذی جاہ
خیمے میں رہا دیر تلک ماتمِ نوشاہ
سب سے کہا اب بھائی کا پرسا دو مجھے آہ
لو صاحبو تشریف لیے جاتے ہیں عباسؑ
بے تیغ ہمیں ذبح کیے جاتے ہیں عباسؑ

۲۲

کہہ کر یہ سخن رو دیے جو شاہنشہِ عالم
گھبرا کے گئی بیٹھ سرِ زینبؑ پُرغم
نوشاہ کے ماتم میں ہوا اور بھی ماتم
نزدیک یہ تھا زوجۂ عباسؑ ہو بے دم
دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے
گھبرا کے جو اٹھی تو ردا گر گئی سر سے

۲۳

عباسؑ سے کچھ کہنے کا موقع جو نہ پایا
کہنے لگی صدقے گئی اُٹھو غضب آیا
روتی تھی اور غش سے سکینہؑ کو جگایا
اٹھتا ہے مرے سر سے علمدار کا سایا
برباد میں ہوتی ہوں سمجھا لو انھیں بی بی
للہ رنڈاپے سے بچا لو مجھے بی بی

۲۴

تھے صحن میں خیمے کے تو یہ حشر کے آثار
سر کھولے ہوئے زوجۂ عباسؑ علمدار
ڈیوڑھی پہ کھڑے رو رہے تھے سیدِ ابرار
عباسؑ کے قدموں پہ گری آن کے اک بار
چلاتی تھی منہ لونڈی سے موڑا مرے صاحب
ان قدموں کے صدقے مجھے چھوڑا مرے صاحب

۲۵

ہے ہے مرے والی مرے وارث مرے آقا
بچے مرے کمسن ہیں میں ہوں بیکس و تنہا
ہے ہے مرے ہمدم مرے مونس مرے شیدا
صاحب میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا
شمشیر گلے پر مرے دھرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بے سر مجھے کرتے ہوئے جاؤ

۲۶

عباسؑ نے جھک کر اسے قدموں سے اٹھایا
جلتا ہوں ابھی سے ہے یہ کیا حال بنایا
اور پونچھ کے رومال سے آنسو یہ سنایا
بندے کے لیے کافی ہے اللہ کا سایا
کرتا ہوں ادا حق میں شہِ تشنہ گلو کا
دو ساتھ تم اس وقت میں زہراؑ کی بہو کا

۲۷

وہ قید اگر ہوویں تو تم قید میں جانا
رکھیں وہ جہاں پاؤں وہاں آنکھیں بچھانا
شہزادی کی خدمت سے کبھی منہ نہ پھرانا
حیدرؑ کی بہو ہوں یہ کبھی دھیان نہ لانا
گو سمجھیں وہ شفقت سے عزیزوں کے برابر
تم جانیو قدر اپنی کنیزوں کے برابر

۲۸

جاؤ جو وطن تو یہ بھیجو اماں کو یہ پیغام
کاندھے پہ اٹھایا علمِ لشکرِ اسلام
جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
سقائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام
مشہور ہیں غمخوار شہنشاہ زمن ہوں
پر درد ہو تو سمجھو کہ ابھی تشنہ دہن ہوں

۲۹

یہ کہہ کے گرے پیچھے سے با دیدۂ خونبار
اے قوتِ دل راحتِ جاں یارِ وفادار
مانگی جو سواری تو پکارے شہِ ابرار
بھائی کے کلیجے سے لپٹ جاؤ پھر اک بار
قسمت تھی یہیں ہاتھوں سے مرے کھوتی ہے بھائی
تم جاتے نہیں روح جدا ہوتی ہے بھائی

۳۰

دی فوج عدو کو یہ خبر پیک نے جاکر
سرتا بقدم غرق ہے آہن میں وہ صفدر
ہاں لشکریو آگئے ہیں عباسؑ دلاور
بے طور نظر آتے ہیں اس شیر کے تیور
حیدر کی طرح ہاتھ میں شمشیر دودم ہے
نیزے پہ تو مشکیزہ ہے کاندھے پہ علم ہے

۳۱

تب شمر نے پوچھا کہ ہے کیا آنے میں تاخیر
ہیں عاشقِ عباسؑ علی حضرتِ شبیرؑ
وہ بولا کہ اس حال میں میں کیا کروں تقریر
سو بار ہوئے رو رو کے بھائی سے بغل گیر
کہتے تھے ابھی میری تشفی نہیں ہوتی
پھر چھاتی سے لگ جاؤ کہ سیری نہیں ہوتی

۳۲

جب آخری تسلیم کو جھکتا ہے علمدار
جس وقت سنبھلتے ہیں تو کرتے ہیں یہ گفتار
گرتے ہیں کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
ناچار ہوں قابو مرا دل پر نہیں زنہار
رقت کا ہے یہ جوش کہ تھراتے ہیں عباسؑ
ہر مرتبہ قدموں سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

۳۳

چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یہ اک دخترِ نادان
غش ہو گئی ہیں صحن میں خیمے کے چچی جان
عباسؑ چچا پھر کے چلے آؤ میں قربان
پانی کے لیے اب نہ سدھارو سوئے میدان
جو ہے مری قسمت میں مصیبت وہ سہوں گی
بابا کو رلاؤ نہ میں پیاسی ہی رہوں گی

۳۴

یہ حال سنا جب پسرِ سعد نے سارا
آتا ہے سوئے نہر یداللہ کا پیارا
گھبرا کے کہا جلد ہو سب فوج صف آرا
ہاں غازیو روکے رہو دریا کا کنارا
گر قتل کیا بازوئے فرزندِ نبیؐ کو
جیتا ہی پکڑ لیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۳۵

یہ سنتے ہی صف بستہ ہوا لشکرِ اظلم
تھا تیغوں کی تابندگی میں برق کا عالم
ہر صف میں نشانوں کے چمکنے لگے پرچم
پیغامِ قضا تیر لیے جاتے تھے پیہم
دریا پہ عجب معرکہ آرائی ہوئی تھی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی تھی

۳۶

دیتے تھے جو نیزوں کو ستمگار تکانیں
گویا کہ نکالے ہوئے تھے مار زبانیں
چوں برق ہر اک صف میں کھنچی تھیں سنانیں
کھنچے تھے جو چلے تو کڑکتی تھیں کمانیں
ترکش کے جو منھ تیر فگن کھولے ہوئے تھے
اژدر تھے کہ ڈسنے کو دہن کھولے ہوئے تھے

۳۷

اک سمت زرہ پوش سواروں کے رسالے
تولے کوئی شمشیر کوئی گرز سنبھالے
تحت الحنکیں باندھے لیے ہاتھوں میں بھالے
اور تیس ہزار ایک طرف برچھیوں والے
کوسوں ہی وفورِ سپہِ شام ہوا تھا
اک پیاسے کی خاطر یہ سرانجام ہوا تھا

۳۸

زیبِ چمنِ حسن تھا وہ سرو قبا پوش
حسن ایسا کہ نظارے سے یوسفؑ کے اڑیں ہوش
عمامہ جو سر پر تھا تو شملہ بہ سرِ دوش
موسیٰؑ اسے دیکھے تو تجلی ہو فراموش
خود ان کے منھ حسن نے قدموں سے ملا تھا
ہر عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلا تھا

۳۹

تھی غیرتِ آئینہ وہ پیشانیِ انور
تھی رتبے میں سرلوح سے قرآں کی وہ ہمسر
ہو ماہ دو ہفتہ بھی جسے دیکھ کے ششدر
اور جلوہ گری میں کفِ موسیٰؑ کے برابر
بچپن سے جو سرگرمِ عبادت وہ جواں تھا
سجدے کا نشاں صاف ستارا سا عیاں تھا

۴۰

ابرو کی کمانوں میں عجب طرح کا خم تھا
آنکھ ایسی کہ حیرت زدہ آہوئے حرم تھا
پیوستہ تھے یہ رابطہ گوشوں میں بہم تھا
ہر موئے مژہ ناوکِ دل کش سے نہ کم تھا
دل سہم گیا سینے میں ہر دشمنِ جاں کا
تحریر نہ تھی سرمے کی چلّہ تھا کماں کا

۴۱

نعرہ تھا کہ ہاں اے سپہِ شام خبردار
ہے قہرِ الٰہی مری صمصام خبردار
عباسؑ دلاور ہے مرا نام خبردار
نیزہ ہے مرا موت کا پیغام خبردار
لختِ جگرِ صاحبِ شمشیرِ دو سر ہوں
ہشیار کہ میں شیرِ الٰہی کا پسر ہوں

۴۲

فرما کے یہ لی تیغ بہادر نے میاں سے
ہر وار میں سر گرنے لگے برگِ خزاں سے
گھوڑے کو جو چھیڑا نہ رکا لاکھ جواں سے
چلنے میں زیادہ تھی رواں آبِ رواں سے
جس پر پڑی نازل ہوا قہر اس پہ خدا کا
تھی تیغ کی ضربت کہ طمانچہ تھا قضا کا

۴۳

ہر ضرب میں نعرہ تھا کہ یا حیدرِ صفدر
جب چمکی وہ بجلی تو جدا ہو گئے یک سر
مقتل کی زمیں ہو گئی تھی عرصۂ محشر
گردن سے سر اور جسم سے جاں روح سے پیکر
وہ قابضِ روحِ جسدِ اہلِ جفا تھی
عباسؑ کی شمشیر کے قبضہ میں قضا تھی

۴۴

لڑتا ہوا پہنچا سرِ ساحل جو وہ ذی ہوش
دریا جو نظر آیا تو رقت کا ہوا جوش
تھی تیغ علم ہاتھ میں اور مشک سرِ دوش
یاد آئی سکینہؑ کی ہوئی جنگ فراموش
تھی خشک زباں پیاس کی گرمی سے دہن میں
آئی جو ہوا سرد تو جان آ گئی تن میں

۴۵

چمکار کے رہوار کو اس نہر میں ڈالا
پیاسے تھے جو دو روز سے گھر میں شہِ والا
لہرایا جو پانی تو ہوا دل تہ و بالا
مشکیزہ کو بھر کر بہ سرِ دوش سنبھالا
اسوار جو بے پیاس بجھائے ہوئے نکلا
منھ پانی سے گھوڑا بھی اٹھائے ہوئے نکلا

۴۶
رہوار سے فرمایا کہ یہ سخت گھڑی ہے
مشکیزے سے ایک ایک کی آنکھ اب تو لڑی ہے
رستے میں پرا باندھے ہوئے فوج کھڑی ہے
پانی نہ تلف ہو یہ مجھے فکر پڑی ہے
دل سینے میں بیتاب ہے پیاسوں کے الم سے
مشکیزہ سنبھالوں کہ لڑوں فوج ستم سے

۴۷
گھوڑے نے کہا ہے ابھی در پیش لڑائی
حضرت نے زباں پیاس بھی آ کر نہ بجھائی
خیمہ تلک اس فوج سے مشکل ہے رسائی
اور اس پہ بھری مشک ہے کاندھے پہ اٹھائی
بے پانی پیے ضعف سوا ہوئے گا آقا
طاقت ہی نہ ہوئے گی تو کیا ہوئے گا آقا

۴۸
عباسؑ نے فرمایا کہ اے اسپ وفادار
مر جانا تو ہے سہل یہ امر ہے دشوار
سیراب علمدار ہو پیاسا رہے سردار
فرزند میں اُس کا ہوں جو کوثر کا ہے مختار
تو پی لے اگر شدت تشنہ دہنی ہے
اب ہم ہیں یہ انبوہ ہے اور تیغ زنی ہے

۴۹
گھوڑے نے کہا اے اسد اللہ کے جانی
پر جب نہ پئیں آپ تو کیوں کر پیوں پانی
ہر چند ہے دو دن سے مجھے تشنہ دہانی
ہرگز مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی
تا خیمہ گیا بچ کے اگر فوج ستم سے
چار آنکھیں نہ ہوں گی فرس شاہِ اُمم سے

۵۰
عباسؑ چلے خیمہ کے توکلت علی اللہ
دگنی ہوئی جب شام تو بادل میں گھرا ماہ
تنہا پہ پرے ٹوٹ پڑے فوج کے ناگاہ
انبوہ میں پیاسے کو نہ خیمہ کی ملی راہ
جوں شیر ادھر اور ادھر جاتے تھے عباسؑ
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے عباسؑ

۵۱
اُمڈا ہوا تھا فوج کا دریا لب ساحل
رہوار بھی مجروح تھا اور آپ بھی گھائل
گھیرے ہوئے غازی کو چلے آتے تھے قاتل
تا خیمہ پہنچنا تھا علمدار کا مشکل
تلوار تو اسکی صف اعدا کی طرف تھی
اور آنکھ خیام شہِ والا کی طرف تھی

۵۲
تھا رخ سے ٹپکتا کبھی جوں اشک پسینہ
لڑنے میں یہ تھا مشک بچانے کا قرینہ
غم تھا کہیں لب تشنہ نہ رہ جائے سکینہؑ
سینے پہ کبھی مشک کبھی مشک پہ سینہ
سب صورت غربال بدن چھن گیا اس کا
چار آئینہ تیروں سے زرہ بن گیا اسکا

۵۳
اللہ نے دی تھی جو اسے ہمت عالی
یوں آفت تیر ستم اس غازی نے ٹالی
دیتا تھا کبھی وار کو تلوار کے خالی
سینہ کو سپر کر دیا اور مشک بچالی
ہر حملہ میں لشکر کو بھگا دیتے تھے عباسؑ
پانی کے لئے جان لڑا دیتے تھے عباسؑ

۵۴
ناگاہ سناں ابن انس بڑھ کے پکارا
تھا فوج کے نرغے میں ید اللہ کا پیارا
لو غازیو یاور ہوا اقبال ہمارا
تلوار چلی واں علی اکبرؑ گیا مارا
بھائی کو مدد کے لئے چلاتے ہیں شبیرؑ
لاشہ علی اکبرؑ کا لئے آتے ہیں شبیرؑ

۵۵

سب بیبیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
چلاتی ہے عباسؑ کو اک چھوٹی سی دختر
وہ روتی ہیں کلثومؑ وہ زینبؑ ہیں کھلے سر
لب خشک ہیں جلتے ہیں پڑے ہیں کان کے گوہر
کہتی ہے کمک کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے بابا کو بچاتا نہیں کوئی

۵۶

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ علمدار
خیمے کی طرف جلد چلے پھیر کے رہوار
اور رو کے کہا ہائے مرے بھائی کے غمخوار
واحسرت و دردا کہ لگی شانے پہ تلوار
مڑ کر طرف راست نظر کی کہ یہ کیا تھا
تلوار سے یاں دوسرا بازو بھی جدا تھا

۵۷

تھا ہاتھوں کا کٹنا کہ لگا مشک پہ بھی تیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ جس وقت وہ دلگیر
چلا کے کہا ہائے سکینہؑ تری تقدیر
آ پہنچے گریبان کو پھاڑے ہوئے شبیرؑ
منہ پاؤں پہ مَل مَل کے فدا ہوتے تھے عباسؑ
شہ رو کے لپٹ جاتے تھے جب روتے تھے عباسؑ

۵۸

تھے نزع میں عباسؑ پہ بھائی سے یہ پوچھا
شہ بولے حفاظت کو ہے گھر کی اسے چھوڑا
اکبرؑ کی تو ہے خیر یہ فرمائیے آقا
یہ سن کے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
سجدے ہی میں دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
مشکیزہ لئے چھاتی تلے مر گئے عباسؑ

۵۹

خامہ کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار
برگشتہ زمانہ ہے تو کچھ غم نہیں زنہار
ہر بیت ہے اس مرثیے کی مطلع انوار
حامی ہیں ترے حضرت عباسؑ علمدار
فیاض دو عالم ہیں انیسؔ غربا ہیں
سب مشکلیں آساں ہیں کہ وہ عقدہ کشا ہیں

سلام

غبارِ رہِ کربلا ہو گئی — مری خاک بھی کیمیا ہو گئی
صبا لے کے آئی جو بوئے نجف — گرہ غنچۂ دل کی وا ہو گئی
ردائیں بھی سر پر نہیں اے فلک — یہ توقیرِ آلِ عبا ہو گئی
الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا — کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی
یہ عقدہ نہ کھلتا کبھی حشر تک — عنایاتِ مشکل کشا ہو گئی
خوشا تربتِ کربلا کا اثر — گرہ واں کھلی یاں شفا ہو گئی

قطعہ

نجف میں شراب آ کے سرکہ بنی — وہ کیفیتِ نشہ کیا ہو گئی
رہے سطوتِ عدلِ شیرِ خدا — کہ بنتُ العنب پارسا ہو گئی
کہا شہ نے زینبؑ سے اکبرؑ کے بعد — بہن روح تن سے جدا ہو گئی

قطعہ

کلیجوں پہ چلنے لگی تیغِ ہجر
بنی جب بنے سے جدا ہو گئی

یہ وہ تھا نہ دستِ تاسف ملے
کہ ہاتھوں کی سرخی حنا ہو گئی

نہ گل میں محبت نہ بلبل میں انس
الٰہی یہ کیسی ہوا ہو گئی

یہ صدمہ ہوا وقت جنگ و جدل
کہ غش بنتِ مشکل کشا ہو گئی

خزاں کا جو گلشن میں جھونکا چلا
تو بس جانِ بلبل ہوا ہو گئی

وہ تعریف ہے جس میں سازش نہ ہو
وہ رقت ہے جو بے ریا ہو گئی

قطعہ

تلاطم سے نکلا ہمارا جہاز
مناسب موافق ہوا ہو گئی

بہت ڈر سمندر کی لہروں کا تھا
طبیعت مگر آشنا ہو گئی

کیا ابرِ رحمت نے ایسا کرم
کہ پانی رہِ کربلا ہو گئی

نگہبانِ کشتی جو تھا فخرِ نوح
ہر اک موج خود ناخدا ہو گئی

مجھی پر نہیں کچھ علیؑ کا کرم
ہزاروں کی حاجت روا ہو گئی

کہا شہ نے نکلا جو اصغرؑ کا دم
مرے پھول سے بو جدا ہو گئی

فلک کیوں نہ پھٹ کر زمیں پہ گرا
علیؑ کی بہو بے ردا ہو گئی

قطعہ

دمِ نزع کس کس کا شکوہ کریں
نہ اک تاب و طاقت جدا ہو گئی

رہا مدتوں ساتھ جس روح کا
وہ دم بھر میں نا آشنا ہو گئی

کھلا یہ غمِ شہ میں عابدؑ کا جسم
قبا تھی جو تن میں عبا ہو گئی

قطعہ

سکینہؑ یہ کہتی تھی زنداں میں
محبت عنایت وہ کیا ہو گئی

گلا میرا باندھا نہ پوچھی خبر
چچا بس میں تم سے خفا ہو گئی

کئی دن نہ پانی کا قطرہ ملا
مسافر پہ کیا کیا جفا ہو گئی

کسی نے نہ پوچھا لعینوں سے آہ
کہ معصوم سے کیا خطا ہو گئی

اجل آ چکی تھی تہِ تیغِ مرگ
سپر مومنوں کی دعا ہو گئی

مرثیہ

عباسؑ علیؑ قبلۂ ارباب وفا ہے
ثابت قدم جادۂ تسلیم و رضا ہے
خورشید سپہر کرم لطف و عطا ہے
شمشیر خدا ہے خلفِ شیرِ خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزند نبیؐ کے
قربان علمدار حسینؑ ابن علیؑ کے

۲

سقائے حرم نام ہے اس شیر ژیاں کا
یہ جاہ تھی کوثر کی یہ شایق تھا جناں کا
دل غم سے بھر آئے نہ کیوں ہر پیر و جواں کا
قطرہ نہ بہشتی نے پیا آب رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک یہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دنیا میں جو کچھ حق وفا تھا

۳

اللہ رے اقبال زہے عزت و توقیر
سرتا بہ قدم حیدرِ کرار کی تصویر
ارشاد کریں قوت بازو جسے شبیرؑ
ضرغام وفا حامیٔ دیں صاحب شمشیر
پیدا ہے شجاعت رخ گلفام سے اسکے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اسکے

۴

کیا حسن ہے کیا رعب ہے کیا شیر جواں ہے
صناعیٔ حق اس کے سراپا سے عیاں ہے
کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
شیون ہے بپا تعزیہ داروں کے مکاں میں
ذکر قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

۵

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر
وہ مشکل لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر
شیعوں کی پناہ اور عدو کے لئے شمشیر
یا حضرتِ عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر
اعجاز و کرامت اسے کہئے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مشکل علیؑ عقدہ کشا ہے

۶

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اسکا ہوا عام
با سے برکت اور الف اول اسلام
یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
ہے سین سخاوت یہ اسی نام کا انجام
یہ اسم مقدس تو سعید ازلی ہے
اعلیٰ نہ ہو کیوں کر کہ شریک اسکے علیؑ ہے

۷

شیرانِ جہاں اس کے تہور سے ہیں روباہ
زور ایسا کہ ہے کوہ گراں مثل پرکاہ
رتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقین اسد اللہ
حسن ایسا کہ خورشید کا منھ زرد ہوا ہے
یوسفؑ کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

۸

سادات ہے اور شیرِ الٰہی کا پسر ہے
تیغ اس کی کلید در اقبال و ظفر ہے
جرار ہے ہنگام وغا لاکھ پہ در ہے
اور آپ شہِ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

۹

جس طرح محمدؐ پہ فدا ہوتے تھے حیدرؑ
حضرت کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر
اِن کو بھی اسی طرح سے عشق برادر
جوں سایہ نہ قدموں سے جدا ہوتے تھے دم بھر
فرماتے تھے جان و تن شبیرؑ ہے عباسؑ
قوت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباسؑ

۱۰

فرماتے تھے حضرت تو انھیں قوت بازو
حیدر سے شباہت تھا سراپا جو وہ گل رو
اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلام شہ خوش خو
جب دیکھتے تھے شاہ تو بھر لاتے تھے آنسو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمد کے وصی کی
یہ میرے مرقع میں ہے تصویر علیؑ کی

۱۱

کرتے تھے شہ دیں پہ فدا جان گرامی
سرو چمن دیں کے ہوئے عشق میں نامی
اللہ نے کی ان پہ محبت کی تمامی
گردن میں تھا قمری کی طرح طوق غلامی
پروانۂ شمع رخ شاہ شہدا تھا
بلبل کی طرح وہ گل زہراؑ پہ فدا تھا

۱۲

جس دن سے مدینے سے چلے سید ابرار
راتوں کو بھی مانند قمر رہتے تھے بیدار
عباسؑ نے کھولے نہ کمر سے کبھی ہتھیار
اور خیمے کے چوگرد پھرا کرتے تھے ہشیار
عاشق تھے زبس دوش محمدؐ کے مکیں کے
اس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہ دیں کے

۱۳

فرماتے تھے یہ بارگہ شاہ اُمم ہے
اس گھر کا ادب فرض ہے جبتک مرا دم ہے
کیا رتبہ میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے
گرداوری خیمہ نہیں طوف سے کم ہے
یہ احمد مختارؐ کے پیاروں کا مکاں ہے
یہ عرش معلّے کے ستاروں کا مکاں ہے

۱۴

جب متصلِ ماریہ پہنچے شہ ابرار
باگ اس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدارؑ
اور حُرِ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
اک ہاتھ میں تھی شہ کی رکاب ایک میں تلوار
تھراتے تھے یہ غیظ تھا عباسؑ علی کو
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو

۱۵

شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی
کہتے تھے گوارا نہیں حضرت کی جدائی
پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
ان قدموں سے ملتا چلے آنکھوں کو فدائی
آقا مرا جب راکب دوش نبویؐ ہو
کیوں کر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

۱۶

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرور
برپا ہوئے ریتی پہ خیام شہ صفدر
واں گھاٹ پہ اترا ہوا تھا شام کا لشکر
پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا الم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہ کا بھی غم تھا

۱۷

جب روز دہم رن میں صف آرا ہوئے اعدا
پیغام یہ شہ نے پسر سعد کو بھیجا
عباس علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
لشکر سے جدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی
کچھ کہنا ہے تمہارے پاس آؤں گا میں بھی

۱۸

سن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہ والا
ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
فرمایا مرے ساتھ کوئی آوے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ
سایہ کی طرح پیچھے چلے جاتے تھے عباسؑ

۱۹

اکبرؑ بھی تھے ہمراہ شہنشاہ خوش اوقات
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات
مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتے ہو تم ساتھ
اُس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیونکر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں
باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

۲۰

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
کی عرض علمدار نے تب قدموں پہ گر کر
تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
اُس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح جلو میں یہ ہوا خواہ نہ ہوئے
حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

۲۱

الفت پہ علمدار کی رو دیے شہِ ابرار
اُس وقت کہاں ہوئے گا تو اے مرے غمخوار
فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہے دشوار
جب ذبح کرے گا مجھے خنجر سے جفاکار
جب جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا
تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

۲۲

فرما کے یہ پیشِ عمرِ سعد گئے شاہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیدِ ذی جاہ
سمجھایا بہت اس کو پہ سمجھا نہ وہ گمراہ
تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
رو دیں سپر اپنی جو روں پہ انصار جری نے
اور سینہ سپر کر دیا عباسؑ علیؑ نے

۲۳

بازار اجل گرم تھا چلنے لگی تلوار
پھر شہ کے یگانے ہوئے سر دینے پہ تیار
مارے گئے مولا کے رفیقانِ وفادار
چھٹنے لگا تلواروں سے زہراؑ کا وہ گلزار
بے جاں ہوا دولھا بھی جو میدانِ ستم میں
اک حشر تھا کبریٰ کے رنڈاپے کا حرم میں

۲۴

روتے تھے کھڑے خیمہ کے در پہ شہِ ابرار
تھی عرض یہی اے خلفِ احمدِ مختارؐ
اور لیٹا تھا شبیرؑ کے قدموں سے علمدار
ہے اب تو غلام آپ سے رخصت کا طلبگار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولا
اب دیکھیے خادم کے بھی جوہر مرے مولا

۲۵

شہ کہتے تھے مجھ پر ہے عیاں تیری شجاعت
اللہ رے سردار و علمدار کی الفت
لیکن یہ نہ ہو گا یہ نہ ہو گا کسی صورت
وہ رو کے کہتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
تھا شہ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جدا ہوں
اور ان کو تمنا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں

۲۶

لپٹاتے تھے چھاتی سے انھیں سبطِ پیمبرؐ
فرماتے تھے شہ ہم کو رُلاؤ نہ برادر
یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو جھکتے تھے قدم پر
لو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہے سو بہتر
قاسمؑ کی طرح داغ تمہارا بھی سہیں گے
اب منھ سے بجز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے

۲۷

سننے کو کہا یہ پہ ہوا صدمۂ جاں کاہ
ڈیوڑھی پہ لگے پیٹنے آ کر حرمِ شاہ
فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
غل سن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ
منگواؤ تو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی
یہ غل ہے کہ ہلتی ہے زمیں کرب و بلا کی

٢٨
دو بھانجے اور ایک بھتیجا ہوا بے سر
کچھ درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرور
اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبر
آہوں کی صدایاں بھی آتی ہے مکرّر
روتے میں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے
تو سن تو کہ فریاد میں کیا درد بھرا ہے

٢٩
ہنس کر پسرِ سعد ستمگار یہ بولا
سب بچوں میں شبیر سکینہؑ کے ہیں شیدا
فاقہ کئی دن سے ہے کوئی مر گیا ہوگا
سنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اسکا
دنیا سے وہ مظلومہ سفر کر گئی ہوگی
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

٣٠
تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار
ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِ مختار
ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبر سے علمدار
بے وجہ نہیں خیمے میں رونے کا یہ غل ہے
معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

٣١
اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں
بھر لا دو مری مشک کو دریا سے میں قرباں
فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچا جاں
بیٹی شہِ بے کس کی سکینہؑ ہے وہ ناداں
عباسؑ پہ گر کوہِ ستم آج گرے گا
بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

٣٢
یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار
گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرّار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا
کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا

٣٣
وہ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا روشن
میدان بلا خطہ ہوا وادیٔ ایمن
خورشید نظر آیا چراغِ تہِ دامن
ہیبت بھی پر ایسی تھی کہ تھرا گئے دشمن
اللہ نے بخشا تھا عجب رعب نظر کو
تھا آنکھ ملانے کا نہ مقدور بشر کو

٣٤
بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی
سرو قدِ ارباب شجاعت ہے یہ غازی
فوجِ شہِ ابرار کی زینت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لئے ہے
لائق یہ علم کے ہے علم اسکے لئے ہے

٣٥
جعفرؑ کی طرح دولۂ تیغ زنی ہے
جوں شیرِ خدا قوتِ خیبر شکنی ہے
ہم شوکت و حمزہؑ یہ شجاعت کا دھنی ہے
مظلومیٔ شبیر ہے خلقِ حسنی ہے
اجلال محمدؐ رخِ زیبا سے عیاں ہے
سب شان بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے

٣٦
اس کے قد و قامت کا نہیں دہر میں ثانی
شاداب ہے کس حسن سے گلزارِ جوانی
پائی یہ کہاں سرو گلستاں نے روانی
شیریں سخنی گل بدنی غنچہ دہانی
شوق اسکی قدم بوسی کا ہے چرخِ بریں کو
کیا دیکھتا ہے رشک سے جھک جھک کے زمیں کو

۳۷

کیا دوشِ مبارک پہ ہے اوجِ علمِ شاہ
پنجے سے تجلّی پنجۂ خورشید و رُخِ ماہ
جنت کی ہوا اس کے پھریرے کی ہوا خواہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ
دیکھو تو علم بازوئے شاہِ شہدا کا
سایہ سپہ نور پہ ہے دستِ خدا کا

۳۸

نورِ سپر پر نور سے اب ہے خودِ منوّر
کیا ہاتھوں میں زیبندہ ہیں دستانۂ حیدر
چار آئینہ کو دیکھ کے حیرت میں ہے لشکر
گرداں ہیں ذرہ کی کہ ہیں شمشیر کے جوہر
قبضے میں فضا جس کے کہاں دوش پہ ایسی
شمشیر کا دم بند ہو جس سے سپر ایسی

۳۹

نیزہ وہ کہ چار آئینۂ فولاد کا توڑے
وہ تیغ کہ دشمن سے کبھی منھ کو نہ موڑے
مرجائے عدو تیر کماں میں جو یہ جوڑے
پکڑے اجل اس کو یہ سمجھتا جسے چھوڑے
گھوڑا وہ کہ بجلی کی تڑپ گرد ہوئی ہے
یہ گرمِ روش ہے کہ ہوا سرد ہوئی ہے

۴۰

تب شمر سے بولا عمرِ سعد بد اختر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر
عباسؑ کے تو رعب سے تھراتا ہے لشکر
اس غازی سے کو صلح تو ہے جنگ سے بہتر
تلوار چلی گر تو خدا جانیے کیا ہو
کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو

۴۱

اس نحس نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار
ظاہر ہے وفاداریٔ عباسؑ علمدار
حاکم ہے ترے حکم سے مجھکو نہیں انکار
یہ بات تو مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
خوں اس کا پسینے پہ شہِ دیں کے گرے گا
ہو جائے گا ٹکڑے پہ نہ بھائی سے پھرے گا

۴۲

ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدرؑ
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر
دنیا کا نہ لالچ ہے انھیں نے طمعِ زر
یہ سیفِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
سادات ہیں نورِ نظرِ شاہِ نجف ہیں
یہ جس کے طرفدار ہیں بس اس کی طرف ہیں

۴۳

یہ کہہ کے وہ مکار چلا سوئے علمدار
غصے سے کھڑے ہو گئے سب موئے علمدار
اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار
بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار
ابرو پہ تو بل آ گیا شمشیر کی صورت
دیکھا طرفِ شمرِ لعیں شیر کی صورت

۴۴

شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر سے وہ ناری
دہشت میں یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری
پیچھے ہی ہٹا اور بڑھا بھی کبھی باری
حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
غصہ کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں
سن لیجیے کہ حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں

۴۵

فرمایا علمدار نے کہہ کیا ہے وہ پیغام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سرانجام
تب دستِ ادب جوڑ کے بولا یہ وہ خودکام
حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
مشتاق ملاقات کے سب جنگجوئے بڑھے ہیں
واں ہاتھوں میں نظریں لیے سردار کھڑے ہیں

۴۶

چلیے مرے ہمراہ ادھر کو تو ہے بہتر
سالاری ہے واں لاکھ جوانوں کی مقرر
یاں آپ کی خاطر ہے علمداری لشکر
نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُر زر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی
دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

۴۷

کیوں آپ اٹھاتے ہیں ادھر پیاس کی ایذا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیا
افسوس کرے ایسا جواں فاقے پہ فاقہ
حاکم تمھیں لشکر کے تمھیں مالکِ دریا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے
ہم کو تو عداوت ہے حسین ابن علیؑ سے

۴۸

فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی
شبیرؑ کی منظور نہیں پیاس بجھانی
لے آئیے ان کو وہ پئیں شوق سے پانی
حلق ان کا ہے اور خنجرِ براں کی روانی
احمدؐ سے نہ حیدرؑ سے نہ زہراؑ سے ڈریں گے
پیاسا پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کریں گے

۴۹

اور دل ہے سکینہ کا اگر پیاس سے بے تاب
زینبؑ کی ردا چھینیں گے اور لیویں گے اسباب
شبیرؑ کے بعد اس کو بھی کر دیویں گے سیراب
پر آپ کی زوجہ کا بجا لاویں گے آداب
رسّی سے بندھا عابدؑ بیمار چلے گا
حضرت کا پسر گھوڑے پہ اسوار چلے گا

۵۰

عباسؑ نے جس دم یہ سنی شمر کی تقریر
سرتا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ
معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
فرمایا زباں بند کر او ظالم بے پیر
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
سر تن سے جدا ہو یہ نہ بھائی سے جدا ہوں

۵۱

اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو چکھا دوں
جوں حرفِ غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں
ہے شرط کہ شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
اک حملے میں کیوں شام کے لشکر کو بھگا دوں
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے
ظالم مرے منہ پر یہ سخن بے ادبی کے

۵۲

وہ کیا ہے جفاکار تری فوج ہے کیا مال
اک جان دو قالب ہوں میں اور فاطمہؑ کا لال
لوں باگ جو گھوڑے کی تو کر دوں ابھی پامال
آقا سے جدائی میں مردن بھی ہے اشکال
مر کر بھی شہِ دیں میں مری جان رہے گی
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی

۵۳

روشن ہے مرا نام مجھے شمعِ امامت
ہو بادشہِ یثرب و بطحا کی [illegible]
بے سر ہوں وہ اور پہنوں میں سرکار کا خلعت
تب مجھ کو ملے شہرِ مدینہ کی حکومت
تحقیر ہے یہ منصب و جاگیر نہیں ہے
پھر خاک ہے دنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہے

۵۴

خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالم بے پیر
مختار ہیں کوثر کے ہماری ہے یہ توقیر
یاں حلۂ فردوس ہے اور دامنِ شبیرؑ
منصب ہے غلامی شہ اور خلد ہے جاگیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
واں دولتِ دنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے

۵۵
مجھ کو تو نہ ہے بھوک نہ ہے تشنہ دہانی
آبِ دمِ شمشیر کی جب ہوگی روانی
غم یہ ہے کہ پیاسا ہے ید اللہ کا جانی
پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
دریا کی طرف تیغ بڑھا کر جو جھکیں گے
جوں سیل ہزاروں کے نہ روکے سے رکیں گے

۵۶
شہزادۂ عالم تو پیادہ چلے دم بھر
زہرا کی بہو بیٹیاں بلوے میں کھلے سر
بیٹا مرا اسوار چلے گھوڑے کے اوپر
زوجہ مری پردہ میں ہو اوڑھے ہوئے چادر
آقا کا نہ دوں ساتھ میں ایسا تو نہیں ہوں
زینبؑ کی وہ لونڈی میں غلام شہِ دیں ہوں

۵۷
فرزند گرامی مرا اکبرؑ پہ تصدق
زوجہ مری شبیرؑ کی خواہر پہ تصدق
چھوٹا مرا بیٹا علی اصغرؑ پہ تصدق
سارا مرا گھر فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
سو جان گرامی سرِ شبیرؑ کے صدقے
عباسؑ علی دخترِ شبیرؑ کے صدقے

۵۸
واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالمِ بے پیر
یاں خیمہ کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہِ دلگیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
اس فوج میں فرزندِ امیرِ نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

۵۹
اکبرؑ سے یہ بولا پسرِ مخبرِ صادق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
بھائی سے کنارہ کبھی بھائی نہ کرے گا
عباس علیؑ مجھ سے برائی نہ کرے گا

۶۰
ناموسِ نبیؐ میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانوں گی میں زنہار
کیا ماجرا ہے بیبیو مجھ سے کرو اظہار
ہے دیر سے ایک شور بپا لشکرِ کیں میں
وارث مرا کیا قید ہوا لشکرِ کیں میں

۶۱
بولی یہ سکینہؑ کہ چچی تم سے کہوں کیا
اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا
روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے ہاتھوں سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہِ دیں ہوئے تنہا
اس صدمہ سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
میں پیاس بھی بھولی ہوں یہ غموں کا قلق ہے

۶۲
بچی سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بے جا ہے یہ وسواس
قوتِ شہِ والا کی انھیں سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے

۶۳
میں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار
سر داد یہ کل ہوگا تصدق یہ علمدار
تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلامِ شہِ ابرار
کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اُسکا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمہارا بھی شرف ہے

۶۴

بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قسمت ہی الٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
لیکن فلک اس طرح سے کرتے نہیں دیکھا
بھائی کو کسی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا

۶۵

اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے سرور
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہوگئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہوگئے عباسؑ

۶۶

بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے
شمرِ ستم آرا کی نہ امید بر آئے
کیا وجہ جو گھر میں نہ شہِ بحر و بر آئے
آپ آئیں و یا مشک و علم خوں میں تر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہِ ہر دوسرا کا
شہرہ ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا

۶۷

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
لینے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ

۶۸

غیرت سے ہوئی جاتی ہوں میں بے کس و ناچار
صدقے گئی کیوں مری جانب سے ہے تکرار
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے مردودِ خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

۶۹

کچھ پانی کے لانے کی کرو نہر سے تدبیر
گہوارے میں دم توڑتا ہے اصغرؑ بے شیر
حالت ہے سکینہؑ کی بہت پیاس سے تغیر
کیا شور ہے جنگ میں کیوں کرتے ہو تاخیر
تم صاحبِ شمشیر ہو فرزند علیؑ ہو
وہ کام کرو فاطمہؑ کی جس میں خوشی ہو

۷۰

یہ سنتے ہی نوبادۂ عباسؑ دلاور
ماں کہتی چلی پیچھے کہ جلد آئیو دلبر
خیمے سے چلا ہنسلیاں پہنے ہوئے باہر
گھبرا کے یہ کہتی چلی شبیرؑ کی خواہر
عباسؑ کی ہے خیر عبث روتی ہو بی بی
بچے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہو بی بی

۷۱

تھا در پہ ہجوم حرمِ احمدِ مختارؐ
کہتا تھا وہ معصوم لیے ہاتھ میں تلوار
منھ توڑ دے گی سرزد و جو عباسؑ علمدار
کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکر کفار
بابا تو مرے ہوئیں گے سرور پہ تصدق
ہو جاؤں گا میں بھی علی اصغرؑ پہ تصدق

۷۲

کرتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
دکھلاؤں گا ان کو میں وفاداری کا جوہر
اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں انھیں جا کر
لڑتے ہیں علیؑ کے نہیں مرنے کا انھیں ڈر
ہم اہلِ مروت ہیں وفا ختم ہے ہم پر
سر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں آقا کے قدم پر

٧٣

آنکھوں میں بھرے اشک وہ کرتا تھا یہ تقریر
منہ چوم کے قربان تھی یہ بانوئے دلگیر
لیتی تھی بلائیں شہ مظلوم کی ہمشیر
صدقے تری جرأت کے میں اے صاحب شمشیر
گھر میں چلو کیوں غصہ سے تھراتے ہو پیارے
رکتے نہیں جب غیظ میں تم آکے ہو پیارے

٧٤

تہمت کوئی کر سکتا ہے بابا پہ تمہارے
پھر جائے گا وہ بھائی پہ جو جان کو وارے
یہ مکر و فریب اہل شقاوت کے ہیں سارے
اس غصہ کو جانے دو کدھر دھیان ہے پیارے
عباسؑ کا رتبہ شہ دلگیر سے پوچھو
قدر ان کی وفاداری کی شبیرؑ سے پوچھو

٧٥

کیا ہوتا ہے کہنے دو اگر کہتے ہیں گمراہ
یاں ذکر یہ تھا اور ادھر رو رہے تھے شاہ
تم بچے ہو واری ابھی میداں کی نہ لو راہ
ناگاہ ہوا شور میان صف جنگ گاہ
لو غیظ میں فرزند امیر عرب آیا
تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا

٧٦

یہ غل جو سنا زوجۂ عباسؑ نے اک بار
پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار
سرخی سی ہوئی چاند سے چہرہ پہ نمودار
دیکھا کہ علمدار سے ہے چل رہی تلوار
سب سے کہا دیکھو یہ دکھاتے ہیں وفا ہے
بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے

٧٧

میداں میں چمکتی ہے یہ کس شیر کی شمشیر
اس وقت نہیں کرتے خوشی ظالم بے پیر
کس کا ہے یہ نعرہ کہ نثار سر شبیرؑ
بخشا کے منصب کسے دی خلعت و جاگیر
چھوڑی ہے علمداری تو وہ اوج کہاں ہے
سردار گیا فوج کا پھر فوج کہاں ہے

٧٨

یہ کہتی تھی اور اشک تھے رخسار پہ جاری
پھر سبط پیمبر کو یہ ڈیوڑھی سے پکاری
ساتھ اس کے حرم کرتے تھے سب گریہ و زاری
کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری
عباسؑ کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو
لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو

٧٩

تھا مجھکو تردد کہ ہوئی جنگ میں کیوں دیر
دشمن سے ملی آنکھ تو رکتے نہیں پھر شیر
حضرت نے کیا منع گو اعدا نے لیا گھیر
کیا وجہ کہ عباسؑ نے کھینچی نہیں شمشیر
اب مٹ گئے دھڑکے کہ وفا کرتے ہیں عباسؑ
جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباسؑ

٨٠

کیا آپ کی الفت ہے اس الفت کے میں قربان
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آن
بیٹے کا خیال ان کو نہ اس دم ہے مرا دھیان
نقش قدم شہ پہ تصدق ہے مری جان
لاکھوں میں وہ تنہا ہیں یہ لونڈی ہے قلق میں
صدقے گئی کچھ کیجئے دعا بھائی کے حق میں

٨١

شہ بولے دعا کرتا ہے سینہ میں مرا دل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل
آساں کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
کس شوق سے طے کرتا ہے یہ عشق کی منزل
بھائی کا مرے ذکر دعا کرتی ہیں زہراؑ
سر کھولے ہوئے اسکو دعا کرتی ہیں زہراؑ

۸۲
محبوب خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خوان
فرماتے ہیں رو رو کر کہ میں عباسؑ کے قربان
ہیں اس کی شجاعت کے معترف شیرِ مردان
اور جعفرؑ و حمزہؑ بھی ہیں شرمندۂ احسان
عباسؑ سے سب ساکن افلاک خوشی ہیں
راضی ہے خدا پنجتن پاک خوشی ہیں

۸۳
کس سے کہوں اس دم ہے جو صدمہ مرے دلبر
وہ ٹڑتا ہے چلتے ہیں جگر پر مرے خنجر
افسوس بچھڑتا ہے برادر سے برادر
بھائی کی محبت پہ فدا سبط پیمبر
دو روز کی اس بھوک کے اور پیاس کے صدقے
شبیرؑ وفاداری عباسؑ کے صدقے

۸۴
اس نے کہا یہ منہ سے نہ فرمائیے تنہا
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں مولا
عباسؑ غلام آپ کا آپ اس کے ہیں آقا
بانو کو سہاگن رکھے حق ہے یہ تمنا
دنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دعا ہے
عباسؑ سے سو ہوویں تصدق تو بجا ہے

۸۵
یاں ذکر یہ تھا اور ادھر فوج سے لڑتا
جو گرد سے سب فوج ستمگر ہوئی اک جا
پہونچا پسر شیر الٰہی لب دریا
سقائے سکینہؑ کے لئے گھاٹ کو روکا
تلواریں کھنچی تھیں علم سرخ کھلے تھے
دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تلے تھے

۸۶
جس وقت کہ شبدیز کو غازی نے اڑایا
جس جس پہ پڑا تیغ علمدار کا سایا
بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
آکر ملک الموت نے بے سر اُسے پایا
وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی

۸۷
اعدا کے تو رخ پھر گئے اور تیغوں کی دھاریں
کہتے ہیں ستمگر کسے روکیں کسے ماریں
سب ٹوٹ گئیں برچھیوں والوں کی قطاریں
قابو میں چڑھے اپنے تو سر تن سے اتاریں
ہنگام وغا شیر کو ٹوکا ہے کسی نے
گرتی ہوئی بجلی کو بھی روکا ہے کسی نے

۸۸
تانے ہوئے نیزوں کو سوارانِ جفاکار
تلواریں لئے ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماندار
صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدار حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

۸۹
عباسؑ پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار
جنگ اسد اللہ دکھاتے ہیں خبردار
رہوار کی اب باگ اٹھاتے ہیں خبردار
پانی کے لئے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغ تبر دم کو تو روکیں
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکیں

۹۰
پانی تھی عجب ہاتھ نے غازی کے صفائی
اعدا کو نظر حضرت شاہ نجفؑ آئی
بس صاف تھی وہ جو کہ تہ تیغ صف آئی
جوں سیل فنا پھر تو گئی جس طرف آئی
شعلہ تھی شرارہ تھی قیامت تھی بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہر خدا تھی

۹۱
جوں موج گریزاں ہوئی فوجِ ستم آرا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا
اعدا نے لیا گھاٹ سے دریا کے کنارا
سرداروں کو چن چن کے علمدار نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پتہ تھا
خالی تھیں صفیں دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

۹۲
سقائے سکینہ کو جو دریا نظر آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہیِ دریا قمر آیا
جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
یا شمس فلک بامِ فلک سے اتر آیا
ہوتی تھی چکا چوند یہ لہروں میں جھلک تھی
دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

۹۳
اللہ رے عکسِ رخِ عباس کا جلوہ
حیرانی سے پانی ہوا آئینہ کا تختا
دریا میں ملا ان کے اک حسن کا دریا
قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہرِ یکتا
پر تشنگیِ شاہ سے مغموم تھے عباس
تھے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباس

۹۴
چھوڑ آئے تھے بن پانی سکینہ کو جو بے تاب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب
خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
گرد آ گئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نے تیر نہ شمشیر کے پھل نے اسے روکا
اعدا سے نہ رکتا پہ اجل نے اسے روکا

۹۵
کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیسا کیا نہ بچایا
جھک کر کبھی دامانِ سپر اس پہ اڑھایا
گہ چھاتی تلے زیرِ سپر گاہ چھپایا
وہ تیر لیا سینے پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لئے خون میں تر ہو گئے عباس
تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباس

۹۶
حفظِ علمِ شاہ بھی مشکیزہ کا بھی دھیان
یہ ایک ادھر لاکھ ادھر دشمنِ ایمان
دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی سامان
تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن سے وہ ذی شان
مجروح تھا سر نیزوں سے چھاتی بھی چھنی تھی
اس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی

۹۷
مشکیزہ کو لے نکلا تھا لڑ بھڑ کے وہ مہ رو
تلوار کے وار اس پہ کئے پا کے جو قابو
پر گھات میں بیٹھے چلے آ کے تھے جفا جو
ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
ہمت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر
جب مشک چھدی گر پڑے عباس زمیں پر

۹۸
پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری
رن میں دہلِ فتح بجانے لگے ناری
چلا کے کہا ہائے سکینہ کی باری
سن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری
بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اٹھایا
غش کھا کے گرے تھے جگر اکبر نے اٹھایا

۹۹
چلائی یہ زینب کہ غضب ہو گیا لوگو
عباس کی زوجہ نے کہا پیٹ کے سر کو
بھائی کے الم میں نہ جئیں گے شہِ خوش خو
بیوہ ہوئی پرسا مرے وارث کا مجھے دو
اب یہ ہے کہ حضرت سے جدا ہو گیا بھائی
لو صاحبو بھائی پہ فدا ہو گیا بھائی

۱۰۰

دریا کی طرف پیٹتے روتے چلے سرور
تھا وردِ زباں ہائے اخی ہائے برادر
جاتے تھے کہ باپ کی تھامے ہوئے اکبر
رستے میں عجب حال سے پہونچے شہِ صفدر
ہر گام پہ گر پڑتے تھے زور گھٹتا تھا
عمامہ نہ تھا سر پہ گریبان پھٹا تھا

۱۰۱

ناگاہ علمدار کا لاشا نظر آیا
اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا
چلائے کہ ہے ہے مجھے یہ کیا نظر آیا
شق مرا تو ہو گیا شبیر کے صدقے
شبیر تری خوں بھری تصویر کے صدقے

۱۰۲

یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور رو لئے لپٹ کر
چومے کبھی شانے کبھی منہ رکھ دیا منہ پر
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور
سر زانو پہ تب لے کے یہ کہنے لگے سرور
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی
ہم روتے ہیں تم منہ سے نہیں بولتے بھائی

۱۰۳

آہستہ یہ کہنے لگا وہ شہ کا فدائی
ہمراہ سکینہؑ تو نہیں آپ کے آئی
اور دوسرے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی
کچھ شر کی باتوں سے مکدر نہ ہوں بھائی
شہ بولے کہ کھولو میں ان آنکھوں پہ فدا ہوں
نہ ساتھ سکینہؑ ہے نہ میں تم سے خفا ہوں

۱۰۴

یہ سنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا
سوئے پسرِ فاطمہؑ بس پیار سے دیکھا
پھر شہ سے کہا سوئے علم کرکے اشارا
اس اپنی امانت کو اٹھا لیجئے آقا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں مریں گے
اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے

۱۰۵

اکبر کے حوالے اسے کیجے تو ہے بہتر
لائق ہے علمداری کے ہم شکلِ پیمبر
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شبیر یہ رو کر
اب مجھ کو علم چاہیئے دنیا میں نہ لشکر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائی
دنیا میں علم ہوگا نہ ہم ہوئیں گے بھائی

۱۰۶

رونے لگے یہ کہہ کے شہِ یثرب و بطحا
جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے منہ کو شہِ والا
سر ننگے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
لب خشک ہیں رخ گردِ یتیمی سے اٹا ہے
دُر بہتا ہے کرتے کا گریبان پھٹا ہے

۱۰۷

اس بچے کو گھبرا کے یہ شبیر پکارے
عباسؑ نے کی عرض کہ صدقے ہیں تمہارے
پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آتے ہو پیارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کی دیا تھا
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا

۱۰۸

سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہونچا
عباسؑ علیؑ کے تنِ مجروح سے لپٹا
ہر چند چھڑاتے تھے اسے سیدِ والا
لیکن نہ جدا ہوتا تھا بابا سے وہ بچہ
بھائی کا مرے ذکرِ وفا کرتی ہیں زہراؑ
سر کھولے ہوئے اسکو دعا کرتی ہیں زہراؑ

۱۰۹

ہاتھوں میں اٹھا لیتا ہوں میں دونوں کٹے ہاتھ
زخمی ہے ذرا اٹھیے تو اے قبلۂ حاجات
اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہ خوش اوقات
عباسؑ نے تب بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
پانی نہ ملا گھر میں نہیں جاؤں گا بیٹا
منہ اپنا سکینہ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا

۱۱۰

تم رو رو کے ہم کو نہ رلاؤ مرے دلبر
سمجھاؤ تو سر پیٹ کے رو دے گی جو مادر
گو میں نہیں شبیر سا آقا تو ہے سر پر
اور حال مرا پوچھے جو شبیرؑ کی دختر
جو گزری ہے مجھ پر وہ سنا دیجو بیٹا
تیروں سے چھدی مشک دکھا دیجو بیٹا

۱۱۱

یہ کہہ کے عجب درد سے عباسؑ نے کی آہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہ
جاں ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
ہم شکل پیمبر نے کیا نالۂ جانکاہ
مصروف بکا روح شہ عقدہ کشا تھی
لاشہ کے قریں گویا یہ زہراؑ کی صدا تھی

۱۱۲

خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقت گفتار
آقا تو مرا آپ سا ہو کل کا مددگار
کر عرض کہ یا حضرت عباسؑ علمدار
اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
خادم کا جو مطلب ہو وہ اب جلد روا ہو
تم عقدہ کشا ہو پسر عقدہ کشا ہو

سلام

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے — سلامی یہ محفل علیؑ کا چمن ہے
نہیں انگلیاں پانچ مصرعے ہیں گویا — مرے ہاتھ میں خمسۂ پنجتن ہے
سلامی یہ آل نبیؐ پر محن ہے — کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک رسن ہے
کھلا یہ دو رنگی سے برگ حنا کی — یہ رنگ حسینؑ اور وہ رنگ حسنؑ ہے
گریباں مرا چھوڑ اے حرص دنیا — مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے
یہ مٹی سے بیزار ہے جسم کب تک — کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے

قطعہ

کہا ماں نے اصغرؑ سے جاتے کہاں ہو — اشارا کیا قصد نہر لبن ہے
مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے — کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے
محل اک زمرد کا ہے رشک طوبیٰ — تو وہ دوسرا رشک لعل یمن ہے
کہا سرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں — دل اس وقت کچھ خود بہ خود نوحہ زن ہے
کہا جانب وحی عرش خدا نے — یوں ہی مرضی حضرت ذوالمنن ہے
کہ دل مختصر عرض ہے طول اس میں — یہ قصر حسینؑ اور وہ قصر حسنؑ ہے

صفیں توڑ کر رن میں گھستے تھے اکبرؑ مرا جدِ مرحوم خیبر شکن ہے
کہا حرؑ نے تیغیں نہ حضرت پہ کھینچو لعینو! یہ سید غریب الوطن ہے
گلے میں رسن جب بندھی بولے عابدؑ کہ ہم میں بھی مشکل کشا کا چلن ہے
اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا یہ کنبہ علیؑ کا اسیرِ محن ہے
سِرا جس کے بازو میں ہے ریسماں کا یہ زہراؑ کی بیٹی ہے شہ کی بہن ہے
منھ اپنا جو ہے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے یہی نامراد ایک شب کی دلہن ہے
کہا شہ نے قاتل سے زانو اٹھا لے کہ تیروں سے غربال سارا بدن ہے
نظر آیا مقتل تو عابدؑ پکارے یہ نعشِ امامِ غریب الوطن ہے
نہیں جسم پر ایک چادر کا سایہ نئی گردش اے آسمانِ کہن ہے
ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ روؤ رہِ حق میں راحت یہ رنج و محن ہے
یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے
نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا یہ غم ہے کہ زینبؑ اسیرِ محن ہے
انیسؔ اس قدر شورہ بختی کا شکوا یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

رباعی

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو
اے ابنِ علیؑ کے صدقے ہونے والو
اس اجرِ عظیم کو نہ کھو ہاتھوں سے
اب دو ہی شبیں اور ہیں رونے والو

رباعی

مارے گئے جو سب وہ لعیں دفن ہوئے
زہراؑ کے نہ ہائے نازنیں دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر تیسرے میں بعدِ اربعیں دفن ہوئے

رباعی

ہر دم ہے خیالِ عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں
نامے کی طرح خطا میں گذری سب عمر
بالوں میں سپیدی ہے سیاہی دل میں

رباعی

ایوانِ فلک خراب دیکھا ہم نے
فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہونچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر
دربارِ ابو تراب دیکھا ہم نے

مرثیہ ۱

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نور بصر کا داغ
دل کو فگار کرتا ہے لخت جگر کا داغ
مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھیے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے

۲

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبرؑ سا نونہال
لرزہ تھا جسم پاک میں خورشید کی مثال
فرزند فاطمہؑ کا کہوں کس زباں سے حال
چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

۳

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
مثل کماں خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

۴

ہر دم پکارتے تھے کہ اکبرؑ کدھر گئے
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر گئے
اے نور چشم بانوئے بے پر کدھر گئے
آواز دو شبیہ پیمبر کدھر گئے
اے میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
اے میرے چاند کون سے بادل میں چھپ گئے

۵

اکبرؑ ہماری آنکھوں میں اب تیور آتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کو نہیں تم کو پاتے ہیں
ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کیا جانیں اضطراب میں کس سمت جاتے ہیں
اکبرؑ سنبھال لو کہ نہایت ضعیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو تم ہم نحیف ہیں

۶

اے میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار
کھائے جگر پہ ظلم کے بھالے ترے نثار
اے باپ کے ضعیفی کے پالے ترے نثار
بابا کو پاس اپنے بلا لے ترے نثار
فرزند فاطمہؑ کی نحیفی پہ رحم کر
اے نوجواں پدر کی ضعیفی پہ رحم کر

۷

بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں
اہل ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں
بے کس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں
بولو پدر سے تشنہ دہانی کا واسطہ
صورت دکھاؤ اپنی جوانی کا واسطہ

۸

صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
ناشاد و نامراد ہی اس دہر سے چلے
باغ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
رو رو کے کیوں نہ دست تاسف پدر ملے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

۹

بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالق عالم گواہ ہے
اے نور عین باپ کی حالت تباہ ہے
جائیں کدھر کہ لشکر کیں سد راہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے

۱۰

جی چاہتا ہے پھر تمہیں اک بار دیکھ لیں
منہ پر لٹکتے گیسوئے خم دار دیکھ لیں
محبوب حق کا آخری دیدار دیکھ لیں
ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لیں
اکبرؑ گلے سے لپٹے تو بابا کو کل پڑے
اب ہے یقیں کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

۱۱

آئی کسی طرف سے نہ اکبرؑ کی جب صدا
سبط نبیؐ کے حال پہ اب رحم کی ہے جا
احمدؐ کو تب پکارے شہنشاہ کربلا
بتلاؤ کس طرف ہے مرا لعل مہ لقا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
اے فوج شام چاند ہمارا کدھر گیا

۱۲

اے ظالمو! کہاں ہے مرا نوجواں پسر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر
اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کدھر کدھر
یوسفؑ مرا مجھے کہیں آتا نہیں نظر
کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
کیا روئے خاک میرے قمر کو چھپا دیا

۱۳

تم سے کوئی صاحب اولاد یا نہیں
اس وقت ہوش سبط نبیؐ کے بجا نہیں
درد دل حسینؑ سے آگاہ کیا نہیں
یہ حال ہے کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں
اکبرؑ جو مل گئے تو ٹھہر جائے گا حسینؑ
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائے گا حسینؑ

۱۴

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سید امم
اک نوجواں کو آیا تھا با شوکت و حشم
حضرت کے نور چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزۂ ستم
دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اسے لے کر نکل گیا

۱۵

سچ ہے عجب حسین تھا وہ غیرت چمن
شیریں زباں شگفتہ مزاج اور کم سخن
سنبل سے گیسو پھول سا منہ چاند سا بدن
کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن
چرچے اسی کے حسن کے لشکر میں ہوتے ہیں
یاں کے بھی لوگ اسکی جوانی پہ روتے ہیں

۱۶

آغاز تھیں مسیں ابھی تھا عالم شباب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
گویا زمیں پہ چرخ سے اترا تھا آفتاب
غیرت یہ تھی کہ پینے کو ہم سے نہ مانگا آب
سوکھے تھے ہونٹ پیاس کی کچھ انتہا نہ تھی
لیکن طلب سے اسکی زباں آشنا نہ تھی

۱۷

برچھی ستم کی ہو گئی سینے کے وار پار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی کو نیزہ دار
رہوار سے جدا نہ ہوا پر وہ شہ سوار
برسا رہے تھے تیر کماندار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا تا غش زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

۱۸

برچھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگر
تلوار ایک ہاتھ میں اک ہاتھ میں سپر
مانند گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بہ تر
گہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اس کا رک گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے گھوڑے پہ جھک گیا

۱۹

چلائے شاہ دیں کہ وہی میرا لال تھا
آیا زوال اس پہ جو بدر کمال تھا
وہ یوسف حسینؑ عدیم المثال تھا
باغ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دل حسینؑ کو پہلے پہل ملا
برچھی سے اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

۲۰

ناسور اس الم سے کلیجے میں پڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا
میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر اجڑ گیا
سبط نبیؐ کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کرو پدر کو تو اس نور عین پر
تلوار لا کے پھیر دو حلق حسینؑ پر

۲۱

جنگل سے آئی اتنے میں اکبرؑ کی یہ صدا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشن بقا
اب جاں بہ لب ہوں آئیے یا شاہ کربلا
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خوں بھرا ہوا چہرہ ہے گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

۲۲

سن کر صدا پکارے شہنشاہ نامدار
دوڑے گئے جو لاش پہ نالان و بے قرار
ہم شکل مصطفیٰؐ تری آواز کے نثار
دیکھا کہ غش پڑا ہے زمیں پر وہ گل عذار
دیکھا لہو پسر کا تو دل تھرتھرا گیا
آنکھوں کے نیچے شہ کی اندھیرا سا آگیا

۲۳

لاشِ پسر سے دوڑ کے لپٹے امام پاک
چلاتے تھے کہ غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
کانپی زمیں تڑپ کے جو کی آہ دردناک
اے لال تیرے بعد ہے اس زندگی پہ خاک
میں دیکھتا ہوں پاؤں زمیں پر رگڑتے ہو
اٹھارہویں برس میں پدر سے بچھڑتے ہو

۲۴

تقدیر جب کہ تجھ سے جواں کو جدا کرے
دکھ میں کسی کو یوں نہ فلک مبتلا کرے
پھر یہ ضعیف باپ بھلا جی کے کیا کرے
اب جلد موت آئے ہماری خدا کرے
بدلے عصا کے ہاتھ میں بیٹے کا ہاتھ ہو
ہے آرزو جہاں سے سفر ہو تو ساتھ ہو

۲۵

اکبرؑ نے جب کہ غش میں سنی زاری پدر
زخم جگر دکھا کے کہا یوں بہ چشم تر
دیکھا لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
اب کوئی دم میں گلشن ہستی سے ہے سفر
اب والدہ سے تا بہ قیامت فراق ہے
مادر کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے

۲۶

شہ نے کہا کھڑی ہے وہ ڈیوڑھی پہ کھولے بال
فرزند کو جو لے کے چلا فاطمہؑ کا لال
آؤ میں لے چلوں تمہیں اے میرے نونہال
رستے ہی میں ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
چلائے شاہ دیں کہ جہاں سے گذر گئے
مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے

۲۷

ڈیوڑھی پہ لاش لائے پسر کی جو شاہ دیں
زینبؑ کو یوں پکارا وہ زہراؑ کا نازنیں
باہر نکل کے بیبیاں ننگے سر پیٹنے لگیں
دوڑو بہن کہ قتل ہوا اکبرؑ حزیں
دولہا بنے ہیں خون کی مہندی لگائے ہیں
سہرا تمہیں دکھانے کو مقتل سے آئے ہیں

۲۸
خیمہ میں ہائے ہائے کا اک غل ہوا بپا
ہاتھوں سے کوکھ پیٹتے ہوئے ماں بہ صد بکا
نکلی درِ خیام سے زینبؑ برہنہ پا
چلاتی تھی ارے مرے بچے کو کیا ہوا
کس کا جواں پسر تھا جو بابا سے چھٹ گیا
یہ کس کی کوکھ اجڑ گئی گھر کس کا لٹ گیا

۲۹
خیمے میں لا کے شہ نے لٹائی پسر کی لاش
اس نوجواں پسر کی جو بانو نے پائی لاش
غل پڑ گیا کہ اکبرؑ غازی کی آئی لاش
پھیلا کے ہاتھ چھاتی سے جلدی لگائی لاش
کہتی تھی ماں نثار ہو آنکھیں تو وا کرو
ان خوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو

۳۰
اماں نثار کس کی نظر تجھ کو کھا گئی
جنت کے بوستاں کی فضا تجھ کو بھا گئی
اٹھارہویں برس میں تجھے موت آ گئی
یاں سے سواری جانبِ ملکِ بقا گئی
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنت میں جا بسے مری بستی اجاڑ کے

۳۱
میری امید کچھ نہ بر آئی ہزار حیف
چھاتی پہ برچھی ظلم کی کھائی ہزار حیف
تم نے دلھن نہ مجھ کو دکھائی ہزار حیف
پانی کی ایک بوند نہ پائی ہزار حیف
بابا پہ صدقے ہو گئے ایذا قبول کی
اب تک ہے ہونٹھ میں انگوٹھی رسول کی

۳۲
بابا کے سامنے تمھیں مرنے کی تھی ہوس
دی جان تم نے پانی کی خاطر ترس ترس
نے کچھ پھوپھی کا زور چلا اور نہ میرا بس
ہے ہے یہ کیسا آیا تھا اٹھارواں برس
بے جان کس نے کر دیا بانو کی جان کو
کس کی نظر لگی مرے کڑیل جوان کو

۳۳
اے لال تجھ پہ کیسی مصیبت گزر گئی
اڑ اڑ کے ریت نرگسی آنکھوں میں بھر گئی
وہ حسن کیا ہوا وہ جوانی کدھر گئی
اکبر تمھاری پالنے والی نہ مر گئی
چین آئے گا نہ دن کو نہ راتوں کو سوؤں گی
جب تک جیوں گی تیری جوانی کو روؤں گی

۳۴
ہے ہے نہ تیرا بیاہ رچانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب
ہے ہے دلھن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
شادی کے بدلے خاک اڑانا ہوا نصیب
ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

۳۵
باتیں تمھارے بیاہ کی جب لوگ لاتے تھے
سن کر دلھن کا ذکر نہ آنکھیں اٹھاتے تھے
بہنیں بلاتی تھیں تو نہ تم پاس آتے تھے
کیا مسکرا کے شرم سے گردن جھکاتے تھے
بن بیاہے اٹھ گئے مرے پیارے جہان سے
ناشاد و نامراد سدھارے جہان سے

۳۶
ہنس ہنس کے ماں یہ اب کسے دولھا بنائے گی
اب سالی کس کے ہاتھ میں مہندی لگائے گی
واری جواب دو دلھن اب کس کی آئے گی
ماں بیاہنے کو دھوم سے اب کس کی جائے گی
بستی مری اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں کی گھر تو عزا خانہ ہو گیا

۲۷

یہ بین کر کے غش ہوئی بانوئے نیک نام
لاشِ پسر کو لے گئے مقتل میں پھر امام
اٹھ اٹھ کے پیٹنے لگیں سب بیبیاں تمام
بس اے انیسؔ آگے نہیں طاقتِ کلام
کس کو جوانیِ علی اکبرؑ کا غم نہیں
گو بند خنجر ہیں پہ رونے کو کم نہیں

سلام

شبیرِ امامِ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
زمیں پر شہِ دیں نشاں کھینچتے ہیں

بہت ہم کو پیسا ہے اک دن تجھے بھی
شکنجہ میں اے آسماں کھینچتے ہیں

قریب سر کے ہے آفتابِ قیامت
لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک
مجھے کس لیے قدرداں کھینچتے ہیں

دکھادوں زمینِ نجف کی بلندی
بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

قطعہ

تپِ غم کی شدت سے کہتے تھے عابدؑ
عجب سختیاں استخواں کھینچتے ہیں

سبکباریِ اُمتِ جد کی خاطر
ضعیفی میں بارِ گراں کھینچتے ہیں

زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن
وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیے ہیں
عبث ہاتھ اہلِ جہاں کھینچتے ہیں

جھکاتے ہیں سر آستانِ علیؑ پر
سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں

نکلیو نہ بدلی سے اے برقِ خاطف
حسینؑ آہِ آتش فشاں کھینچتے ہیں

عبث ہے عدو در پئے قتلِ اصغرؑ
یہ ایذا کہیں بے زباں کھینچتے ہیں

وہ ہیں پہلواں ہم جو قوت دکھائیں
فلک پر سپر کہکشاں کھینچتے ہیں

چڑھے ہیں جوانوں کے زوروں پہ بازو
یہ کم زور آڑی کماں کھینچتے ہیں

عجب کیا جو حاسد کا دل ہو نشانہ
کہ ہم رستمانہ کماں کھینچتے ہیں

غمِ شہ میں سرگرم ہیں اربعیں تک
یہ چلّا نہیں اے کماں کھینچتے ہیں

سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی
تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

قطعہ

زمیں دار سیراب ہیں کربلا کے — اذیت امام زماں کھنچتے ہیں
ادھر خشک ہے فاطمہؑ کی زراعت — وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھنچتے ہیں
ہوا لگنے دیتی نہ تھی جن کو بلبل — وہی گل جفائے خزاں کھنچتے ہیں

قطعہ

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابدؑ — یہ لنگر کہیں ناتواں کھنچتے ہیں
پیادہ گئے شام تک اس روش سے — شتر جس طرح سارباں کھنچتے ہیں
پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت — گلاب گل ارغواں کھنچتے ہیں
نہ ہوگی صفت خال رخسار شہ کی — یہ خفت عبث نکتہ داں کھنچتے ہیں
کہا حُر سے شہ نے گناہوں پہ تیرے — خط عفو اے مہرباں کھنچتے ہیں
انھیں کے لئے ہے زمانے کی تلخی — بڑے رنج شیریں زباں کھنچتے ہیں
عجب حال ہے دختر فاطمہؑ کا — ردا سر سے ایذا رساں کھنچتے ہیں
پکاری سکینہؑ دُہائی ہے بابا — ستمگر مری بالیاں کھنچتے ہیں
کٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی — رسن کو جو ایذا رساں کھنچتے ہیں
یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی زہرا — کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھنچتے ہیں
کہا شہ نے ہشیار اے قوم ناری — ہم اب تیغ آتش فشاں کھنچتے ہیں
بہت باغ دنیا کے کانٹوں سے اُلجھے — بس اب رخت سوئے جناں کھنچتے ہیں
قدم بیڑیوں میں ہیں رسّی میں بازو — یہ دکھ عابدِ ناتواں کھنچتے ہیں
جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت — وہ تصویر رنگیں بیاں کھنچتے ہیں
لکھیں کس طرح ناتوانی عابدؑ — جو بیتیں پئے امتحاں کھنچتے ہیں
قلم یوں ہے کاغذ پہ تھم تھم کے چلتا — قدم جس طرح ناتواں کھنچتے ہیں
کہا رو کے اکبرؑ نے اے درد تھم جا — کلیجے سے بابا سناں کھنچتے ہیں

انیس اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت — کمیت قلم کی عناں کھنچتے ہیں

مطلع

جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
سقائے اہلِ بیتِ نبیؐ غرقِ خوں ہوا
اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسینؑ کا

۲

یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو
جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
پھولا پھلا اجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسینؑ سے

۳

طاقت تھی جس سے شہ کو سفر کر گیا وہ شیر
پیاسا جہاں سے لبِ کوثر گیا وہ شیر
جس سے مزا حیات کا تھا مر گیا وہ شیر
سقائی کر کے خون میں خود بھر گیا وہ شیر
خم آ گیا کمر میں شہِ خوش خصال کی
تصویر مٹ گئی اسدِ ذوالجلال کی

۴

لشکر میں شادیاں تھیں ادھر غم تھا اس طرف
امید ادھر تھی یاس کا عالم تھا اس طرف
ساماں وہاں تھا جشن کا ماتم تھا اس طرف
اعدا میں عید تھی تو محرم تھا اس طرف
کمریں کسے ہوئے تھا زمانہ جدال پر
کیا وقت پڑ گیا تھا محمدؐ کی آل پر

۵

مرنا جوان بھائی کا اور اس پہ یہ ستم
اعدا صفیں جمائے ہوئے جنگ پر بہم
پرسا نہ دلدہی نہ تشفی نہ دردِ غم
سنتے تھے سوگواروں کے رونے پہ دم بہ دم
نرغے میں ان کے سبطِ رسالت پناہ تھا
مشرب میں جن کے پانی کا دینا گناہ تھا

۶

نے پاس انھیں نبیؐ کا نہ مطلق خدا کا ڈر
باتوں میں زور دل میں بدی طینتوں میں شر
قرآں سے بے وقوف حدیثوں سے بے خبر
بدکار و بد خصال و بد افعال و بد گہر
پیدا تھا کفر شرم و حیا ناپدید تھی
سادات ذبح ہوتے تھے اور ان کو عید تھی

۷

کیسے وہ کلمہ گو تھے تعجب کا ہے مقام
اسلام گر یہی ہے تو اسلام کو سلام
کافر بھی لیتے ہیں تو کراہت سے ان کا نام
کھل جائے گی کھنچے گی جو کل تیغِ انتقام
کس جا چھپیں گے روزِ عدالت ضرور ہے
ہم دور ہیں نہ وہ نہ قیامت ہی دور ہے

۸

یا منتقم ظہورِ امانِ زماں دکھا
آنکھیں ہیں منتظر رخِ آرامِ جاں دکھا
اب دم لبوں پہ ہے درِ امن و اماں دکھا
پھر برقِ ذوالفقار کو آتش فشاں دکھا
دشمن رہے نہ ایک شہِ مشرقین کا
اُس دن غلام سوگ اُتاریں حسینؑ کا

۹

اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارہواں ہو سال
ہوتی ہے کیسی الفت فرزند خوش خصال
کیا ہوگا نورِ چشمِ رسولِ خدا کا حال
ماں باپ کے لیے تو اجل کا پیام ہے
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہے

۱۰

بھائی وہ مر چکا ہے کہ تھا جس کے دم سے گھر
اب طالبِ رضائے وغا ہے جواں پسر
سیدھی نہیں ہوئی ابھی ٹوٹی ہوئی کمر
ٹکڑوں میں برچھیوں کی ہے شبیر کا جگر
پیری میں اس جواں کو بھی کھو دوں تو کیا کروں
کیوں ضبط ہو جو نہ رو دوں تو کیا کروں

۱۱

قابو نہ ہے جگر پہ نہ ہے دل پہ اختیار
ماں باپ سے پسر کو چھڑائے نہ کردگار
یہ مرحلہ وہ ہے کہ ہیں صابر بھی بے قرار
زخمِ سناں و تیغ گوارا یہ ناگوار
راحت ہے گر گلوئے پدر پر چھری چلے
جو ہو سو ہو مگر نہ جگر پر چھری چلے

۱۲

ڈھاتا ہے ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نورِ عین
فرماتے ہیں کہ سنتے ہو سیدانیوں کے بین
بچے کو تکتے تکتے ہیں منہ پھیر کر حسینؑ
عباسؑ کے الم میں بپا ہے شور و شین
بھائی جہاں سے جانبِ خلدِ بریں گئے
پرسے کو بھی چچی کے تم اب تک نہیں گئے

۱۳

بے کس پھوپھی کو گھر میں تمہارا ہے انتظار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تم کو بار بار
دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں ایک دم قرار
دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو ہیں نثار
ہم کوئی دم میں آبِ دمِ تیغ پیتے ہیں
یہ چند دم تمہارے بھروسے پہ جیتے ہیں

۱۴

اصغرؑ کو دیکھو ماں ہے بے کس کی لو خبر
رانڈوں کے تم پسر ہو یتیموں کے تم پدر
سمجھاؤ بیبیوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
گھر تھامتے ہیں باپ کا ذی مرتبہ پسر
کس کو یہ داغ پیرِ فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

۱۵

تم سے بھی کم تھے عمر میں جب ہم ہوئے یتیم
ہم دونوں بھائیوں کے جگر غم سے تھے دو نیم
ماں بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفتِ عظیم
پر ہر بلا میں حافظ و حامی ربِ کریم
رانڈوں کو یہ الم ہے کہ منہ موڑے جاتے ہیں
ہم تو جہاں میں تم سا پسر چھوڑے جاتے ہیں

۱۶

کنبے کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
جرار بردبار دلاور سخی غیور
یوسفؑ جمال صاحبِ توقیر ذی شعور
آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خرد و کلاں کو اجرِ زیارت حصول ہیں
تم ہو تو اہلِ بیت میں گویا رسولؐ ہیں

۱۷

نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی
تھی سب کو آرزو رخِ روشن کے دید کی
پیدا ہے نورِ رخ سے ضیا صبحِ عید کی
تصویر ہو رسولِ خدائے مجید کی
کیونکر جدا نگاہ سے جیا کریں تمہیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمہیں

۱۸

راحت کے دن ہیں آمدِ فصلِ شباب ہے
اٹھارہ ہوئے برس کا بھلا کیا حساب ہے
پہلا ابھی کتابِ جوانی کا باب ہے
بے حاشیہ ابھی ورقِ آفتاب ہے
نقطے ہیں خال کے خطِ عنبر فشاں نہیں
بابا نثار ہو ابھی پورے جواں نہیں

۱۹

اکبر تمھاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ
ہوتے جو لوگ احمدِ مرسل کے خیر خواہ
اس حسن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ
تم کو سمجھتے ثانیٔ پیغمبرِ الٰہ
آنکھوں پہ رکھتے فخر سے نعلین پاک کو
اکسیر جانتے انھیں قدموں کی خاک کو

۲۰

جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہے ہوس
بچھڑیں گے تم سے گر ہے تو صدمہ یہی ہے بس
ہے دل کو شوق آبِ دمِ تیغ ہر نفس
جیتے تو کرتے بیاہ تمھارا اسی برس
دولھا بنا کے شان شہانی بھی دیکھتے
طفلی کو دیکھی حسن جوانی بھی دیکھتے

۲۱

پھولو پھلو کہ زینتِ باغِ جہاں ہو تم
شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم
آخر ہے عمر پیر ہیں ہم نوجواں ہو تم
مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
گر ہم نہیں تو خانۂ زہرا میں تم رہو
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو

۲۲

اکبر کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
فرزند ارجمند ہیں سجاد نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
اس امر سے فدوی کو بھی شرمندگی نہیں
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں

۲۳

بندے ہزار ہم سے نثارِ سرِ حضور
روشن ہے جو جہاں اسی دم کا ہے سب ظہور
دنیا ہو اور آپ ہوں اے کبریا کے نور
ذرہ ہر اک ہے نورِ قدم سے چراغِ طور
حاجت روائے خلق شہِ دیں کی ذات ہے
دنیا میں آفتاب نہ جب ہو تو رات ہے

۲۴

رونق زمیں کی ہے کہ امامِ زماں ہیں آپ
بحرِ جہاں میں باعثِ امن و اماں ہیں آپ
سایہ ہے جس کا عرش پہ وہ آسماں ہیں آپ
شیرازۂ صحیفۂ کون و مکاں ہیں آپ
فدوی کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
کیوں کر بچے جہاز اگر ناخدا نہ ہو

۲۵

افضل ہے کون سبطِ رسالت مآب سے
سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے
دنیا میں ہے تو یہ برکت ہے جناب سے
ذروں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے
چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہاں رہیں
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں رہیں

۲۶

دم سے حضور کے ہے غلاموں کی ہست و بود
اے چشمۂ عطا و کرم بحرِ فیض و جود
مولا ہیں اس جہاں میں درِ رحمتِ ودود
دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
سب خلق شاہِ دیں سے طلبگارِ عون ہے
جب نوح غرقِ خوں ہو تو کشتی کا کون ہے

۲۷

پھر زیست کیا مری وہ جو بعد آپ کے جیے
غیروں نے آج پائے مبارک پہ سر دیے
کھائے غم اور خونِ جگر عمر بھر پیے
بچپن سے ہم نے باندھی ہے تلوار کس لیے
اب بخت کا خاتمہ ہے کوئی آن میں
پھر بھی یہ معرکہ کبھی ہوگا جہان میں

۲۸

سب بھائی بند قتل ہوئے رن میں تشنہ لب
خادم کو بھی سعادتِ عقبیٰ کی ہے طلب
حضرت مجھے بچاتے ہیں کیوں اس کا کیا سبب
دیجے رضا جہاد کی بہرِ رسولِ رب
کہیئے نہ یہ کہ ساتھ نہ دو تشنہ کام کا
منہ سے نکل پڑے گا کلیجہ غلام کا

۲۹

سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
سیراب ہونے دیجے شہادت کے جام سے
زندہ رہی ہے پہلے مرے جو امام سے
آقا یہ بوجھ اٹھ نہ سکے گا غلام سے
دیکھے گا کون لوٹتے فوجیں جو آئیں گی
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائیں گی

۳۰

عابدؑ خدا کے فضل سے ہیں صابروں میں فرد
سہہ لیں گے وہ یتیمی و غربت میں گرم و سرد
مظلوم و بردبار غم آگیں و اہلِ درد
ہم اور کام کے نہیں لائق بجز نبرد
وہ آلِ مصطفیٰ کا مدار المہام ہو
جو ہو پسر امام کا خود بھی امام ہو

۳۱

خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سرخ رو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگ جو
پھر کس کو منہ دکھاؤں گا یا شاہِ نیک خو
غصے سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

۳۲

طے ہو یہ مرحلہ جو کریں پرورش حضور
کوشش میں اس طرف سے تو مطلق نہیں قصور
خلدِ بریں بعید نہ باغِ ارم ہے دور
اے آفتاب ذرہ نوازی ہے اب ضرور
نے زندگی نہ جاہ و حشم چاہتا ہوں میں
آقا کی اک نگاہِ کرم چاہتا ہوں میں

۳۳

ماں کا پھوپھی کا پیار ہے اب حق میں مرے زہر
آبِ فرات کی نہیں اب تشنگی میں لہر
امداد کا مقام ہے اب یا امامِ دہر
جنت میں شہد و شیر کی خالق دکھائے نہر
مٹی ملے تو سبطِ پیمبر کے ہاتھ سے
پانی پیوں تو ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے

۳۴

دیکھے رضائے حرب کہ مرتا ہے اب غلام
چپ ہو رہیں گی سن کے پھوپھی آپ کے کلام
خیمے میں چلیے لے کے مجھے یا شہِ انام
بن جائے گا زباں کے ہلانے میں میرا کام
مانے گا وہ ادب سے کہ صابر ہے اہل ہے
مشکل کشا کے لال کو ہر امر سہل ہے

۳۵

بولے بہا کے اشک شہنشاہِ نامور
سچ ہے بھلا تمھیں مرے دل کی ہے کیا خبر
مرنے کی تم کو ماں سے دلا دے رضا پدر
پوچھو یہ اُس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
اس معرکے سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں
بیٹا ہمارے حق بطرف ہے کہ باپ ہیں

۳۶

کھوتا ہے اس کو کوئی بڑھاپے کی ہو جو آس
صابر وہ ہر بلا میں ہیں جو ہیں خدا شناس
ہم میں تو بات کرنے کے مطلق نہیں حواس
اچھا یہی خوشی ہے تو جاؤ پھوپھی کے پاس
مشہورِ خلق بیٹے کا اور ماں کا پیار ہے
طے ہو یہ مرحلہ بھی تو پھر اختیار ہے

۳۷

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے فرزند نیک نام
تنہا یہاں نہ چھوڑے گا حضرت کو یہ غلام
خیمے میں چلیے ساتھ مرے یا شہ انام
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
گر گئے ہو رحم حال پہ مظلوم باپ کے
پھر کون ساتھ دے گا مرا بعد آپ کے

۳۸

فرما کے یہ چلے طرف خیمہ شاہ دیں
پہونچا قریب در جو محمد کا نازنیں
گردن جھکائے ساتھ تھا فرزند مہ جبیں
تھم کر سنا تو کہتی ہیں یہ زینبؑ حزیں
لوگو بلاؤ اکبرؑ یوسفؑ جمال کو
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو

۳۹

بنت علیؑ کے پاس ہے بانو بھی بے حواس
زینب سے عرض کرتی ہے رو کر وہ حق شناس
بیٹے میں جان پیاس سے لب خشک جی اداس
اٹھتے نہ ہوں گے اکبرؑ مہ رو پدر کے پاس
کہتی ہیں چین اب مجھے دم بھر نہ آئے گا
نکلوں گی خود اگر علیؑ اکبرؑ نہ آئے گا

۴۰

فضہ نکل کے خیمے سے باہر خبر تو لا
سنتی ہوں میں کہ شاہ سے ہیں طالب رضا
آنے میں دیر کیوں ہوئی یہ ماجرا ہے کیا
پوچھیں تو کہیو نزع میں ہے بنت مرتضیٰؑ
چلیے نہیں پھوپھی کو نہ پھر پائیے گا آپ
جب دم نکل چکے تو چلے آئیے گا آپ

۴۱

بیٹے سے مڑ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
نازک ہے عورتوں کا دل اے غیرت قمر
کیوں گفتگو پھوپھی کی سنی تم نے اے پسر
مانگی ابھی رضا نہیں اور پیٹتی ہیں سر
ان کو ہے اور فکر نہیں کچھ خیال ہے
رخصت نہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ حال ہے

۴۲

آساں اسے سمجھتے ہو تم اے پدر کی جان
تلوار سے گرے گا جو یہ غم کا آسمان
اظہار ماں سے مرنے کی رخصت کا الاماں
کیوں کر جیے گی زینبؑ ناشاد و ناتواں
تم زندگی ہو دختر شیر اللہ کی
کیسی رضا وہاں تو دعائیں ہیں بیاہ کی

۴۳

ہم کو نہ ساتھ لے کے چلو بہر کردگار
پردہ اٹھا کے شہ سے یہ بولا وہ ذی وقار
اچھا نہیں نظر نہیں آتا مآل کار
چلیے تو آپ خیمے میں یا شاہ نامدار
مشکل ہو جب تو عقدہ کشا ساتھ چاہیے
دامان ابن فاطمہؑ پہ ہاتھ چاہیے

۴۴

زینبؑ جو بے حواس کھڑی تھیں قریب در
جلدی بلائیں لے کے پکاری وہ نوحہ گر
اکبر پکارو لے پاک انھیں آ گیا نظر
صدقے پھوپھی اس آنے کے اے غیرت قمر
خوشبو مہک رہی ہے رسالت مآب کی
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی

۴۵

اکبرؑ نے کی یہ عرض کہ حاضر ہوا غلام
مژدہ سنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام
حضرت کو لے کے آیا ہوں اے آسماں مقام
آنکھوں پہ فرق پہ قدم قبلۂ انام
رونا مرا سنا ہے تو گھبرا کے آئے ہو
صدقے میں ہوں کہ تم مرے بھائی کو لائے ہو

۴۶

ڈیوڑھی میں آئے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
شوقِ لقائے شہ میں بڑھی زینبِ حزیں
تھامے تھا ہاتھ باپ کا فرزندِ مہ جبیں
بھائی کے گرد پھر کے پسر کی بلائیں لیں
سوزش نہ وہ رہی جگر و دل کے داغ میں
گویا بہار آ گئی پژمردہ باغ میں

۴۷

بیت الشرف میں آئے جو شبیرِ خوش خصال
بڑھ کر پھوپھی سے بولے یہ اکبرؑ بہ صد ملال
رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
چلئے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
سب گھر نثارِ حضرتِ شبیر کیجئے
لٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجئے

۴۸

بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جان
آہستہ ان سے رو کے یہ بولا وہ نوجوان
گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے منہ کو ماں
رن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہِ زماں
میں پاؤں پر گرا ہوں جو تشریف لائے ہیں
گھر میں جبھی آخری رخصت کو آئے ہیں

۴۹

غربت میں جو مریں گے شہنشاہِ بحر و بر
اس وقت کس سے میں کہوں دردِ دل و جگر
پھر کون سر پرست ہے کس سے بسے گا گھر
مانگو دعا کہ باپ سے پہلے مرے پسر
اٹھ جاؤں میں جہان سے بابا کے سامنے
میرا گلا کٹے شہِ والا کے سامنے

۵۰

اماں قیامت آئی ہے جاتی ہے آبرو
جل بن سپاہِ زر کا اُدھر غل ہے چار سو
اک جان بابا جان کی اور سیکڑوں عدو
دیکھو نہ اب رکیں گے شہنشاہِ نیک خو
کفار لوٹ لیں گے محمدؐ کی آل کو
روکو خدا کے واسطے زہراؑ کے لال کو

۵۱

دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہِ حق شناس
کہئے امید کس سے رکھیں اور کس سے آس
کہتا ہوں صاف میں کہ فقط آپ کا ہے پاس
ہم کو تو اب حصولِ سعادت کا بھی ہے یاس
حق بھی ادا ہوا نہ شہِ خوش خصال کے
خوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے

۵۲

حضرت کے پیار کی ہے بدولت یہ رنج و غم
ہے اب نفس کی آمد و شد خنجرِ دو دم
گھر بھی چھٹا پدر سے کہیں کے رہے نہ ہم
مر جاؤں گا ابھی قدمِ پاک کی قسم
کیا لطفِ زیست وقت جو رخصت کا ٹل گیا
بابا ادھر گئے کہ ادھر دم نکل گیا

۵۳

مرتے جو سر کٹا کے تو ہوتا ہمارا نام
جو دونوں صاحبوں کی رضا کیا کرے غلام
خیر اب تڑپ کے خاک پہ ہو جائیں گے تمام
لیکن جگہ ہے صبر کی ہمت کا ہے مقام
آساں ہے جبر دل پہ اگر اختیار ہو
وہ کیجئے کہ فاطمہؑ سے آنکھ چار ہو

۵۴

اماں ہیں کوئی دم کے شہنشاہِ بحر و بر
صدقے کئے پھوپھی نے تو حضرت پہ دو پسر
رخصت کو گھر میں آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
اماں جگہ حجاب کی ہے سوچئے اگر
بیٹوں میں کس کو سبطِ نبیؐ پہ فدا کیا
بتلائیے کہ آپ نے زہراؑ سے کیا کیا

۵۵

ہوتا ہے معرکہ میں محبت کا امتحان
بے جاں ہوئے جو دشمنِ سردارِ انس و جان
اب گھر میں کس کے پاس ہے فرزندِ نوجوان
چرچا یہی کریں گی وفادار بیبیاں
گھر اپنا فاطمہؑ کی بہو نے ڈبو دیا
فرزند کو بچا لیا وارث کو کھو دیا

۵۶

چھاتی پہ رکھیئے صبر کی سِل بہرِ کردگار
کہیئے کہ آپ کرتے ہیں کیوں اب یہ کارِ زار
لے چلیے مجھ کو پیشِ شہنشاہِ نامدار
حاضر ہے صدقے ہونے کو آقا پہ جاں نثار
کام اس سے کیا زباں کو جو باتیں رکیک ہوں
لیکن یہ شرط ہے کہ پھوپھی بھی شریک ہوں

۵۷

زہراؑ کے بعد قافلہ سالار ہیں یہی
کہنے کو سب ہیں پر مری مختار ہیں یہی
ہاں رتبہ دانِ سیدِ ابرار ہیں یہی
ماں ہیں یہی پھوپھی یہی غمخوار ہیں یہی
ارشاد یہ کریں تو نثارِ امام ہوں
بیٹا ہوں آپ کا مگر ان کا غلام ہوں

۵۸

کانپا یہ سن کے بانوئے ناشاد کا جگر
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے بولی وہ نوحہ گر
کی بنتِ فاطمہؑ کی طرف یاس سے نظر
ہے ہے یہ کیا کریں کہ مصیبت میں ہے پدر
بے جا ہلاک کوئی بھی کرتا ہے آپ کو
کس طرح چھوڑے زغۂ اعدا میں باپ کو

۵۹

یہ ذکر تھا ادھر کہ پکارے امامِ دیں
آ پہونچے متصلِ درِ خیمہ کے اہلِ کیں
لو الوداع اے حرمِ ختمِ مرسلیں
لے آؤ جامۂ کہن اے زینبؑ حزیں
رخصت کو آئے جو مرے نازوں کے پالے ہیں
اکبرؑ کو روکیو یہ تمہارے حوالے ہیں

۶۰

اکبرؑ پھوپھی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب
دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہلِ بیت سب
لو آفت آئی گھر پہ چلے شاہِ تشنہ لب
بانو گری تڑپ کے قدم پر بہ صد تعب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہِ کربلائی کے
زینبؑ نے سر جھکا لیا سینے پہ بھائی کے

۶۱

شانے پہ منہ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن
اماں کی تم سے بو مجھے آتی ہے اے بہن
آقا ابھی تو زندہ ہے اکبرؑ سا صف شکن
دکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں
آپ ان کے ہوتے کس لئے میداں میں جاتے ہیں

۶۲

میں آپ پر نثار بہن آپ پر فدا
حضرت نہ ہوں گے جب تو جیے گا یہ مہ لقا
ہیں صدقے جاؤں کیوں انھیں دیتے نہیں رضا
کنبے کو کھو کے گر یہ اکیلے رہے تو کیا
پھر ماں کہاں چھٹے جو یہ قدموں سے باپ کے
پیارا انہیں وہی ہے جو کام آئے آپ کے

۶۳

شہ نے کہا بہن مجھے اس کا نہیں خیال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہیں سب نہال
ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گل ہو نہ پائمال
شادی کے دن ہیں اس غریب الوطن کی ہے
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

۶۴

بولی یہ عندلیب چمن پرور بتول
طرہ وہی ہے سب پہ میسر چڑھے جو پھول
اے نخل باغ فیض و گل گلشن رسول
داغ گل ریاض تمنا ہے دل قبول
شادی صدا نہیں چمن روزگار میں
روئے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

۶۵

کیجے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال
صدقے گل ریاض نبی پر ہزار لال
بھائی پہ آ بنی تو بھتیجے کا کیا ملال
ان کو بھی صدقے ہونے کی ہے آرزو کمال
ہاں دل تو چاہتا ہے کہ دم بھر جدا نہ ہوں
کام آئے غیر جب تو یہ کیوں کر فدا نہ ہوں

۶۶

گر گر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجوان
بس اب رضا جہاد کی دیں قبلۂ زماں
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں
کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خوں گھٹ گیا امام زماں زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

۶۷

اکبر پھرے جو گرد قدم سے اٹھا کے سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے نور عین اے سبب قوت جگر
کیا اپنا زور خیر جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہو گئی جو توقع تھی آپ سے
اٹھارہویں برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

۶۸

نقصان کون سا ہے جو مرتے پدر کے ساتھ
ہوتا سناں پہ چاند سا سر میرے سر کے ساتھ
افسوس زخمی ہو گیا دل بھی جگر کے ساتھ
زینبؑ ہماری جان چلی اس پسر کے ساتھ
کنبے کی جان آنکھوں کا تارا یہی تو تھا
بابا کی زندگی کا سہارا یہی تو تھا

۶۹

تم سے بھی رک سکا نہ یہ دلبر ہزار حیف
کچھ کر سکی نہ بانوئے بے پر ہزار حیف
خالی ہوا بس آج بھرا گھر ہزار حیف
لو صاحبو چلے علی اکبرؑ ہزار حیف
یہ آفتاب اب کوئی دم میں غروب ہے
دولھا بنا کے مرنے کو بھیجو تو خوب ہے

۷۰

خلعت پنہایا ماں نے وہ کپڑے اتار کے
رکھا عمامہ فرق پہ زلفیں سنوار کے
زینبؑ پکاریں ہاتھوں کو چھاتی پہ مار کے
سہرا بھی باندھو سر پہ مرے گلعذار کے
بولا پسر کہ عزم ہے اب رزمگاہ کا
اماں کفن پنہاؤ یہ خلعت ہے بیاہ کا

۷۱

بجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاح جنگ
رکھا جو خود سرخ ہوا اور رخ کا رنگ
پہنی زرہ تو دل کو دعا کی ہوئی امنگ
تن کر چلے لپٹ گئی بر سے قبائے تنگ
بڑھ کر جھکے جو قبلۂ دیں کے سلام کو
تڑپا دل اس طرح کہ غش آیا امام کو

۷۲

غل پڑ گیا کہ خلق سے اکبرؑ کا کوچ ہے
لو روشنی چلی مہ انور کا کوچ ہے
لٹتا ہے گھر شبیہ پیمبرؐ کا کوچ ہے
گلزار مرتضیٰؑ کے گل تر کا کوچ ہے
اس کربلا میں کون سی کرب و بلا نہیں
کٹتا ہے وہ نہال جو پھولا پھلا نہیں

۷۳

چلتے سے رہیوں کے جو نکلا وہ آفتاب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب
ہمراہ تھے پسر کے امام فلک جناب
گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے

۷۴

نقرا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰؑ ہیں آپ
ہم صورت جناب رسولِ خدا ہیں آپ
کعبہ ہیں آپ یا شہِ دیں رہنما ہیں آپ
شہ نے کہا مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ
الفت نہیں یہ پاس رسالت مآب ہے
ایسے سعید لعل کی خدمت ثواب ہے

۷۵

صدقے میں اس لحاظ کے اے رتبہ داں مرے
مہ رو مرے حسین مرے شیر ژیاں مرے
عاشق مرے شفیق مرے مہرباں مرے
پیری میں باپ کیا کرے اے نوجواں مرے
طاقت تھی جس سے دل کو وہ دولت بچھڑ گئی
میں تو یہ جانتا ہوں کہ دنیا اُجڑ گئی

۷۶

آتے ہیں ہم بھی خیر سدھارو سفر کرو
تینوں میں آفتاب سا سینہ سپر کرو
اچھا بساؤ دشت کو ویران گھر کرو
پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا منہ ادھر کرو
اک جا رہے یہ غنچۂ خاطر کھلے نہیں
مدت گذر گئی کہ گلے سے ملے نہیں

۷۷

کیوں کر دھواں اٹھے نہ جگر سے ہزار حیف
پانی کو اس شباب میں ترسے ہزار حیف
خدمت بھی کچھ ہوئی نہ پدر سے ہزار حیف
پیاسے چلیں حسینؑ کے گھر سے ہزار حیف
گو نہر تھی قریب مگر دسترس نہ تھا
تم خوب جانتے ہو کہ بابا کا بس نہ تھا

۷۸

کوثر پہ جا کے کہیو علیؑ سے ہمارا حال
کٹ جائے میرا حلق کہ لاشہ ہو پائمال
لال آپ کا بلا میں ہے یا شیرِ ذوالجلال
حضرت کو اپنی بیٹیوں کا چاہیئے خیال
ان کے قدم تھمیں جو کوئی دستگیر ہو
ایسا نہ ہو کہ دخترِ زہراؑ اسیر ہو

۷۹

یہ کہہ کے خود سوار کیا نورِ عین کو
روتا اس آفتاب نے چھوڑا حسینؑ کو
کس صبر سے ادا کیا خالق کے دین کو
روشن ضیائے رُخ نے کیا مشرقین کو
قدسی درود پڑھتے تھے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلی تھی طور پر

۸۰

وہ شوخیاں سمند فلک سیر کی وہ چال
مرکب جو بے عدیل تو راکب بھی بے مثال
بجلی دماں کہیں، کہیں ضیغم، کہیں غزال
رعب و نہیب و دبدبۂ و سطوت و جلال
بجلی کی زرق برق تھی سازِ دیراق پر
غل تھا چڑھے ہیں احمد مرسل براق پر

۸۱

پھیلی ہوئی تھی دشت میں زلفِ رسا کی بو
غل تھا یہ بو ہے سلسلۂ مصطفیٰؐ کی بو
کچھ بو تھی گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بو
منتی ہے اس کے سامنے مشک خطا کی بو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے
دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

۸۲

صدقے ہے عود عنبر سارا نثار ہے
حلقہ ہے جو وہ نافۂ مشک تتار ہے
جنگل ہے مشک بیز ہوا مُشک بار ہے
سنبل کا اس کے سامنے کیا اقتدار ہے
ہمسر نہیں جو گیسوؤں کے پیچ و تاب سے
مخفی ہے آ کے شب قدر اس حجاب سے

۸۳

پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب
یہ لطفِ روزِ عید و شبِ قدر میں ہے کب
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
ہے دو طرف تو چین و خطا بیچ میں حلب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں

۸۴

معراجِ مصطفیٰ کی یہ شب ہے تو وہ سحر
ہے زیبِ رخ مفسرِ واللیل و والقمر
زیبا ہے اس کو کہیے اندھیرے کا چاند اگر
اے خضر یاں ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
دن جس کا ہے سعید مبارک وہ رات ہے
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

۸۵

پہلو میں دن کے رات رہے شانِ کارساز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز
یوسفؑ جو دیکھ لے تو جھکائے سرِ نیاز
زیبا ہے گورے رخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر پہ یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی

۸۶

کیوں زلف کی ثنا میں اُلجھتے ہیں موشگاف
تعقید سر بسر ہے فصاحت کے برخلاف
سلجھا ہوا بیاں ہو تو مقبول ہے صاف صاف
باریک اس خلق کی ہیں راہیں خطا معاف
فکر رسا ہے جن کی یہاں وہ بھی پیچ ہیں
رستہ تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پیچ ہیں

۸۷

وہ تو دو فرقِ پاک پہ وہ چاند سی جبیں
قرآں کی لوح مطلعِ نورِ آفتابِ دیں
پرتو سے جس کے غیرتِ مہتاب سب زمیں
آئینۂ حلب یدِ بیضائے مہ جبیں
اس کو جو اس جبیں کے برابر دیکھتا
پھر اپنے آئینہ کو سکندر نہ دیکھتا

۸۸

ابرو ہے یا کھنچی ہوئی شمشیر تیز دم
پایا بھلا کمانِ کیانی نے کب یہ خم
صانع نے ایک لوح پہ رکھے ہیں دو قلم
کیا متصل ہے گوشہ سے گوشہ زہے حشم
مدت کھنچے تو پھر کشش ان کی بیاں نہ ہو
قرباں ہو لاکھ بار تو خاطر نشاں نہ ہو

۸۹

ہموار وہ بھویں وہ جبینِ قمر مثال
مطلع ہے صاف غور سے بینا کریں خیال
تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
نقطہ ہے نورِ حسن کا ابرو پہ ہے جو خال
خوبی میں وہ تو یہ ہمہ تن لاجواب ہے
دیوانِ حسن میں یہی بیت انتخاب ہے

۹۰

ہے آسمانِ حسن و شرف یہ فلک جناب
منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب
ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب
ہاں دیکھ لیں رُخ خلفِ ابن بوتراب
باریک ہیں سمجھ گئے مطلب انیسؔ کا
انتیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

۹۱

مانند شانہ گر ہمہ تن ہو کوئی زباں
تو بھی مژہ کا وصف سر مو نہ ہو بیاں
قربان حسن صنعت خلاق انس و جاں
پیدا ہے جس سے چشم کبھی گاہ سائباں
موئے مژگین در ثمین نجف یہ ہے
آنکھوں پہ جس کو رکھتے ہیں مردم شرف یہ ہے

۹۲

اس چشم کو وہی کہے نرگس جو ہو بصیر
پیش نظر یہ دیدۂ حق بیں ہیں بے نظیر
کیوں روز گرد ہو کے نگاہوں میں ہوں حقیر
یہ عین مردمی ہے کہ مردم ہیں گوشہ گیر
اس نور کے مکاں سے نکلنا فضول ہے
گھر بیٹھے ان کو سیر دو عالم حصول ہے

۹۳

دکھلاتی ہے بیاض سواد ان کی شان رب
دن کے قریب صبح سحر کے قریب شب
پائی کسی ہرن نے یہ چشم سیاہ کب
پیدا ہے ان سے عین علیؑ کا جلال سب
دیکھیں جو رعب شیر نیستاں غزال ہوں
دنیا ہو غرق خوں جو یہ غصے سے لال ہوں

۹۴

بیمار کہتے ہیں شعرا چشم کو جو سب
صحت ہیں اس کی شک ہے غلط ہو تو کیا عجب
دار الشفا یہ خود ہیں پئے بندگان رب
دید ان کی ہر مریض کی صحت کا ہے سبب
چشمک ہے ان کو عیسیٰ گردوں پناہ سے
مُردے جلا دیے ہیں کرم کی نگاہ سے

۹۵

آنکھیں وہ نرگسی جنھیں دیکھے سے ہو سرور
روشن میان کعبہ ہیں یا دو چراغ طور
یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغر بلور
حق بیں ہیں حق شناس ہیں یزداں پرست ہیں
ہشیار کیوں نہ ہوں مئے عرفاں سے مست ہیں

۹۶

ضیغم نظر ہیں صاحب رعب جلال ہیں
ہاں شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں
یہ نشۂ رحیق جوانی سے لال ہیں
ساحر بھی ہیں تو ساحر سحر حلال ہیں
پتلی نہیں یہ چشم سیہ کے حجاب میں
پنہاں ہے روئے حضرت یوسفؑ نقاب میں

۹۷

جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار
ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار
مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتے ہیں بار بار
آنسو ہیں یہ صدف میں ہیں یا دُر شاہوار
روئے ہیں فرقت شہ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

۹۸

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے
ذروں کو سر چڑھائے یہ کس کا دماغ ہے
وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے
دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

۹۹

گل سرخ رو ہوا نہ کبھو ان کے سامنے
مخفی چمن کا روئے نکو ان کے سامنے
بے رنگ ہے گلاب کی بو ان کے سامنے
باغ بہشت ساختہ رو ان کے سامنے
خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہراؑ کے باغ کے

۱۰۰

آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہے بند
کیا لطف گر مزا نہ اُٹھائیں سخن پسند
ہے بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قند
خود بہرِ سخن سے ان کی فصاحت ہے بہرہ مند
اعجاز ہے زبان بلاغت نظام میں
قرآں کی صاف شان ہے ان کے کلام میں

۱۰۱

مشکل ہے وصف گوہرِ دندان بے مثال
اس مدح میں صلے کے جو ملنے کا ہے خیال
غواصِ بحرِ حسن دکھا اپنا کچھ کمال
بھر دے گا موتیوں سے دہن فاطمہؑ کا لال
قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں دُرِّ ثمیں کے گنج

۱۰۲

اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہے
گھر بازوؤں میں قوتِ خیرالورا کا ہے
سب زور ان کلائیوں میں لافتا کا ہے
سینہ نہ جانیو یہ خزانہ خدا کا ہے
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
جس سے تھما ہوا ہے سفینہ نجات کا

۱۰۳

پڑتا ہے ماہِ رُخ کا جو پرتو اِدھر اُدھر
گرتے ہیں کانپ کے تخو تخو اِدھر اُدھر
پھرتی ہے چاندنی کی طرح ضو اِدھر اُدھر
لشکر میں بے دغا ہے روارو اِدھر اُدھر
غل تھا عمر کا سر ابھی لائیں جو زور ہو
اسکو نگاہِ بد سے جو دیکھیں تو کور ہو

۱۰۴

دیکھو تو منصفو یہ ملک ہے بشر نہیں
سب محو ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں
چہرے پہ ضو یہ ہے کہ مجالِ نظر نہیں
پھر کون ہے پیمبرِ برحق اگر نہیں
وقتِ ادب ہے ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آئے رسولؐ دوڑ کے قدموں پہ سر رکھو

۱۰۵

بکلا تکائے پہ چترِ زری ابن سعدِ شوم
تنہا وہ اک جواں یہ ادھر فوج کا ہجوم
بولا یہ کیا ہراس ہے شیرو یہ کیا ہے دھوم
کھوتے ہو آبروئے دلیرانِ شام و روم
پیارا ابھی پسر ہے شہِ مشرقین کا
خوش ہو کہ خاتمہ ہوا فوجِ حسینؑ کا

۱۰۶

تلواریں لو نیاموں سے جلدی پرے جماؤ
ہاں اے کماں کشو قدر اندازیاں دکھاؤ
نیزے ہلا ہلا کے سوارو ادھر کو آؤ
فرزندِ فاطمہؑ کے پسر کا لہو بہاؤ
گر نورِ احمدی کی جہاں میں ضیا نہ ہو
انعام بھر دو دوں جو کسی نے دیا نہ ہو

۱۰۷

لالچ میں آئے سن کے یہ باتیں وہ زیردست
دریا پہ کچھ سوا ہوا پہلے سے بند و بست
سمجھے کہ اس طرف ہے ظفر اس طرف شکست
جھومے یلانِ فوجِ ستم مثلِ پیلِ مست
جنگل تھا سب سیاہ ہجومِ سپاہ سے
کوسوں چھپی ہوئی تھی ترائی نگاہ سے

۱۰۸

اس طرح بڑھ کے ٹھٹکے وہ بانیٔ حسد
پیاسے پہ آئے تیر اُدھر سے جو لاتعد
اٹھتا ہے جس طرح کہ سمندر سے جزر و مد
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے کہا یا علیؑ مدد
دیکھا نگاہِ قہر سے ہر نابکار کو
گویا خدا کا شیر بڑھا کارزار کو

۱۰۹
اللہ رے نہیب رجز خوانی ہزبر
چھائی ہوئی تھی فوج ضلالت مثال ابر
جھنجھلا کے گونجتا ہے نیستاں میں جیسے ببر
جو منچلے تھے فوج میں پڑھتا تھا ان پہ جبر
غل تھا کہ سب علیؑ کا جلال آشکار ہے
فقرہ ہر اک رجز کا نہیں ذوالفقار ہے

۱۱۰
نعرہ کیا جو نسل علیؑ آسمان ہلے
سینوں میں دل ہلے کہ صفوں میں نشان ہلے
تھرائی یوں زمیں کہ کرہ کے مکان ہلے
کیا منہ کسی کا تھا کہ دہن میں زبان ہلے
گردن نہ ان کی اٹھتی تھی جو سربلند تھے
اللہ رے رعب نطق فصیحوں کے بند تھے

۱۱۱
بعد ستائش اب وجد شیر نر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک اُدھر سے ادھر بڑھا
اٹھتی ہوئی گھٹا کی طرح جوں قمر بڑھا
جرار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

۱۱۲
نیزوں سے روکنے لگے ڈر ڈر کے جب سوار
سب کی نظر میں کوند گئی برق ذوالفقار
صفدر نے بڑھ کے میان سے لی تیغ آبدار
ٹوٹے الم گرے جو الف ہو کے راہوار
غل تھا کہ سربلند ہے جو وہ بھی پست ہے
اکبرؑ نے دی صدا یہ نشانِ شکست ہے

۱۱۳
فرما کے یہ کمر میں رکھی اسپ کی لجام
سرعت وہ رخش کی وہ درخشانی جسام
پھرنے لگا نظر کے اشارے پہ خوش خرام
اک برق کوندتی تھی میان سپاہ شام
دلدل کی چال جو وہ چلن باد پا کا تھا
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

۱۱۴
کہنی تلک آپ نے جو الٹ لی تھی آستیں
روکے تھے منہ پہ خوف سے ڈھالوں کو اہل کیں
اک زلزلہ تھا کانپتی تھی دشت کی زمیں
ہنس ہنس کے دیکھتے تھے علیؑ اکبر حسیں
افزوں تھی انگلیوں کی ضیا شمع طور سے
جنگل میں روشنی تھی کلائی کے نور سے

۱۱۵
ناگاہ نکلی میان سے شمشیر شعلہ ریز
آئی چمک کے سروں پہ جو تیغ تیز
دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامۂ ستیز
ان میں سے ایک کو نہ ملی مہلت گریز
سالم تھے نخل قد یہ نشان ثمر نہ تھا
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

۱۱۶
بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہے جس طرح
ہاتھ اڑتے تھے شجر کوئی چھٹتا ہے جس طرح
پھٹتے تھے دل کہ ابر پھٹتا ہے جس طرح
یا نرم خام تیغ سے کٹتا ہے جس طرح
جو وہ بھی دو چار ہوا صاف چار تھا
فولاد موم خام سبک سیر خیار تھا

۱۱۷
نخل استخواں نشانہ تبر اس کے سامنے
سودا رسب تھے کاسۂ سر اس کے سامنے
دام زرہ تھا سنبل تر اس کے سامنے
ڈھیلی گرہ تھا بند کمر اس کے سامنے
آفت کا کاٹ قہر کا خم منہ بلا کا تھا
سب رنگ ڈھنگ حربۂ مشکل کشا کا تھا

۱۱۸

آئی جوشن سے سینہ کی جانب اڑا کے سر
مرکب نے کی نظر سوئے راکب اٹھا کے سر
دھڑ سے گرا سمند کی ٹاپوں پہ آ کے سر
نکلی وہ تیغ تیز بغل سے جھکا کے سر
ظالم اسی طرح سوئے دوزخ روانہ تھا
سر تھا نہ صدر تھا نہ سپر تھی نہ شانہ تھا

۱۱۹

برسا رہی تھی دشت میں وہ شعلہ رو لہو
تا سینہ اس طرف تو ادھر تا گلو لہو
حیدرؑ کا لعل بیچ میں تھا چار سو لہو
کوسوں تھا سرزمین عرب میں لہو لہو
بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہل خلاف کا
فرط خوشی سے سرخ تھا چہرہ مصاف کا

۱۲۰

جب آئی سن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی
یوں چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی
اڑ کر صفوں کے بیچ سے ناگن نکل گئی
شہ رگ سے جان صدر سے گردن نکل گئی
سالم رگیں نہ جسم کی نے استخواں رہے
ٹوٹے قفس میں طائر وحشی کہاں رہے

۱۲۱

اللہ ری تیزی دم شمشیر سر شگاف
دریا سے خوں میں پیر کے نکلی دم مصاف
قبضے میں جس کے حکم قضا تھا بسان قاف
پھر منہ لہو پیے پہ جو دیکھا تو پاک و صاف
نسبت تھی ذوالفقار سے اس بے عدیل کو
دھبا کہیں لگا ہے نجیب و اصیل کو

۱۲۲

تھا نہر علقمہ کے قریں بحر خوں کا اوج
سر صورت حباب نمایاں تھے فرد و زوج
تھے آگے پیچھے دست بریدہ بسان موج
طوفان آب تیغ میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مابین راہ تھا
خشکی میں فوج شام کا بیڑا تباہ تھا

۱۲۳

پھول اڑ گئے پھل اس کا جو چمکا سپر کے پاس
سر سے اتر گئی دل بیدادگر کے پاس
نکلی ادھر سپر سے کہ آ پہنچی سر کے پاس
دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

۱۲۴

اب دم نہ تھا جو بڑھ کے قضا اس سے کہہ گئی
کاٹھی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
ندی لہو کی دشت پر آفت میں بہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
غصے میں شکل برق قرار اس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اسے مارا تو دم لیا

۱۲۵

پھل اس کا نے سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر تو فقط تن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

۱۲۶

جنگل سے چار سمت لہو کے چمن بنے
مردے شکست پا کے وہ بیجاں ختن بنے
جو خیرہ سر تھے نقش فنا ان کے تن بنے
چار آئینہ جو تھے تو جوشن کفن بنے
کشتوں پہ کشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
عصیاں کا اس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا

۱۲۷

بل کھا کے اس طرف سے کوئی بل بڑھا اگر
چمکی جو تیغ برق سی کوندی ادھر ادھر
پہونچا سمند اچھل کے برابر وہ شیر نر
آئی لہو میں پیر کے وہ ماہیِ ظفر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

۱۲۸

قبضوں میں تیغیں چھپتی تھیں دہشت سے اسقدر
یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلتے نہ تھے تبر
گرد اپنے آپ گرتی تھی گرداوری سپر
سہمے تھے تیر یوں کہ اٹھا سکتے تھے نہ سر
ہر اک کمند دامِ بلا میں اسیر تھی
ڈھال خود اماں کی طرح کماں گوشہ گیر تھی

۱۲۹

نصرت جلو میں گھوڑے کی تھی پھرتی مثل باد
تھی یہ ظفر کی عرض کہ یا خالقِ عباد
کہتی تھی فتح آج برآئی مری مراد
جلدی شکست پائیں یہ سب بانیِ فساد
پامال کرکے یوں انھیں یہ مہ لقا پھرے
جس طرح جنگِ بدر سے شیرِ خدا پھرے

۱۳۰

خم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
بجلی تھی اک پری کے تکلم پہ کہ اس کی تاب
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
تیزی زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

۱۳۱

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزاں بھی بہار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی نے اسکے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفتِ جہاں تھی لگانے بجھانے میں

۱۳۲

گرتی تھی پائمال صفوں کو وہ برق سیر
خود کو پناہ نہ اس سے سپر کی خیر
دہشت سے تھا سپاہِ شقاوت کا حال غیر
چار آئینہ کو لاگ تھی اس کو سپر سے بیر
سکتے پڑے تھے اکبرِ غازی کی حرب کے
لوہا بھی دب گیا تھا یہ معنی ہیں ضرب کے

۱۳۳

تھرا گئے کوہ و شام و عراق ڈر سے
قادر ہے مثل حکمِ قضا یہ خجستہ سے
چلاتے تھے رہے گی کشاکش یہ تابکے
برکاٹے اتنے تیر چلے اس طرف سے بے
پچھتائے علم تیر میں برسوں گزار کے
بس پھینکدو چڑھے ہوئے چلے اتار کے

۱۳۴

تیروں کے بند بند قلم برچھیاں دو نیم
چار آئینے کٹے ہوئے گرزِ گراں دو نیم
مثلِ قلم زبانِ درازِ سناں دو نیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلواں دو نیم
سالم تھا جیش میں آئینہ تیغ جو نہ تھا
لشکر میں کون تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

۱۳۵

وہ تیغ جو بڑھی صفِ کفار ہٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمیں لہو کے دڑیڑوں سے کٹ گئی
دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

۱۳۶
گیتی ہلا دی نعرۂ ضرغام دہر نے
گھیرا ہر اک کو حضرتِ باری کے قہر نے
مانگی پناہ چھوڑ کے ساحل کو بحر نے
گرداب کو بھنور کیا سینے پہ نہر نے
گویا امن کا جو بحر میں نایاب ہو گیا
کانپیں یہ مچھلیاں کہ جگر آب ہو گیا

۱۳۷
بولے نہنگ خوب نہیں یہ اگر مگر
جلدی نکل کے بحر سے ریتی بناؤ گھر
برپا ہے شامیوں کے ستم سے یہ شور و شر
لڑتے ہیں اپنے حق پہ یداللہ کے پسر
چشمہ ہے یا محیط ہے قطرہ ہے کہ نہر ہے
اس کے گواہ ہم ہیں کہ زہرا کا مہر ہے

۱۳۸
ہلچل ہوئی غضب کی صفِ کارزار میں
دب کے نکل کے شیر نیستاں کچھار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں
جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
ریتی پہ مچھلیاں تھیں سمند فرات میں

۱۳۹
جب کوند کر سمند یہاں سے وہاں گیا
ثابت نہ کچھ ہوا کدھر آیا کدھر گیا
جھاڑیں جو چھلیاں تو نظر سے نہاں گیا
گھوڑا پر اتی بن کے سوئے آسماں گیا
غل تھا وہ آ کے دیکھ لے اس بادپا کے پاؤں
دیکھے نہ ہوں زمانے میں جس نے ہوا کے پاؤں

۱۴۰
سرعت میں شرمسار نسیمِ سحر ہوئی
آنکھوں میں پھر گیا نہ مژہ کو خبر ہوئی
تن سے عرق کی بوند جو ٹپکی گہر ہوئی
جب خاک اڑ چکی ادھر تو دم اسکی چنور ہوئی
گھوڑا نہ کہیے تختِ سلیماں روانہ تھا
اس کے لیے تو جنبشِ رگ تازیانہ تھا

۱۴۱
باریک جلد وہ کہ خجل قاقم و حریر
شکیں پرند آہوئے رم خوردۂ شیر گیر
حلقے سے یوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر
آتش مزاج بادیہ پیما فلک مسیر
یوں فتح ساتھ تھی اس راہوار کے
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

۱۴۲
تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا بھی برق تھا
شکلِ عروس زیور و خوبی میں غرق تھا
کچھ اس میں اور ابر میں مطلق نہ فرق تھا
دو گام اس کو فاصلۂ غرب و شرق تھا
پاکھر تھی موتیوں کی عرق جسم پاک پر
آئی تھی بادِ تند فرس بن کے خاک پر

۱۴۳
تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار
ناگاہ اٹھا جو شام کی جانب سے اک غبار
بولا یہ فوج سے عمرِ سعد نابکار
بھیجی کمک یزید نے و لشکر کروگار
یہ اکبرِ جری کی اجل کا بہانہ ہے
آیا وہ پہلواں جو وحید زمانہ ہے

۱۴۴
یہ سن کے فوج سب متوجہ ہوئی ادھر
دیکھا کہ اک جواں ہے فرس پہ بہ کر و فر
نیزوں کے آگے آگے تو ہیں رہزنوں کے سر
پیچھے ہیں دو ہزار جوانان پُر جگر
قامت سے شانِ عمرِ دشتی آشکار ہے
سمجھے یہ سب کہ رخش پہ رستم سوار ہے

۱۴۵

وہ جس کو دیکھ دیکھ کے مرعب ہو سرنگوں
قتال و بد مزاج و بیباک و سیہ دروں
کیفیت شراب غیظ سے آنکھیں دو جام خوں
یکتا تھا شر خیلتاش سے بھی جوش میں فزوں
تیغ و سناں میں رشک زباں و گلو تھا
کہنے کو آدمی پہ حقیقت میں دیو تھا

۱۴۶

بعد از سلام شرح کے عمر نے کیا بیاں
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا یہ پہلواں
آپ آئے کیا کہ آگئی مرتے ہوؤں میں جاں
سرگرم کارزار ہے یہ کونسا جواں
عباسؑ ہے کہ فاطمہؑ کا نور عین ہے
کی عرض اس شقی نے کہ ابن الحسینؑ ہے

۱۴۷

کاٹے ہیں جب سے دست علمدار نامور
پوچھا شقی نے سال و سن اس کا ہے کس قدر
سرگرم کارزار ہے یہ شاہ کا پسر
اس نے کہا کہ دیکھ لے تو آنکھ کھول کر
اٹھارواں یہ سال ہے سن کے حساب میں
سبزہ ابھی نمود ہے باغ شباب میں

۱۴۸

بولا شقی کہ فوج کا لڑکے سے ہے یہ حال
تب عمر نے کہا کہ یہ ہیں شیر حق کے لال
توڑے ہیں سو پرے صف لشکر ہے پائمال
طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بے مثال
اس پر بھی کون قہر خدا ہے وغا نہیں
اس پر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں

۱۴۹

ناری کے آگ لگ گئی سن کر علیؑ کا نام
پھر کہا اگر علیؑ کا خلف ہے یہ تشنہ کام
بولا بگڑ کے وہ کہ مرے منھ پہ یہ کلام
کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے
اتروں گا اب فرس سے سر اسکا اتار کے

۱۵۰

یہ کہہ کے پھر کیا کمر آہنی کو چست
سارے قوی تھے گو عقل سخت سست
آلاتِ حرب تن پہ کیے سر بسر درست
سر میں وہی غرور وہی غرۂ نخست
کوڑا کیا فرس کی جو باگ اس نے پھیر کے
صف میں غل ہوا کہ چلا منھ میں شیر کے

۱۵۱

آیا اڑا کے رخش وہ جس دم قریب زد
بشقی پہ ہو سے شیر الٰہی سا جس کا جد
ہمشکل مصطفےٰ نے کہا یا علیؑ مدد
ہوتا ہے کیا حریف کرے لاکھ جد و کد
موج محیط خیز یہ تھے وہ حباب تھا
زہرہ شقی کا آنکھ ملاتے ہی آب تھا

۱۵۲

ہٹ کر بڑھا لرز کے جو سنبھلا وہ پر غرور
آمد میں وہ شکوہ و تعلی وہ مکر و زور
بولے یہ مسکرا کے علی اکبر غیور
گرجا تھا اس قدر تو برسنا بھی تھا ضرور
سرکش زمیں پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
نخل غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی

۱۵۳

مقدور پہ بھی کرتے ہیں عاقل فروتنی
ہم سے زیادہ کون ہے تلوار کا دھنی
عاجز ہیں سب خدا کی مگر ذات ہے غنی
چلتے ہیں جھک کے صورت شمشیر آہنی
دکھلا نہ راستی کا مزا کج ادائی میں
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں

۱۵۱

سب جانتے ہیں دستِ علیؑ کی صفائیاں
عالم کے سرکشوں نے شکستیں اٹھائیاں
سرکیں نبیؐ کے سامنے کیا کیا لڑائیاں
بدر و احد کے خون کی نہریں بہائیاں
مدحِ علیؑ رسولِ خدا کی زباں پہ ہے
لاسیف ولافتیٰ کی صدا آسماں پہ ہے

۱۵۲

غرہ کہیں نہیں تجھے دعوے ہے گر تو آ
آمد تو دیکھی جنگ کا بھی کچھ ہنر دکھا
تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
مالک تجھے سقر میں بلاتا ہے جلد جا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

۱۵۳

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرزِ گاؤسر
آیا ادھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
اکبرؑ نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر
دو ہو گیا عمود مثالِ خیار تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
چھلکے یہ سب زمیں پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

۱۵۴

بھالا سنبھالا دشمنِ ایماں نے مل کے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ لگائے سنبھل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے دیو بھی زور میں گر وہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا

۱۵۵

رکھ کر تبر نیام سے لی تیغِ شعلہ ور
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
تھرّا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
یہ بھی ادھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی

۱۵۶

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
کھوئے تمام نیزۂ بے داد گر کے بند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردن تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشاروں میں کٹ گئے

۱۵۷

ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کماں میں تیر
ترکش خدنگِ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
چلّہ کٹا کماں کا زہے تیغِ بے نظیر
قربان زورِ حضرتِ نصرت نشان کے
کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

۱۵۸

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کماں
سپر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں
نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی تکاں
سمجھا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پر

۱۵۹

ہاں اے محیطِ طبع روانی دکھا مجھے
ہاں اے زبان سیفِ زبانی دکھا مجھے
پیری میں زور شورِ جوانی دکھا مجھے
اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دمِ تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

۱۶۳

اے تیغ بادشاہِ نجف شعلہ بار ہو
اے برقِ طبع کوند کے گردوں کے پار ہو
اے شہسوار مستعدِ کارزار ہو
اے سیفِ خامہ دوزباں ذوالفقار ہو
ہاں معرکہ ہے بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
چوٹیں نئی ہوں سب کوئی مضمون لڑ نہ جائے

۱۶۴

ہاں غازیو دکھاتا ہوں تصویرِ حرب گاہ
تولے ہے تیغ ادھر پسرِ شاہِ دیں پناہ
غل ہے درود کا عوضِ شورِ واہ واہ
آمادۂ نبرد ادھر ہے وہ روسیاہ
دونوں کو معرکے میں تمنا ہے جنگ کی
باگیں اٹھی ہوئی ہیں کمیت و سرنگ کی

۱۶۵

دوزخ اُدھر ہے خلدِ بریں کا چمن اِدھر
کافر اُدھر شبیہِ رسولِ زمن اِدھر
کانٹے ادھر ہیں لالہ رخ و گل بدن ادھر
مرحب ہے اس طرف شہِ خیبر شکن ادھر
باطل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے
جو نار ہے وہ نار ہے جو نور نور ہے

۱۶۶

عاری ہیں تیغ زن شہِ مرداں کے سامنے
کیا سحرِ سامری بنِ عمراں کے سامنے
گل ہیں چراغ مہرِ درخشاں کے سامنے
کیا مور کی بساط سلیماں کے سامنے
آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے
جادو کا سحر اور ہے اعجاز اور ہے

۱۶۷

دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار
طاؤس ہیں ہرن ہیں چھلاوا ہیں راہوار
ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں ردّ ہو رہے ہیں وار
شکر ہے اک زباں کو یہ جرأت ہے یادگار
غالب یہی ہیں گو وہ قوی تر ہے گیو سے
غل ہے کہ لڑ رہے ہیں ید اللہ دیو سے

۱۶۸

بڑھتا ہے شکلِ تیغ ادھر سے یہ نامور
یوں نعرہ زن ہے غیظ میں حیدرؑ کا پسر
دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورتِ سپر
یہ اضطراب جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رخ سے جھلم کو اتار کر
او روسیاہ آنکھ تو شیر دل سے چار کر

۱۶۹

کٹ کٹ کے وار کرتا ہے پیہم وہ روسیاہ
روباہ وہ یہ لختِ دلِ ضیغمِ الٰہ
پر ان کی تیغ سے کہیں ملتی نہیں پناہ
جن کے غلام ملکِ شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہے برق شعلہ فشاں تیغ کے لئے
تیغ ان کے واسطے ہے یہ ہیں تیغ کے لئے

۱۷۰

اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ چمک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر چرخ پہ ملک
دو بجلیاں سی کوند رہی تھیں تہِ فلک
مثلِ علیؑ جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رخ پہ ہراس کچھ دمِ جنگ و جدل نہ تھا
تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۷۱

گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زور
اور ٹکر شیر کی ہے جو اٹھائے سرِ غرور
لیکن کہاں چراغ کہاں مہرِ دیں کا نور
ہوئے تو موت کا بھی ٹھکانہ نہیں ہے دور
تیغ کھنچتے ہیں پر اس میں کیا زور چل سکے
پنجے میں شیر کے ہو تو کیونکر نکل سکے

۱۷۲

شانہ کٹا سپر سے بچایا جو اس نے سر
چار آئینہ میں جسم تو محفوظ تھا مگر
ٹکڑے اڑے بغل کے ہٹی منہ سے جب سپر
سارا چھنا ہوا تھا زرہ کی طرح جگر
تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وہ
تیغ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

۱۷۳

خالی گئیں منجی ہوئی چوٹیں جو اس کی سب
تلوار کو اٹھا کے پکارا یہ شبیر تب
منہ کو پھرا پھرا کے شقی کاٹتا تھا لب
ہشیار او لعین اجل آتی ہے سر پہ اب
مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے
باقی ہو کچھ ہوس تو اسے بھی نکال لے

۱۷۴

بولا سپر کو فرق پہ رکھ کر وہ پر غرور
میداں گرہ ہے نار کا اے کبریا کے نور
پھنکتا ہے تن یہ دھوپ سے ہے پیاس کا وفور
بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورت تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مل جائے گر تو پی لوں میں پانی فرات سے

۱۷۵

تلوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام
تلوار روکنے کا نہ تھا گرچہ یہ مقام
تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
پر غیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام
فیاض ہیں کریم ہیں ابن کریم ہیں
دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

۱۷۶

خنداں ہوئے شقی پہ لب تیغ جاں گداز
آواز دی کماں نے زہے شان بے نیاز
بڑھ کر زبان طعن سناں نے بھی کی دراز
سوفار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز
ہے خوف ضرب تیغ سے طالب پناہ کا
بولی سپر کہ پھر گیا رخ روسیاہ کا

۱۷۷

لے آیا آب سامنے خادم بہ صد شتاب
ظالم نے سامنے جو پیا غٹا کے آب
پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
پیاسے تھے تین دن سے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب جسم کے ساغر چھلک پڑے
اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

۱۷۸

سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بد گہر
فرمایا تشنہ لب نے شہنشاہ بحر و بر
کی عرض کیجیے آپ بھی پانی سے حلق تر
آب حیات ہو تو پئیں ہم نہ بے پدر
ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں
یہ آب نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

۱۷۹

شبیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا
اے مرحبا رسول کے ہم شکل مرحبا
دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیوں کر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو
کیوں کر نہ ہو کہ ساقی کوثر کے لال ہو

۱۸۰

تسلیم کر کے شہ کو بہ صد عجز و انکسار
نعرہ کیا کہ او سگ بزدل ستم شعار
مثل اسد شکار پہ آیا وہ شہسوار
ہاں اب تو تازہ دم ہے اٹھا تیغ آبدار
ہٹتا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو
پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو

١٨١
سن کر برس پڑا وہ جفا کار و بد گہر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہیِ ظفر
رد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب تر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو دہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

١٨٢
دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلوان
نکلی لہو میں ڈوب کے شمشیر خونچکاں
جبریل پر اٹھا کے پکارے کہ الاماں
تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
افلاک سے گزر گئی سادات کی صدا
آئی خدا کے عرش سے احسنت کی صدا

١٨٣
منھ پھر کر حسینؑ کی جانب جو کی نظر
فریاد کی کہ اے خلفِ سید البشر
دیکھا زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہ بحر و بر
نزدیک ہے کہ پیاس سے شق ہو دل و جگر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
کیجے دعا کہ جلد شہادت نصیب ہو

١٨٤
فرمایا شہ نے اے علیؑ اکبر ترے نثار
کوثر پہ تیر حق کو تمھارا ہے انتظار
میں کیا کروں نہیں مرا پانی پہ اختیار
مظلوم باپ تم سے نہایت ہے شرمسار
لائے کہاں سے دل کہ یہ صدمہ اٹھا سکے
تم مانگو اور حسینؑ نہ پانی پلا سکے

١٨٥
ڈیوڑھی پہ روئی بنت علیؑ سن کے یہ کلام
رانڈوں کے روکنے کو بڑھے اس طرف امام
روتی ہوئی نکل پڑیں سیدانیاں تمام
گھوڑا اٹھا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
سب طور تھا دعائے جناب امیر کا
حملے نہ تھے غضب تھا خدائے قدیر کا

١٨٦
قلب و جناح کے جو دلاور ہوئے تلف
یہ غول اس طرف تو وہ مجمع تھا اس طرف
گھبرا کے میمنہ پہ گری میسرہ کی صف
گویا کہ لڑ رہے تھے غضب میں شہ نجف
یوں حملہ ور تھے تیغ زنوں کی قطار پر
جاتا ہے شیر جیسے غزالوں کی ڈار پر

١٨٧
آئے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار
اب اس طرف ہیں آپ ادھر فوج نابکار
مابین راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
غل ہے ادھر اب آنے نہ پائے وہ نامدار
نیزے ملا دو سینے سے گھوڑوں کو پھیر کے
کشتہ کرو ہیں علیؑ اکبر کو گھیر کے

١٨٨
روکی تمام فوج نے اک تشنہ لب کی راہ
ڈھالوں سے دشت کیں تھا کئی کوس تک سیاہ
گھوڑا اڑا کے بیچ میں آیا وہ رشک ماہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
لاکھوں سے معرکہ میں کوئی یوں لڑا نہیں
غل تھا کبھی عرب میں رن ایسا پڑا نہیں

١٨٩
گردوں پہ تھی صدا نے چکاچاک تیغ و تیر
فرماتے تھے جو رکتا تھا اسپِ فلک مسیر
ڈوبا — تھا خون میں شہ دیں کا مہ منیر
اب ہم بھی ہیں تمام لڑائی بھی ہے اخیر
زخموں سے گو بھی چور ہے اور ہم بھی چور ہیں
افسوس بس یہی ہے کہ بابا سے دور ہیں

۱۹۰

نکلا بڑے سے شیث ربعی جفا شعار
تیروں کا سینہ برس گیا پیاسے پہ ایک بار
ہمراہ تھے شقی کے کماندار دس ہزار
راکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار
اڑ اڑ کے طے وہ کرتا تھا راہِ ثواب کو
غل تھا کہ پر خدا نے دیئے ہیں عقاب کو

۱۹۱

نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وہ جناب
ڈوبے لہو میں لٹنے لگا گلشن شباب
تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گرد آفتاب
روتے تھے خوں کے آنسوؤں سے دیدۂ رکاب
مجروح تیر بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے جھوم جھوم کے

۱۹۲

طے کر کے معرکہ یہ پھرے تھے کہ ناگہاں
دل توڑ کر انی جو ہوئی پشت سے عیاں
چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
ٹکڑے کمند کے خوں کے ڈرردوں میں بہہ گئے
گھوڑے پہ یا علیؑ ولی کہہ کے رہ گئے

۱۹۳

سینہ تو زین پر تھا عیاں فرس پہ سر
اٹکا ہوا تھا پسلیوں کے بیچ میں جگر
چھوٹی تھی تیغ ہاتھوں سے نے تیغ نے سپر
نخنے چھے ہوئے تھے لہو کے ادھر ادھر
تڑپاتا تھا جو گھوڑے پہ صدمہ تکان کا
غل تھا کہ دم نکلتا ہے کڑیل جوان کا

۱۹۴

چلا رہا تھا یوں پسر سعد روسیاہ
ہم میں کسی سے قتل نہ ہوتا یہ رشک ماہ
ابن نمیر کیا ترا نیزہ چلا ہے واہ
بے کس حسینؑ ہو گئے آخر ہوئی سپاہ
کر دے کوئی خبر علیؑ اکبر گزر گئے
دیکھو تڑپ رہے ہیں کہ شبیرؑ مر گئے

۱۹۵

بڑھ کر پکارا شمر ستمگار و بد خصال
جلد آکے دیکھیئے پسر نوجواں کا حال
اے ابن فاطمہؑ خلف شیر ذوالجلال
لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
جو حملہ ور تھا تیغ دو دم تول تول کے
دم توڑتا ہے اب وہی منہ کھول کھول کے

۱۹۶

پہونچی یہ جاں گزا جو صدا گوش شاہ میں
دوڑے گرے اٹھے کئی جا اثنی راہ میں
دنیا سیاہ ہو گئی سرور کی نگاہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں
چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اسطرح
بچے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

۱۹۷

دوڑے گرے ادھر کبھی بیٹھے ادھر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی
بن میں کبھی تھے رن میں کبھی نہر پر کبھی
کی مڑ کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
تشویش تھی کہ مادر اکبرؑ نکل نہ آئے
خیمے سے بنت فاطمہؑ باہر نکل نہ آئے

۱۹۸

چلاتے تھے کہ اے علی اکبرؑ کدھر ہے تو
کچھ سوجھتا نہیں مرے یاور کدھر ہے تو
مرتا ہے اب پدر مرے دلبر کدھر ہے تو
دن ہے کہ رات اے مہ انور کدھر ہے تو
آباد گھر حسینؑ کا تاراج ہو گیا
خورشید دوپہر سے غروب آج ہو گیا

۱۹۹

بیٹا ضعیف باپ کدھر ڈھونڈنے کو جائے
دشمن کو بھی خدا نہ فراقِ پسر دکھائے
بچھڑے پدر سے کہیں جوانی میں ہائے ہائے
پھر بابا جان کہہ کے پکارو۔ تو چین آئے
مرنے کی جس کے فصل تھی اس نے قضا نہ کی
وا حسرتا کہ عمر نے تم سے وفا نہ کی

۲۰۰

ناگاہ صدا یہ آئی کہ بابا ادھر ہوں میں
خالق سے لو لگی ہے چراغِ سحر ہوں میں
اے نخلِ باغِ فاطمہؑ زیرِ شجر ہوں میں
جلد آیئے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
دردِ جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

۲۰۱

دوڑے حسینؑ سن کے یہ آوازِ دردناک
فرزند لوٹتا نظر آیا بروئے خاک
دامن تھا سب قمیص تن یوسفی کا چاک
بس گر پڑے پسر کے برابر امامِ پاک
تڑپا جو دل تو لختِ جگر سے لپٹ گئے
روحی فداک کہہ کے پسر سے لپٹ گئے

۲۰۲

دیکھا کہ جسم سرد ہے بے حس ہیں دست و پا
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ کربلا
دم ہے مگر حباب میں ہو جس طرح ہوا
کیوں بابا جان کہو گذرتی ہے دل پہ کیا
بولو تو منہ سے کچھ کہ میں بیکس امام ہوں
سوکھی زباں دکھا کے کہا تشنہ کام ہوں

۲۰۳

سر پیٹ کر امام پکارے کہ ہائے ہائے
جاں اپنی دے کے لوں اگر اک جام ہاتھ آئے
بیٹا حسینؑ ڈھونڈھ کے پانی کہاں سے لائے
اے نورِ عین پیاس تمہاری خدا بجھائے
سیّد سے بغض ہے سبب بد صفات کو
گھیرے ہوئے ہیں خون کے پیاسے فرات کو

۲۰۴

آنسو بہے یہ سنتے ہی اس رشکِ ماہ کے
کروٹ امامِ دیں کی طرف لی کراہ کے
چاہا کہ ملیے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کھولا جو منہ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
اینٹھی زباں تو ہونٹھ بھی تھرا کے رہ گئے
گیسو زمینِ گرم پہ بل کھا کے رہ گئے

۲۰۵

جھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا کدھر گئے
باتیں بھی کچھ نہ کیں کہ جہاں سے گذر گئے
غش آگیا ہے دردِ جگر سے کہ مر گئے
چلتے تھے ہم بھی اور دم بھر ٹھہر گئے
یوں قافلے سے چھوٹ کے شبیرؑ رہ گیا
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

۲۰۶

سمجھے تھے ہم جئے گا نہ پیر و جواں کا ساتھ
غربت میں کون دے پدرِ ناتواں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ
وا حسرتا کہ چھوٹ گیا کاروان کا ساتھ
خیر آگے آگے جاتے ہو تم آسرا تو ہے
گو ہم شکستہ پا ہیں پہ سر پہ خدا تو ہے

۲۰۷

آگے تمہارے مر نہ گئے ہم ہزار حیف
تم نے کیا نہ باپ کا ماتم ہزار حیف
نکلا نہ اب بھی تن سے مرا دم ہزار حیف
یہ غم ادھر یہ الم و غم ہزار حیف
گھر جیسے دم سے ہو وہ سعادت نشاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیے نوجواں مرے

۲۰۸
تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بیٹے کی لاش پر
اک غل اٹھا حرم سے کہ ہے ہے جواں پسر
اس سانحہ کی ہو گئی رانڈوں کو بھی خبر
بچوں کو لے کے بیبیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبر دست و پا نہ تھی
سر پر کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

۲۰۹
سب بیبیوں میں ایک ضعیفہ کا تھا یہ حال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپ بسملوں کی چال
خم تھا کمر میں دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کدھر ہے ارے میرے نونہال
دیتی ہوں واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ مجھے بتا دے کوئی قتل گاہ کا

۲۱۰
کچھ سوجھتا نہیں مجھے مقتل ہے کس طرف
جس میں چھپا ہے چاند وہ بادل ہے کس طرف
زخمی ہے جس میں شیر وہ جنگل ہے کس طرف
لوگو شبیہ احمدؐ مرسل ہے اس طرف
اسکا پیام کچھ اسے دینے کو آئی ہوں
اپنی مراد دل والے کو لینے کو آئی ہوں

۲۱۱
ہے ہے کدھر ہے گیسوؤں والا پسر مرا
کس خاک پر تڑپتا ہے لخت جگر مرا
جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا
کس نخل کے تلے ہے وہ نورس ثمر مرا
پیٹوں گی بین کر کے تن پاش پاش پر
بٹھلا دو ہاتھ تھام کے اکبرؑ کی لاش پر

۲۱۲
لوٹا اجل نے میرے بھرے گھر کو ہے غضب
بگڑے کیا شبیہ پیمبر کو ہے غضب
خوں میں ڈبو دیا مہ انور کو ہے غضب
برچھی لگی مرے علی اکبرؑ کو ہے غضب
اس عمر میں یہ نخل جوانی کا پھل ملا
بستی مری لٹی تجھے کیا اے اجل ملا

۲۱۳
اے میرے خوش بیاں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے تن کی جاں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے نوجواں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے قدرداں مجھے اپنی صدا سنا
عاشق کے دل کو صبر کہاں ہے فراق میں
گھر سے نکل پڑی ہوں ترے اشتیاق میں

۲۱۴
اے پیچ دار گیسوؤں والے ترے نثار
اے مشکبار گیسوؤں والے ترے نثار
اے یادگار گیسوؤں والے ترے نثار
اے میرے چار گیسوؤں والے ترے نثار
دنیا سیاہ ہو گئی رستہ پہاڑ ہے
جنگل بسا ہوا ہے مرا گھر اجاڑ ہے

۲۱۵
اے میرے گل بدن مرے ابرو کماں جواں
اے میرے صف شکن مرے حیدرؑ نشاں جواں
اے میرے کم سخن مرے شیریں بیاں جواں
اے میرے تیغ زن مرے شیر ژیاں جواں
لاکھوں سے معرکہ تپش آفتاب میں
دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں

۲۱۶
وہ بھینی بھینی تن کی مجھے بو سنگھاؤ پھر
کھل جائے ماں کا غنچۂ دل مسکراؤ پھر
ماں صدقے جائے تھکتے ہوئے گھر میں آؤ پھر
جی بھر کے میں گلے سے لگا لوں تو جاؤ پھر
غربت میں شوق سے شہ والا کا ساتھ دو
مجکو بٹھا کے پردے میں بابا کا ساتھ دو

۲۱۷

گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یوں کہا
مریمؑ ہے یا خدیجہؑ ہے یا بنتِ مصطفےٰؐ
خواہر حسینؑ کی ہے نواسی نبیؐ کی ہے
بی بی یہ کون سی ہے جو نکلی ہے بے ردا
بولا وہ کانپ کر کہ قیامت ہوئی بپا
منہ پھیرلے ارے یہی بیٹی علیؑ کی ہے

۲۱۸

لکھتا ہے ایک راویِ غمگین دل کباب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامنِ سحاب
اُڑ اُڑ کے آشیانوں سے طائر پھڑکتے تھے
تھی دشتِ نینوا میں وہ بی بی جو بے نقاب
گیتی کو زلزلہ تھا زمانے کو اضطراب
جنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پٹکتے تھے

۲۱۹

اس حشر میں جو شہ نے بہن کی سنی صدا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینبؑ برہنہ پا
سر دھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
جلدی اٹھا کے لاش چلے شاہ کربلا
رو کر پکارے وا اسفا وا مصیبتا
گھر میں چلو بہن علی اکبرؑ خفا نہ ہو

۲۲۰

اب روک لے کمیتِ قلم کی عناں انیس
پیری ہے یہ سفر کا رہے دھیان یاں انیس
پیچھے مسافرانِ عدم لے چلے ہیں
بزمِ عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیس
کیا جانیے رواں ہو یہ کب کارواں انیس
جس قافلے میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں

سلام

سلامی خلق کا آغاز و انجام اسپہ ظاہر ہے
کہ جو اوّل ہے ہر اوّل سے ہر آخر سے وہ آخر ہے

الٰہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو
کہ میں ہوں بندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دو عالم دو ورق ہیں اک کتابِ وصفِ حیدرؑ کے
یہ مجموعہ ہے وہ جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے

کہا عباسؑ نے پانی تو پینے دو مسلمانو
تمہارا میہماں سیدؑ ہے بیکس ہے مسافر ہے

جو اچھے ہیں انھیں ملتا ہے مرکر قرب اچھوں کا
قریب قبر سرور تربتِ ابنِ مظاہر ہے

کہا حضرت نے حرؑ سے تیرا فاقہ ہے بچوں پر
مرے احوال سے رزاقِ عالم خوب ماہر ہے

حسین ابن علیؑ کہتے تھے گر امت کے کام آئے
یہ بچے بھی مرے موجود ہیں یہ سر بھی حاضر ہے

بھلا ان کی ثنا کیونکر کرے کج مج بیاں مجھ سا
فرشتوں کی زباں مداحیِ حیدرؑ میں قاصر ہے

پیادہ سید سجادؑ سوئے شام جاتے ہیں
نہ محمل ہے نہ ہودج ہے نہ اشتر ہے نہ قاطر ہے

قطعہ

پکارا خولیِ ملعون صف آرا جب ہوئے حضرت
نبی مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے

حصین ابن نمیرِ رو سیہ نے تب کہا ہنس کر
پسر اولادِ نبی کا سحر ہے جو تجھ پہ ظاہر ہے

حبیب ابن مظاہر یہ پکارے او شقی چپ رہ
خدا لعنت کرے بے دیں ہے تو مرتد ہے کافر ہے
نبی کے لال کے رتبہ سے شاید تو نہیں واقف
یہ اعلیٰ ہے یہ اتقیٰ ہے یہ طیب ہے یہ طاہر ہے
یہ وہ شبیرؑ ہے ماں ہے جناب فاطمہؑ جس کی
یہ وہ سید ہے جو قبر محمدؐ کا مجاور ہے
اگر ہو شبہ تجھ کو پوچھ لے اوروں سے لشکر میں
ارے او کور باطن اس کا رتبہ سب پہ ظاہر ہے
کلید قفل جنت ہے ولائے آل محمدؐ کی
خدا کو جس نے پہچانا وہی ان سے بھی ماہر ہے
کسی کا کچھ گلا کرتا نہیں دو دن کے فاقے ہیں
خدا کا دوست ہے دیندار ہے صابر ہے شاکر ہے
جو اندھا ہے تو آنکھیں مل کے مل نعلین سرور پہ
نبی کے لعل کی خاک قدم کحل الجواہر ہے
سخی ایسا ہے یہ سید کہ ہر امت عاصی
شا دینے کو گھر موجود ہے مرنے کو حاضر ہے
مدینے سے سوئے کعبہ گیا کعبے سے یاں آیا
یہ رہبر ہے یہ سید ہے یہ صابر ہے یہ شاکر ہے
ہزاروں دل کے لڑنے آئے ہو بیکس سے مہماں سے
نہ کچھ اسلام کا ہے پاس نے ایماں کی خاطر ہے
چڑھائی کس پہ ہے فوجوں کی کس کو قتل کرتے ہو
کوئی اس ماجرے کا پوچھنے والا بھی آخر ہے
یہ ہر افضل سے افضل ہے یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
یہ ہر بہتر سے بہتر ہے یہ ہر نادر سے نادر ہے
کیے ہیں پا پیادہ بیس حج اس نے مدینے سے
یہ حق کا برگزیدہ ہے یہ حاجی ہے یہ زائر ہے
زباں جل جائے گی تیری معاذ اللہ توبہ کر
شقی تو صاحب اعجاز کو کہتا ہے ساحر ہے
خبر لینا انیسؔ زار کی یا احمد مرسل
تمھاری آل کا مداح ہے سید ہے ذاکر ہے

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستان یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

[illegible] جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیسؔ
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

مرثیہ

کیا بحر ہے وہ بحر کنارہ نہیں جس کا
کیا دکھ ہے تعلق دل کو گوارہ نہیں جس کا
کیا رنج ہے وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
کس تیغ کا ہے زخم کہ چارا نہیں جس کا
صابر بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج و الم ہے
اک داغ ہے اولاد کا اک بھائی کا غم ہے

۲

دشمن سے بھی دنیا میں برادر نہ جدا ہو
جاں تن سے نکل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
لشکر کی جو زینت ہے وہ صفدر نہ جدا ہو
وابستہ ہو دم جس سے وہ دم بھر نہ جدا ہو
دولت ہے بڑی بیٹے کا اور بھائی کا جینا
انساں کے لئے موت ہے تنہائی کا جینا

۳

بے کار ہے وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
کون اس کا ہے بجز زینت پہلو نہیں جس کا
کیا صبر کرے قلب پہ قابو نہیں جس کا
ہستی کا چمن خار ہے گل رو نہیں جس کا
برچھی اسے لگتی ہے جو ناشاد کو دیکھے
جب صرف خزاں گلشن اولاد کو دیکھے

۴

ہر غم سے زمانے میں فزوں تر ہیں یہ دو غم
کٹتا ہے جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
سو داغ کے سو غم کے برابر ہیں یہ دو غم
موت اس کی ہے جس شخص کے دل پر ہیں یہ دو غم
سب دکھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے

۵

ہوتا ہے بہت نیک پسر باپ کو پیارا
کر دیتا ہے یہ داغ کلیجے کو دو پارا
پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھ کا تارا
بھائی ہے مگر زیست کا بھائی کی سہارا
مر جائے پسر تو ہے پھر امید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہے پدر کی

۶

جس شخص پہ یہ رنج و الم ہو وہی جانے
تیغوں سے تن جس کا قلم ہو وہی جانے
دل جس کا تہ تیغ دو دم ہو وہی جانے
جس دردرسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
مظلوم سے باعث نفس سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بسمل سے مزا درد کا پوچھو

۷

حضرت نے یہ دو داغ سہے دل پہ برابر
بھائی بھی وہ بھائی کہ جو تھا ثانی حیدرؑ
اک فرقت عباسؑ اور اک رحلت اکبرؑ
فرزند وہ فرزند کہ تصویر پیمبرؑ
آنکھوں سے نہاں چاہنے والے ہوئے دونوں
مقتول جواں گود کے پالے ہوئے دونوں

۸

بھائی کو وہ لب نہر پہ روئیں کہ پسر کو
توڑا ہے علمدار کے ماتم نے کمر کو
ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
چھوڑا ہے جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
فوج غم و اندوہ میں شبیرؑ گھرے ہیں
اک جان پہ دو کوہ الم ساتھ گرے ہیں

۹

دو آفتیں بالائے سر آئی ہیں غضب ہے
دو برچھیاں اک دل میں در آئی ہیں غضب ہے
دو تیغیں جگر تک اتر آئی ہیں غضب ہے
دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہے
جینا غم جانکاہ میں مشکل ہے بشر کا
پتھر کا کلیجہ تو نہیں دل ہے بشر کا

۱۰

ہیں خاک نشیں زیرِ علم حضرتِ شبیرؑ
وارث کو سنبھالے ہوئے ہے بانوئے دلگیر
اور سامنے ہے خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
جب پیٹتے ہیں ہاتھ پکڑ لیتی ہے ہمشیر
فرماتے ہیں صدمے ہیں بڑے بھائی کے غم کے
اللہ تڑپنے دو ہمیں گرد علم کے

۱۱

تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا
وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا
رونے دو کہ جی بھر کے ابھی میں نہیں رویا
سر پر سے مرے آج علیؑ اٹھ گئے گویا
ہے داغ بڑا بھائی کے مرجانے کا مجھ کو
کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو

۱۲

عاشق مرے بچپن کا سدھارا میں نہ روؤں
آنکھوں سے نہاں ہو گیا تارا میں نہ روؤں
اعدا نے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
لوٹا گیا لشکر مرا سارا میں نہ روؤں
پھٹ جائے جگر جس کا وہ بے پر نہیں روتا
کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا

۱۳

مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی
ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی
جیتا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
خوں اسکا بہا چشم بھی پُرنم نہ کروں میں
ہے ہے یہ غم ایسا ہے کہ ماتم نہ کروں میں

۱۴

منھ رونے کو ڈھانپو صفِ ماتم کو بچھاؤ
بھابھی سے کہو زیرِ علم رونے کو آؤ
پُرسا مجھے دو بین کرو خاک اڑاؤ
مجھ تک کوئی عباسؑ کے فرزند کو لاؤ
اب منھ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
روئے گا حسینؑ اپنے بھتیجے سے لپٹ کر

۱۵

غش ہو گئے کہہ کر یہ سخن حضرتِ شبیرؑ
قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغیر
ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہمشیر
فرزند کو رو سکتی نہیں بانوئے دلگیر
تصویر کی پاس آپ کے حیرت میں کھڑی ہے
تنہا علیؑ اکبرؑ کی مرے لاش پڑی ہے

۱۶

دل ماں کا ہے کس طرح کلیجے کو سنبھالے
پر اب تو اسے آپ کے جینے کے ہیں لالے
مرجائے وہ اٹھارہ برس تک جسے پالے
کہتی ہے خدا کو کہ تو زہراؑ کی بچا لے
جو کچھ بھی ہے بے جا نہیں واللہ بجا ہے
وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہے

۱۷

عباسؑ کو روتے ہیں جواب اے شہِ ابرار
فرزند کے لاشے کو بھی دیکھا نہیں زنہار
بیتاب ہے بسمل کی طرح وہ جگر افگار
ہے لب پہ یہی ہائے علمدار علمدار
کہتی ہے غش آتے ہیں شہِ جن و بشر کو
تھامو انھیں لوگو میں نہ روؤں گی پسر کو

۱۸

بانوؑ کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
کلثومؑ کے ہمراہ اٹھیں زینبِ مضطر
لے آئے کوئی زیرِ علم لاشۂ اکبرؑ
نزدیک علم لا کے رکھی لاش زمیں پر
حضرت نے کہا اب مرے دلبند کو رو دو
عباسؑ کو بس رو چکیں فرزند کو رو دو

۱۹

آغوش میں ہو لاش جواں بیٹے کی بانو
ہو جائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
پھر پاؤ گی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
بس آخری رخصت ہے یہ ماں بیٹے کی بانو
بس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں
کس شان سے چھاتی پہ سناں کھائے پڑے ہیں

۲۰

دل کھول کے رو لو کہ یہ اولاد کا غم ہے
مظلوم کا ماتم ہے یہ بے کس کا الم ہے
بانو تمہیں روح علی اکبر کی قسم ہے
ہم بھی انہیں رو لیویں کہ وقفہ کوئی دم ہے
کیوں کر انہیں یہ تشنہ دہاں باپ نہ روئے
دادی سے کہیں گے ہمیں ماں باپ نہ روئے

۲۱

مجبور ہے ان سے پدر بے کس و بے پر
لے جائیں کہاں لاشۂ ہم شکل پیمبر
دو روز کے پیاسے مرے گھر سے گئے اکبر
ساماں نہ کفن کا ہے نہ ہے قبر میسر
تابوت بھی اٹھوا نہیں سکتا پدر ان کا
کس عالم غربت میں ہوا ہے سفر ان کا

۲۲

یہ کہتے ہی حضرت پہ ہوئی رقت طاری
فرزند کا منہ کھول کے بانو یہ پکاری
منہ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کے کئی باری
اٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے ہیں شبیر
صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شبیر

۲۳

بس سو چکے اٹھو علی اکبر علی اکبر
کیا ہو گیا تم کو علی اکبر علی اکبر
آواز مجھے دو علی اکبر علی اکبر
ہے ہے مرے کم گو علی اکبر علی اکبر
غفلت تمہیں ایسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے
نیند آج یہ کیسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

۲۴

بیٹا علی اکبر مجھے ماں کہہ کے پکارو
داری میں پریشان یہ گیسو تو سنوارو
ہتھیار سجو باپ کے ہمراہ سدھارو
مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اتارو
دن ڈھل گیا اب کون سا سونے کا محل ہے
یہ نیند جوانی کی ہے یا خواب اجل ہے

۲۵

صدقے گئی سنتے نہیں شاید مرا رونا
اٹھو تو بچھا دوں یہ ماں نرم بچھونا
بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
اب چونکو میں صدقے گئی بستر چین سے سونا
ہے فرش کی جا خاک تن زار کے نیچے
تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے

۲۶

ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیند تمہاری
اب سوتے ہو اور گرد ہے یہ گریہ و زاری
گر بولتا تھا کوئی تو چونک اٹھتے تھے واری
کیوں کر تمہیں چونکائے یہ ماں درد کی ماری
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم مر گئے بیٹا

۲۷

اب گھر میں مرے کس کی دلہن آئے گی اکبر
تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی اکبر
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبر
زہرہ گئی ہو تم کو کہاں پائے گی اکبر
معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مرو گے
چھوڑا نہیں اب قبر کو آباد کرو گے

۲۸

کیا شکل یہ اے غنچہ دہاں ماں کو دکھائی
تم نے نہ دلہن اے مری جاں ماں کو دکھائی
نکلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی
ایامِ بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی
دادی کے ملاقات کے شائق ہوئے بیٹا
موت آ گئی جب بیاہ کے لائق ہوئے بیٹا

۲۹

اب سو گئے سنّی کے تلے اے علی اکبرؑ
دنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اے علی اکبرؑ
اماں کی مرادوں کے پلے اے علی اکبرؑ
سبزے کے نکلتے ہی چلے اے علی اکبرؑ
برچھی لگی یہ نخلِ تمنا میں پھل آیا
خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیامِ اجل آیا

۳۰

ہے ہے مرے ارمان بھرے پیاس کے مارے
اس دارِ فنا سے مری جاں تم تو سدھارے
ہے ہے مری پیری کے عصا آنکھوں کے تارے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
ساتھ اپنے مزا زیست کا لیتے گئے واری
بیٹے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

۳۱

یاں حشر بپا تھا کہ پکارے کئی خونخوار
بس رو چکے اب جنگ کو آئیں شہِ ابرار
ہے دیر سے مقتل میں صفیں فوج کی تیار
ہو جائے نہ بے پردگیِ عترتِ اطہار
گر روکتی ہیں بیبیاں زہراؑ کے پسر کو
ہم آ کے وہیں کاٹیں گے شبیرؑ کے سر کو

۳۲

اٹھے یہ صدا سن کے شہِ صابر و شاکر
بانو کو سنایا کہ خدا حافظ و ناصر
زینبؑ سے کہا لاؤ بہن خلعتِ آخر
بیٹی سے کہا ہوتا ہے رخصت یہ مسافر
اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہے
نامحرم اگر خیمے میں آئے تو غضب ہے

۳۳

کافر ہیں وہ یہ بے ادبی ان سے نہیں دور
یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدور
ہے آلِ محمدؐ کی تباہی انھیں منظور
عباسؑ کے مر جانے سے ہم ہو گئے مجبور
سنتا یہ سخن صاحبِ شمشیر ہمارا
جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا

۳۴

ہر بی بی کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ تقریر
سر پیٹ کے ہاتھوں پہ گری خاک پہ ہمشیر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیرؑ
اکبرؑ کا بھی غم بھول گئی بانوئے دلگیر
گودی سے رکھا خاک پہ دلبند کا لاشہ
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے فرزند کا لاشہ

۳۵

گر کر قدمِ شہ پہ کہا اے شہِ عالی
کی موت نے لونڈی کی بھری گود تو خالی
سر پر مرے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
چھوڑو نہ مجھے اے مرے آقا مرے والی
وارث شہِ والا کے سوا کوئی نہیں ہے
میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہے

۳۶

اک بار جو تکلیف اسیری کی اٹھائی
زہراؑ کی ہو جاتی ہے ساری خدائی
تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
جس دن سے ہوا وصل نہ دیکھی تھی جدائی
ان قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانو
اب کی جو ہوئی قید تو مر جائے گی بانو

۳۷

بچوں کا ہے ساتھ اے مرے سید مرے سرور
فرقت میں سکینہ کو قرار آئے گا کیوں کر
اک لال ہے بیمار تو اک رانڈ ہے دختر
اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہے خوگر
نادان ہے مچلی تو سنبھلنے کی نہیں یہ
صدقہ گئی لونڈی سے تو پلنے کی نہیں یہ

۳۸

حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہے
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہے
حمد اور پرستش کا سزاوار خدا ہے
چھن جائے ردا سر سے تو ستار خدا ہے
اولاد علیؑ عقدہ کشائی کے لیے ہے
یہ قید تو امت کی رہائی کے لیے ہے

۳۹

میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریہ و زاری
یہ فیض اسی کا تھا مرے ہاتھ سے جاری
مظلوم غریب الغربا بندۂ باری
وارث وہی مالک وہی عزت کا تمہاری
عورت کا رنڈاپا بھی گذر جاتا ہے صاحب
شوہر کے لیے کیا کوئی مر جاتا ہے صاحب

۴۰

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند
مرجاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند
لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کی پابند
جیتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولاد حسنؑ کو

۴۱

کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اٹھ گئے بھائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

۴۲

سجادؑ ہو کبریٰؑ ہو سکینہؑ ہو کہ صغریٰؑ
ہوگا وہی جو جس کے مقدر میں ہے لکھا
بندے ہیں سب اس کے وہی مختار ہے سب کا
ہم شکل نبیؐ مر گئے تب ہم نے کیا کیا
جلدی میں وصیت کے سخن ہو نہیں سکتے
فرزند جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے

۴۳

جیتا ہے ہمیشہ بھی کوئی دار محن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں
یہ روح ہے مہماں کوئی دم خانۂ تن میں
ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر شام کو دس بیس چراغ سحری ہیں
ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سفری ہیں

۴۴

جاری ہے سدا حکم تغیری و بحالی
گھر ہوتا ہے آباد کوئی اور کوئی خالی
موہوم ہے جاہ و حشم و ملکی و مالی
ہو جاتی ہے عورت کوئی بے وارث و والی
آباد کوئی ہوتا ہے لٹ جاتا ہے کوئی
پھنستا ہے کوئی قید سے چھٹ جاتا ہے کوئی

۴۵

اک باغ میں بے زر ہے کوئی اور کوئی زردار
آزاد ہے گر سرو تو قمری ہے گرفتار
صحت سے کوئی صورت نرگس کوئی بیمار
گل ہیں جو چمن میں کہیں جا پر تو کہیں خار
اشکوں سے رخ گل کو سدا دھوتی ہے شبنم
غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہے شبنم

۴۶

شادی ہے کسی شخص کی غم کھاتا ہے کوئی
خلعت کوئی پاتا ہے کفن پاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی
کھلتا ہے کوئی پھول تو مرجھاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
دنیا بھی مرقع ہے عجب شادی و غم کا

۴۷

گہ تختۂ تابوت ہے گہ مسند شاہی
اک آتا ہے دنیا میں تو اک ہوتا ہے راہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضل الٰہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہے جو آتی ہے تباہی
سلطان کفن کے لئے محتاج ہوئے ہیں
لاکھوں ہی گھر اسطرح سے تاراج ہوئے ہیں

۴۸

آرام کی جاگہ نہیں یہ غم کدۂ دہر
گھر سیکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہے وہ پُرقہر
ویران نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
شیرینیٔ دنیا ہے مسافر کے لئے زہر
زندہ ہے اگر آج بھروسا نہیں کل کا
چکھے گا ہر اک ذائقہ تلخیٔ اجل کا

۴۹

گھبرائے نہ کس طرح مسافر کا تن زار
نے راحلہ نے زاد نہ رہبر نہ مددگار
وہ جرم کی پرسش وہ نکیرین کی گفتار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شب تار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جسکو
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

۵۰

کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
نے ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑیں گے بہرحال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال
ہمدرد بجز بیکسی و یاس نہ ہوگا
سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا

۵۱

سب جیتے ہی جی تک ہیں برادر ہوں کہ فرزند
ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
کیا رشتہ پھر اس سے جو ہوا خاک کا پیوند
پر ہم سے تو پہلے ہی جدا ہو گئے دلبند
کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہے
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

۵۲

فرما کے یہ شبیر کو رقت بہت آئی
گردان کے دامان قبا لاش اٹھائی
اک غل جو ہوا لٹتی ہے زہرا کی کمائی
غش ہو گئی مخدومۂ کونین کی جائی
سمجھا کے ہر اک رانڈ کو آقا نکل آئے
لاشہ لیے باہر شہ والا نکل آئے

۵۳

دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
میت پہ بھی پیکان ستم لگ گئے دو چار
فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہ ابرار
ورثہ نہیں عمو کا ملا اے مرے دلدار
عادی ہیں لڑکپن سے ہم اس رنج و محن کے
مارے تھے یوں ہی تیر جنازے پہ حسن کے

۵۴

یہ کہتے ہوئے لاش کو مقتل میں جو لائے
میت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے
چلّائے کہ ہے گرم زمیں اے مرے جائے
بتلاؤ پدر کون سی جا تم کو سلائے
فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے
اے خاک خبردار مرے راحت جاں سے

٦٤

حضرت نے کہا بندے پہ ہے فضلِ الٰہی
پیری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی
سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
ہاں ہاں مجھے منظور نہیں ان کی تباہی
مہلت ابھی دے تو انھیں گو بے ادبی کی
وہ نوح کی امت تھی یہ امت ہے نبی کی

٦٥

یہ کہہ کے فرس تھم گئے غمگین و المناک
حضرت سے کہا اے پسرِ سید لولاک
کچھ عرض کو تب آئی ہوا اڑنے لگی خاک
ہو حکم تو اس نوح کا قصہ ہی کروں پاک
ان روح سے خالی ہوں تنِ خاک سے بھر جائیں
آندھی ابھی یوں آئے کہ ٹکرا کے یہ مر جائیں

٦٦

بھر کر نفسِ سرد یہ بولے شہِ ذی جاہ
ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
واللہ ہوا میں تو ہوں ان سب کا ہوا خواہ
برباد ہو امت یہ گوارا نہیں واللہ
مشکل نہیں کچھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
کھائیں گے ہمیں برچھیاں اس گرم ہوا میں

٦٧

یہ کہہ کے ہوئے جلوہ فزا خانۂ زیں پر
پرتو سے بچھی چادرِ مہتاب زمیں پر
خاتم پہ نگیں جیسے ہو اور نقش نگیں پر
بوسہ دیا نصرت نے رکابِ شہِ دیں پر
جبریل و سرافیل سپرداری کو آئے
اقبال و حشم حاشیہ برداری کو آئے

٦٨

ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم زہے شان
چلائے علیؑ واہ یہ جرأت ہے مری جان
ہاں ابن ید اللہ ترے ہاتھ ہے میدان
زہراؑ نے صدا دی تری تنہائی کے قربان
گھوڑے پہ شہادت کی بدولت تگ و دو میں
محبوبِ خدا ساتھ ہیں سر ننگے جلو میں

٦٩

پیشانیِ پُرنور سے تھا دن میں اُجالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے بالا
رخ اور خطِ رخسار یہ مہتاب وہ ہالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکرِ تہ و بالا
دیکھے سے نہ کیوں ہوش اُڑیں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

٧٠

جلتے رہیں کیونکر نہ مہ و خورِ سحر و شام
خال اور خطِ شبیرؑ وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رخِ گلفام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بجلی کو تو دیکھو کہ عجب شوکت و شاں ہے
شبیرؑ کے یہ حسن کے لشکر کا نشاں ہے

٧١

یکجا جو مناسب تھے نہ وہ مردمِ بیمار
اک شاخ ہے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
صانع نے اٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
یا یہ الفِ ماہِ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر یہ کلی گل کی دھری ہے

٧٢

آتی ہے ثنا سے دُرِ دنداں جو زباں پر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
تقریر کے رشتہ میں پروتا ہوں میں گوہر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس انکا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

۷۳
دل کو نشا گردن کی صفا پر نہیں قربان
گویا کہ ہلالِ شبِ اوّل ہے گریبان
مہتاب کو ہے جن کے گلے ملنے کا ارمان
شانوں سے نشانِ اسدِ حق ہے نمایان
حیراں ہے نظر دوشِ مبارک پہ کہاں ہے
یا قوس میں خورشید جہانتاب نہاں ہے

۷۴
ہیں بازوئے شبیر کہ شاخِ شجرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو شانے ہیں درِ حسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہمدست کفِ حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

۷۵
شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
درپیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
جس جا گذر ان کا ہے وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدہ کو ملک عرشِ بریں سے
احساں یہ ان ہی پاؤں کے ہیں اہلِ زمیں کے

۷۶ مطلع دوم
جب ظہر تلک لٹ گئی سرکارِ حسینی
خالی رنقا سے ہوا دربارِ حسینی
راہی سوئے جنت ہوئے انصارِ حسینی
مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
نے مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی
ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

۷۷
اس وقت بھی مولا پہ عجب شوکت و شاں تھی
منھ زرد تھا نیلے تھے لب اور خشک زباں تھی
تصویرِ غم و درد سراپا سے عیاں تھی
تھرائے ہوئے ہاتھوں میں گھوڑے کی عناں تھی
نسبت ہے سرو سے قدِ راست کے خم کو
ہاتھوں سے رکابوں نے سنبھالا ہے قدم کو

۷۸
لپٹے تھے جو لاشے سے پسر کے کئی باری
تھا گھوڑے پہ اس رنگ سے وہ عاشقِ باری
خونِ علی اکبرؑ سے قبا سرخ تھی ساری
جس طرح سے جائے کسی دولھا کی سواری
معلوم یہ ہوتا تھا کہ چھوٹے ہیں دلہن سے
آجاتی ہے پھولوں کی مہک صاف بدن سے

۷۹
افسردہ تھا چہرۂ نورانیِ شبیرؑ
زلفوں سے نمایاں تھی پریشانیِ شبیرؑ
روشن تھی رخِ مہر سے پیشانیِ شبیرؑ
تھراتے تھے سب سن کے رجز خوانیِ شبیرؑ
نعرہ تھا کہ میں نام و نشانِ ابِ جد ہوں
روباہ ہیں سب میں اسدِ حق کا اسد ہوں

۸۰
دو نور کے دریا جو ملاقی ہوئے اک بار
وہ شمس و قمر عرشِ خدا کے جو ہیں سیار
پیدا کیا اللہ نے مجھ سا دُرِ شہوار
ہیں جن کی ضیا سے مہ و خور مطلعِ انوار
روشن ہے شرف خلق پہ جن دونوں کے گھر کا
میں اخترِ تابندہ ہوں ان شمس و قمر کا

۸۱
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے اصل نبوت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے فرع ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کے سایہ میں ہے جنت
میوہ بھی اسی کا ہوں اسی کا گلِ تر ہوں
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں جسکا میں ثمر ہوں

۸۲

میں عطر گل سرسبد باغ جناں ہوں
کاذب نہیں میں مخبر صادق کی زباں ہوں
پانی ہو دل سنگ وہ اعجاز بیاں ہوں
کوثر کا تو مختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں
سب کے لیے رحمت ہوں عنایت ہوں خدا کی
کھو دو نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی

۸۳

زہرا مری مادر ہے مرا باپ علی ہے
فرزند ید اللہ شجاع ازلی ہے
احمد کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہے
یہ تیغ وہ ہے جو سر مرحب پہ چلی ہے
کیا منہ ہے جو وار اس کا رکے فوج ستم سے
جبریل کے پر جلتے ہیں اس برق دو دم سے

۸۴

دعویٰ ہو جسے تیغ شرربار کو روکے
ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
ضرب ید خلعت حیدر کرار کو روکے
بجلی کو جو روکے وہ مرے وار کو روکے
گردوں پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رکے گی
تم کیا ہو پر روح الامیں سے نہ رکے گی

۸۵

لو تیغ شرربار نکلتی ہے خبردار
لو زہر یہ ناگن اب اگلتی ہے خبردار
لو ضرب مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
لو تیغ علی رنگ بدلتی ہے خبردار
بخشا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو
سنبھلو کہ لیا مرگ مفاجات نے تم کو

۸۶

یہ سنتے ہی لشکر تو ہوا سب تہ و بالا
کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
اور آپ نے قبضے پہ ادھر ہاتھ کو ڈالا
غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے بانبی سے نکالا
کاٹا جسے پھر کب اسے یارائے سخن ہے
دیکھو تو زبانیں تو ہیں دو ایک دہن ہے

۸۷

یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی تن سے
زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اترے گا بدن سے
لشکر پہ خزاں لائے گی جوہر کے چمن سے
اژدر ہے نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
زور اس پہ کسی کا تہ گردوں نہ چلے گا
جس دم یہ چلے گی کوئی افسوں نہ چلے گا

۸۸

دریا میں تلاطم ہوا لشکر میں ہوا شور
ڈر سے اڑے کبک تو جنگل سے اڑے مور
جس شور سے بہرام کی تھرانے لگی گور
صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
آمد میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

۸۹

ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
دہشت سے دلیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
روکا سپر مہر کو چہرے پہ فلک نے
دیکھا زرہ جسم کو تھرا کے سمک نے
پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہ دیں کی
خم ہو گئی ضربت سے کمر گاؤ زمیں کی

۹۰

بجلی کی تڑپ اسپ دلاور نے دکھائی
اور آنکھ ہر اک فرد کو جوہر نے دکھائی
تصویر اجل تیغ دو پیکر نے دکھائی
قوت اسد اللہ کی سرور نے دکھائی
تیر ایک طرف تیر فگن ایک طرف تھے
سر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے

۹۱

چمکی صفت برق جو شمشیر سر انداز
گوشے میں چھپا سہم کے ہر خانہ بر انداز
انداز وغا بھول گئے سب قدر انداز
رخ پھر گئے بھاگے صفت تیر دہ انداز
گھبرا گئے چلّے کو ہر اور تیر کماں کے
خود اہل خطا پھنس گئے حلقوں میں کماں کے

۹۲

تھے موت کے حلقے میں کماں دار نظر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا بڑھ کے اگر بند
تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائر پر بند
واکرتا تھا ہر بند کو حیدر کا جگر بند
سب بند کھلے ناخن شمشیر قضا سے
باقی کوئی رہتی ہے گرہ عقدہ کشا سے

۹۳

جانوں کا ابھی زخم نہ زنہار کھلا تھا
ہر زخم کا منہ صورت سوفار کھلا تھا
سر بک رہے تھے موت کا بازار کھلا تھا
دروازہ اجل کا پئے کفار کھلا تھا
زخم ان کو زبس تیغ شرر دم کے لگے تھے
ناری سبھی رستے پہ جہنم کے لگے تھے

۹۴

سب فوج کو نظروں میں زبس تول لیا تھا
تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا
گویا بے چور نگ انھیں مول لیا تھا
صفدر نے در فتح و ظفر کھول لیا تھا
خون تن اعدا سے زمیں لال ہوئی تھی
تلوار کلید در اقبال ہوئی تھی

۹۵

کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اٹھائے
کیا منہ تھا جو کوئی سپر پر خاش اٹھائے
گرزے ہو وہ خود جو تن صد پاش اٹھائے
کس طرح نظر مہر پہ خفاش اٹھائے
آنکھوں میں چکا چوند تھی اس برق دو سر سے
منہ ڈھانپتا تھا ہر ایک سیہ رو نے سپر سے

۹۶

پنہاں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کے اندام
یوں کاٹ کے کڑیوں کو نکل آتی تھی صمصام
صاف اس سے عیاں ہوتے تھے جتنے دد و دام
جس طرح سے ماہی کو نہ ہو دام میں آرام
وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پہ ٹھہرے
دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ ٹھہرے

۹۷

جس وقت چمکتی تھی وہ پرکالۂ آتش
ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
ہو جاتے تھے چار آئینہ والے بھی مشوش
اک ہوش میں رہتا تھا تو ہو جاتے تھے دس غش
ہشیار صدا دیتے تھے جاگو اجل آئی
ہر صف میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

۹۸

چار آئینہ کو آٹھ کے جو کر دیتی تھی تلوار
تھا شور کہ صابون میں رکتا ہے کہیں تار
ششدر تھا کوئی اور کوئی حیراں کوئی ناچار
سر خاک پہ برساتی ہے یہ برق شرر بار
آفاق میں ثانی نہیں اس برق دو سر کا
شمشیر تو یہ ہاتھ یداللہ کے پسر کا

۹۹

گہ غرب کی جانب تو سوئے شرق کبھی تھی
گہ زیر فرس اور بہ سر فرق کبھی تھی
اور خاک میں دنبالہ تلک غرق کبھی تھی
پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
بے دست ستمگاروں کے دستے نظر آئے
ہر ضرب میں سر تن سے برستے نظر آئے

۱۰۰

تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوج ستمگر میں تلاطم
آندھی سی اٹھی جیسے سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہل چل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی نہیں پانی میں تھمی ہے

۱۰۱

رخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
انبار ہیں کشتوں کے صفیں ہو گئیں بے سر
گھبرا کے پکارا پسر سعد ستمگر
اب رحم کا ہنگام ہے یا سبط پیمبر
پروانہ کیا فاش کبھی امت بد کا
مشہور ہے عالم میں کرم آپکے جد کا

۱۰۲

سو بار لعینوں نے کیا قتل کا آہنگ
شکوہ نہ کیا جب در دنداں پہ لگا سنگ
اس رحمت حق نے کبھی اس طرح نہ کی جنگ
گردن میں ردا ڈال کے کھینچی تو ہوئے تنگ
حضرت میں بھی خو بوئے شہنشاہ عرب ہے
کھلتا نہیں اس غیظ کا کیا آج سبب ہے

۱۰۳

حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
تنہا ہیں کئی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
انصاف کر اے ظالم غدار
امت نے دئیے ہیں کسی مرسل کو یہ آزار
ہاں ظلم رسولوں پہ بھی ہر چند ہوا ہے
پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہے

۱۰۴

بے دست ہو کس کا مرا بھائی کا سا بھائی
غربت میں لٹی کون سے مرسل کی کمائی
چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے نے کھائی
اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفائی
یوں باغ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا
ششماہہ پسر قتل ہوا تیر سے کس کا

۱۰۵

اس ظلم پہ کچھ حرف نہیں منہ سے نکالا
لڑتا میں تو تھا کون مرا روکنے والا
میرا ہی یہ تھا کام کہ غصے کو سنبھالا
اک حملے میں تھا دفتر عالم تہ و بالا
ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکر کیں پر
ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر

۱۰۶

کہتے ہیں جسے غیظ وہ اب تک نہیں آیا
ان ہاتھوں نے کب زور ید اللہ دکھایا
جو حکم خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
ڈرتا ہے عبث جنگ سے لے ہاتھ اٹھایا
چرچا رہے اسکا بھی کہ مظلوم نے جاں دی
طالب جو اماں کا ہے تو لے تجھکو اماں دی

۱۰۷

روکوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں یہ میرے
لے فوج سے کہہ دے کہ پھرا کر مجھے گھیرے
دشمن ہے مگر رحم کیا حال پہ تیرے
قاتل کو بلا جلد چھری حلق پہ پھیرے
جرأت کو تو دیکھا پسر شیر خدا کی
مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغربا کی

۱۰۸

کیا حلم ہے کیا صبر نثار شہ دلگیر
خوش ہو کے پھرے دور سے بھاگے ہوئے بے پیر
خوں پونچھ کے مولا نے رکھی میان میں شمشیر
پہلو پہ لگیں برچھیاں چھاتی پہ لگے تیر
پھرتے ہوئے سب سر شہ تشنہ گلو کے
ہر زخم سے چھٹنے لگے فوارے لہو کے

١٠٩
تیروں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار
تھے برچھیوں کے زخم سے پیکانِ ستم پار
تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
باہم تھے بدن پر لبِ زخم اور لبِ سوفار
دھاریں تھیں لہو کی رخِ پاکِ شہِ دیں پر
پیوست ہوئے تھے کئی تیر ایک جبیں پر

١١٠
جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی
خوں سے نظر آتے تھے کفِ دست حنائی
کٹ کٹ کے الگ تھیں ہوگئی ہاتھوں سے جدائی
گلدستۂ فردوس تھی مجروح کلائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیرِ عدو کے
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے

١١١
پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر
غل ہوتا تھا لو گر گئے ہیں اب خاک پہ شبیرؑ
دل تھام کے جھکتے تھے فرس پر شہِ دلگیر
سر پیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہؑ
بسمل کی طرح لوٹتی پھرتی تھی سکینہؑ

١١٢
کہتی تھی یہ ماں کُرتے کے دامن کو پکڑ کر
ننھے سے اُٹھا ہاتھ یہ کہتی تھی وہ دختر
للہ نہ جا رن میں نہ جا اے مری دلبر
تم دیکھو تو ہے ہے یہ ستم ہوتا ہے کس پر
کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو
رہوار سے گر گئے ہیں پدر جانے دو مجھ کو

١١٣
اس خوں سے بھری چاند سی صورت کے میں واری
سر پیٹ کے کرتی ہوں میں جو گریہ و زاری
بھولی نہیں اس دم بھی انھیں یاد ہماری
مڑ مڑ کے اِدھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
زغہ ہے لعینوں کا اِدھر آ نہیں سکتے
مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

١١٤
بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سلائیں
اب دل کو یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ آئیں
ہم ایسے بُرے وقت میں پاس انکے نہ جائیں
اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
رہوار سے گر کر شہِ والا نہ ملیں گے
جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے

١١٥
ماں کہتی تھی واں تیرِ ستم چلتے ہیں واری
کہتی تھی مچل کر یہی وہ پیاس کی ماری
سادات کے بچوں کے بھی دشمن ہیں یہ ناری
جانے دو مجھے جان نہیں باپ سے پیاری
اس وقت اگر روکو گی مجھ خستہ جگر کو
اچھا میں انھیں لوگوں سے پھر لوں گی پدر کو

١١٦
دیکھو مجھے روکو گے تو پچھتاؤ گے لوگو
گر ذبح ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو
پھر لال کو زہراؑ کے کہاں پاؤ گے لوگو
کیا داغِ یتیمی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
فریاد مری سن کے تڑپ جائیں گے بابا
زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا

١١٧
پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی
شبیرؑ کو چلائی وہ دے دے کے دہائی
چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپ کی جائی
یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا
بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

۱۱۸

روئے یہ صدا بیٹی کی سُن کے شہِ ذی جاہ
اک تیر سہ شعبہ جو لگا سینے پہ ناگاہ
نزدیک تھا خیمہ پہ نہ جانے کی ملی راہ
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزندِ یداللہ
تھا دھیان کہ مل لیویں اگر آئے سکینہؑ
بھر کر نفسِ سرد کہا ہائے سکینہؑ

۱۱۹

اس دم نہ سکینہؑ کو رہا ضبط کا یارا
دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہے دھیان ہمارا
چلّائی کہ اماں مجھے بابا نے پکارا
اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا
گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے
کس درد سے بابا نے مرا نام لیا ہے

۱۲۰

یہ کہہ کے تھی دیکھنے پردے کو اٹھا کر
تھا سینۂ اقدس پہ لعیں حلق پہ خنجر
دیکھی وہ قیامت کہ نہ دیکھے کوئی دختر
امت کی دعا مانگتے تھے سبطِ پیمبرؐ
چلّائی سکینہؑ کہ جگر پھٹتا ہے اماں
ہے ہے مرے بابا کا گلا کٹتا ہے اماں

۱۲۱

یاں رہ گئی سر پیٹتی وہ بے کس و مضطر
واں کٹ گیا شمشیرِ ستم سے سرِ سرور
خاموش انیسؔ اب کہ چھری چلتی ہے دل پر
تا حشر نہ کم ہوگا غمِ سبطِ پیمبرؐ
جب تک کہ زمیں پر فلکِ پیر رہے گا
ہر گھر میں یوں ہی ماتمِ شبیرؑ رہے گا

رباعی

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے
کیا عز و شرف امامِ غازی کا ہے
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

رباعی

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلی دیے جاتے تھے مگر
تقریر سے سب کے ہوش کھو گئے تھے حسینؑ
زینبؑ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

رباعی

دل ماتمِ شبیرؑ میں صد پارہ ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہے دریا غم کا
نے ضبطِ فغاں نے صبر کا یارا ہے
ہر موئے مژہ چشم کا فوارا ہے

رباعی

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسینؑ کو نہ روئے اس سال
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

رباعی

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیسؔ
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

مرثیہ

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
حضرت نے کہا قطع محبت کرو ہم سے
سب بیبیاں لپٹیں شہِ والا کے قدم سے
جینے کے نہیں ہم علی اکبرؑ کے اَلم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گُل اندام ملے گا
تب تک نہ ہمیں قبر میں آرام ملے گا

۲

سب مر چکے اب کس کے لیے سر نہ کٹائیں
کس طرح سے اس یوسفؑ گم گشتہ کو پائیں
ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبرؑ پھر چلے آئیں
ہے فرق بصارت میں کہاں ڈھونڈنے جائیں
بے انکے نہ کھانے کا نہ پینے کا مزہ ہے
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزہ ہے

۳

اک جانِ حزیں تا بہ کجا رنج اٹھائے
زخمِ جگر و دل کسے شبیرؑ دکھائے
راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
تاراج نہ اس طرح سے ہو باغ کسی کا
اب مجھ کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

۴

آگے مرے مارے گئے دو بھانجے پیارے
عباسؑ کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے
قاسمؑ بھی دنیا سے پر ارمان سدھارے
اکبرؑ کے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے
اب پاس نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
سو داغ اور اک دل یہ ہمارا ہی جگر ہے

۵

اک عمر میں سو آرزوؤں سے جنھیں پایا
پچھتاتا ہوں کیوں ساتھ وطن سے انھیں لایا
یاں تین پہر میں انھیں ہاتھوں سے گنوایا
تقدیر نے کس کس کا مجھے داغ دکھایا
کیا جانتا تھا خاک میں غم خوار ملیں گے
تاحشر اب ایسے نہ وفادار ملیں گے

۶

میں کہتا تھا کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
بابا کا اٹھائیں گے جنازہ علی اکبرؑ
سب روئیں گے اور غسل و کفن دیویں گے مل کر
سو مر گئے وہ زندہ ہے فرزند پیمبر
روح علی اکبرؑ سے ہمیں شرم بڑی ہے
میدان میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے

۷

جس طرح سے رو پیٹ چکے ان کے اَلم میں
اب جاتے ہیں گھر جانے کو ہم فوجِ ستم میں
ہم کو بھی اسی طرح سے رونا کوئی دم میں
پھر آنے کا یاں حوصلہ باقی نہیں ہم میں
جب جاتے تھے سب گھیر کے لے آتے تھے ہم کو
وہ مر گئے جو پھیر کے لے آتے تھے ہم کو

۸

اب کون ہے جو دوڑ کے روکے گا مری راہ
صدمے جو ہیں مجھ پر کوئی ان سے نہیں آگاہ
جو پاؤں پہ گرتے تھے کوئی ان میں نہیں آہ
واللہ نہیں جینے کا ابنِ اسد اللہ
وہ جیتے کلیجے پہ چھری جس کے چلی ہو
اکبرؑ نہ ہو دنیا میں حسینؑ ابن علیؑ ہو

۹

اللہ کو سونپا تمھیں اے زینبؑ و کلثومؑ
اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم
لگ جاؤ گلے تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم
ہے صبر کا اماں کے طریقہ تمھیں معلوم
مجبور ہیں ناچار ہیں مرضیِ خدا سے
بھائی نہیں جی اٹھنے کا فریاد و بکا سے

۱۰
جس وقت مجھے ذبح کرے فرقۂ ناری
بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ و زاری
رونا نہ سُنے کوئی نہ آواز تمھاری
جو کرتے ہیں صبر اُن کی خدا کرتا ہے یاری
ہوں لاکھ ستم رکھیو نظر اپنی خدا پر
اِس ظلم کا انصاف ہے اب روزِ جزا پر

۱۱
کہہ کر یہ سخن شاہ کے آنسو ہوئے جاری
اے سیّدِ مظلوم بہن ہو گئی واری
چھاتی سے لپٹ بھائی کے زینبؑ یہ پکاری
میں جانے نہیں دینے کی حضرت کی سواری
تب جائیو جب جی سے گزر جائیگی زینبؑ
حضرت نے کمر باندھی تو مر جائے گی زینبؑ

۱۲
دُکھیاری ہوں بھیّا نہ مری آس کو توڑو
برگشتہ زمانہ ہوا منھ تم تو نہ موڑو
صدقے گئی پردیس میں بھینا کو نہ چھوڑو
مجھ سے تو نہ فرماؤ کہ ہاتھوں کو نہ جوڑو
منت بھی کروں گی میں قدم پر بھی گرونگی
سر ننگے مگر قید میں در در نہ پھرونگی

۱۳
نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ ماں ظلم کی ماری
فرماتے تھے سب بہنوں میں تو ہے مجھے پیاری
کس پہ مجھے تم چھوڑ کے جاتے ہو میں واری
سمجھو نہ بہن مجھ کو میں لونڈی ہوں تمہاری
دنیا میں رہیں لاکھ برس آپ سلامت
بس جانتی ہوں میں مرے ماں باپ سلامت

۱۴
اک باقی بزرگوں میں تم اے شاہِ اُمم ہو
حضرت کی قسم مجھ کو جو بیٹوں کا بھی غم ہو
پھر آپ کے کیوں کر نہ بچھڑنے کا الم ہو
دنیا میں کوئی ہو کہ نہ ہو آپ کا دم ہو
بچپن سے کبھی شہر میں بچھڑی نہ سفر میں
سو مرنے کو تم جاؤ میں بیٹھی رہوں گھر میں

۱۵
اے بھائی جہاں جاؤ گے میں ساتھ چلوں گی
تلواروں میں بھی پاس سے ہرگز نہ ٹلوں گی
جنگل میں رہوں گھر کا کبھی نام نہ لوں گی
پر آتشِ فرقت سے تمہاری نہ جلوں گی
اعدا کی لڑائی سے نہ ڈر جائیگی زینبؑ
کٹوا کے گلا تیغ سے مر جائے گی زینبؑ

۱۶
ان باتوں سے زینبؑ کی دلِ شاہ بھر آیا
اور پونچھ کے آنسو یہ محبت سے سنایا
رو رو کے گلے خواہرِ بے کس کو لگایا
تم نے بھی تو ہے صبر بہن ورثہ میں پایا
ہم حلق پہ لیں تیغِ ستم دشتِ بلا میں
تم رنجِ اسیری کا سہو راہِ خدا میں

۱۷
میں اور تم اک دودھ سے بچپن میں پلا ہوں
تقدیر جدا کرتی ہے کیوں کر نہ جدا ہوں
تم صابر و شاکر ہو میں راضی بہ رضا ہوں
مظلوم بہن میں تری الفت پہ فدا ہوں
ماں باپ گئے کیسے تھے ہمت کرو تم بھی
امت کی شفاعت میں شراکت کرو تم بھی

۱۸
ماں صابرہ ہے صبر تو ہے کام تمہارا
مارا گیا ہر ایک گل اندام تمہارا
دکھیاری ہو بے چینی ہے آرام تمہارا
بھائی کو کرو صبر تو ہے نام تمہارا
جو کہتے ہیں ہم اس کو گوارا کرو زینبؑ
شبیرؑ کو امت سے نہ پیارا کرو زینبؑ

۱۹

اس راہ میں گھر لٹنے کا کچھ دھیان نہ لانا
پردا جو نہ ہو بالوں سے چہرے کو چھپانا
چھن جائے ردا سر سے تو سر ننگے ہی جانا
بازو جو بندھے پھر دعا ہاتھ اٹھانا
مقبول بہن عجز ہے درگاہ خدا میں
بندھوایا ہے حیدرؑ نے گلا راہ خدا میں

۲۰

زینبؑ نے کہا جب یہ سنی بھائی کی تقریر
پر آپ کی گردن پہ چلے جب کہ گھڑی شمشیر
مرضی جو یہی ہے تو رضا مند ہے ہمشیر
بھیا نہ کہیں کی رہی ہے ہے مری تقدیر
در در پھروں گی قید میں بھی جاؤں گی بھائی
سب ہوگا مگر تم کو کہاں پاؤں گی بھائی

۲۱

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ صدا رونے کی آئی
کچھ سوچ کے گردن شہ بیکس نے جھکائی
زینبؑ نے کہا بانو کی آواز ہے بھائی
فرمایا کہ جاں کاہ پُر اندوہ جدائی
اک داغ اٹھایا ہے جواں بیٹے کے غم کا
اور دوسرا گرتا ہے پہاڑ اس پہ ستم کا

۲۲

پاس اس کے گئے روتے ہوئے سید ابرار
پیشانی بھی مجروح ہے آنکھیں بھی ہیں خونبار
فرمایا کہ کیا حال ہے اے یار وفادار
ان ہاتھوں سے اکبرؑ نہیں جی اٹھنے کے زنہار
پیغام جو دینا ہو سو دو وقت سفر ہے
ہم بھی وہیں جاتے ہیں جہاں تیرا پسر ہے

۲۳

بانو نے کہا رو رو کے اے سرور والا
کیا وجہ جو اس وقت میں لونڈی کو نہ پوچھا
ثابت ہوا الفت مری کم ہو گئی آقا
قسمت کا گلہ ہے نہیں کچھ آپ کا شکوہ
بہنوں سے تو رخصت ہوئے آئے بھی نہ ہم تک
تھی قدر ہماری علی اکبرؑ ہی کے دم تک

۲۴

اولاد تھی جب تک تو محبت تھی ہماری
جس وقت سے فرزند کے برچھی لگی کاری
بے آس کسی کو نہ کرے حضرت باری
پوچھا بھی نہ حضرت نے کہ کیوں کرتی ہو زاری
تنہا نہیں بانو سے جدا ہو گئے اکبرؑ
حضرت کو بھی ہاتھوں سے مرے کھو گئے اکبرؑ

۲۵

شاہد ہے سکینہؑ کہ کہا میں نے کئی بار
قربان گئی بانو سے کیوں ہو گئے بیزار
کیا وجہ جو آتے نہیں گھر میں شہ ابرار
کچھ ہے مری تقصیر تو کیجے اُسے اظہار
پچھتائی ہوں کیوں آپ کے دلبر کو رضا دی
ہاں یہ تو ہے تقصیر کہ اکبرؑ کو رضا دی

۲۶

صدقے گئی سب بیبیاں موجود ہیں پوچھو
گر گر کے قدم پر مرے کہتا تھا وہ خوش خو
حضرت کے پسر کو نہ رضا دیتی تھیں تو
بابا ہیں اکیلے ہمیں مرنے کی رضا دو
لب خشک تھے رخسار پہ آنسو بھی ڈھلکتے تھے
رخصت کے نہ ملنے پہ خفا ہو کے چلے تھے

۲۷

بیٹے کو رضا مرنے کی دی تھی یہ سمجھ کر
سو مرنے کو حضرت بھی چلے وائے مقدر
ہیں آپ تو دنیا میں سلامت مرے سرور
ہر طرح سے برباد ہوئی بانوئے بے پر
ان قدموں سے چھٹنے کا قرینہ نہیں اچھا
بے وارث و بے اس کا جینا نہیں اچھا

٢٨

رو کر کہا حضرت نے کہ اے بانوئے دلگیر
جس وقت سے اکبر سوئے جنت ہوئے رہ گیر
واللہ کہ شق ہوتا ہے اب سینۂ شبیرؑ
کچھ مجھ کو بجز مرگ نہیں سوجھتی تدبیر
بیٹے کو جو تو رو رو کے چلاتی ہے بانو
آگے ترے آتے مجھے شرم آتی ہے بانو

٢٩

جب آتا تھا میں ساتھ مرے آتے تھے اکبر
دھڑکا تھا یہ دل کو مرے اے بے کس و بے پر
محجوب تھا تنہا ترے پاس آتا میں کیوں کر
گر پوچھے گی بانو کہ کہاں ہے مرا دلبر
کس منہ سے کہوں گا کہ سفر کر گئے اکبرؑ
جیتا ہے حسینؑ ابن علیؑ مر گئے اکبرؑ

٣٠

اے بانو میں شرمندۂ احساں ہوں تمہارا
کی فاقہ کشی تم نے مرے ساتھ گوارا
مجھ پر علیؑ اکبر سے جواں بیٹے کو وارا
شبیرؑ کی الفت سے کیا پر نہ کنارا
دکھ درد سے رنج اٹھایا مرے گھر میں
تم نے کبھی آرام نہ پایا مرے گھر میں

٣١

میکے میں تو سب کچھ تمہیں دولت تھی مہیا
گھر فاطمہؑ کے آ کے کیا فاقے پہ فاقا
رہتا تھا سدا بر میں لباسِ خز و دیبا
پیوند پہ پیوند ہیں چادر میں ہر اک جا
اک دولت اولاد جو خالق نے عطا کی
سو وہ بھی برے وقت میں شوہر پہ فدا کی

٣٢

رو کر کہا بانوؑ نے یہ قربان حضرت
اس فاقہ کشی سے کوئی افضل نہیں دولت
کونین کی دولت ملی حضرت کی بدولت
اقبال تھا میرا کہ ہوئی آپ سے وصلت
کسریٰ کی جو پوتی ہوں تو کچھ فخر نہیں ہے
سرتاج مرا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے

٣٣

سسرا کسے آفاق میں حیدرؑ سا ملا ہے
کس بی بی کو بیٹا علیؑ اکبر سا ملا ہے
گھر کس کو بھلا فاطمہؑ کے گھر سا ملا ہے
شوہر کسے فرزندِ پیمبرؐ سا ملا ہے
ہاتھ آئی یہ دولت مجھے قدرت سے خدا کی
میں اور بہو بنتِ رسولؐ دوسرا کی

٣٤

ملنا خز و دیبا کا تو مشکل نہیں زنہار
پر حلۂ فردوس کا ہاتھ آنا ہے دشوار
ملتا ہے انھیں جن کو ہے دنیا سے سروکار
سو آپ کے صدقے میں ملے یا شہِ ابرار
کیونکر نہ مسرت ہو مجھے اس کہنہ ردا سے
اللہ نے پیوند کیا آلِ عبا سے

٣٥

دنیا میں کسی نے بھی ہے یہ مرتبہ پایا
سر گوندھ کے سرمہ مری آنکھوں میں لگایا
خاتونِ قیامت نے دلہن مجھ کو بنایا
پوشاک پنہا کر مجھے مسند پہ بٹھایا
اب رانڈ بہو ہوتی ہے زہراؑ و علیؑ کی
لٹتا ہے مرا راج دہائی ہے نبیؐ کی

٣٦

میں جانتی ہوں ہو چکا برباد مرا گھر
بازو میں رسن ظلم سے باندھیں گے ستمگر
چھن جائے گی بعد آپ کے سر سے مرے چادر
روتی ہوئی میں قید میں جاؤں گی کھلے سر
زنداں میں جو ہو ظلم گوارا مجھے سب ہے
دربار میں حاکم نے بلایا تو غضب ہے

۳۷

یہ سن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
ہے عازمِ فردوس مدینے کا مسافر
فرمایا کہ لو بابا تو خدا حافظ و ناصر
سب ظلم اٹھا لیجیو گر ہے مری خاطر
جس دم نظر آئے مرا سر نوک سناں پر
لانا نہ کوئی حرف شکایت کا زباں پر

۳۸

کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمے سے باہر
چلا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے سرور
رانڈوں میں بپا ہو گیا ہنگامۂ محشر
کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر
بابا کو قسم دے کے بلاتی تھی سکینہؑ
سر پیٹتی پیچھے چلی جاتی تھی سکینہؑ

۳۹

چلاتی تھی قربان ہو بیٹی چلے آؤ
صدقے گئی ننھا سا مرا دل نہ کڑھاؤ
مر جاؤں گی بابا مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
بے تاب ہوں مڑ کر مجھے صورت تو دکھاؤ
شہ کہتے تھے ماں پاس رہو نکلو نہ گھر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

۴۰

یہ کہہ کے قریب فرس آئے شہِ ابرار
چمکار کے حضرت نے کیا اس کو بہت پیار
گردن کو جھکائے ہوئے روتا تھا وہ رہوار
فرمایا کہ تو دیکھ تو اے اسپ وفادار
فرزند نہیں بھائی بھتیجا نہیں کوئی
تھامے جو رکاب آن کے اتنا نہیں کوئی

۴۱

زہراؑ کی صدا آئی یہ با گریہ و زاری
پہلو میں تو حاضر ہے یہ ماں درد کی ماری
کیا بھول گئے پالنے والے کو میں واری
اے لال میں تھاموں گی رکاب آج تمھاری
نقشِ سمِ رہوار سے آنکھوں کو ملوں گی
سر کھولے جلو میں ترے گھوڑے کے چلوں گی

۴۲

گھوڑے پہ چڑھا راکبِ دوشِ شہِ لولاک
جبریلؑ نے آ کر بہ ادب تھام لی فتراک
چوں برق ہوا گرمِ عناں توسنِ چالاک
اقبال نے چومے بہ تفاخر قدمِ پاک
تھا شور کہ مرنے کو حسینؑ آج چلے ہیں
معراج کو یا صاحبِ معراج چلے ہیں

۴۳

تازی پہ عجب شان سے شہ تیغ بکف تھے
ناقوں پہ ملک نور کے باندھے ہوئے صف تھے
گویا کہ ہتیا کے وغا شاہِ نجف تھے
سر ننگے چپ و راست رسولانِ سلف تھے
ہر گام پہ آتی تھی صدا روح امیں کی
بس آخری ہے آج سواری شہِ دیں کی

۴۴

اے اہلِ جہاں آج کے دن کر لو زیارت
یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت
دنیا سے محمدؐ کے نواسے کی ہے رحلت
سمجھو پسرِ فاطمۂ زہراؑ کو غنیمت
ڈھونڈھو گے تو شبیر سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمدؐ کا نواسا نہ ملے گا

۴۵

تھا احمد و زہراؑ و علیؑ کی یہ نشانی
سیراب ہوئے تم نہ پلایا اُسے پانی
افسوس ہے کچھ تم نے مگر قدر نہ جانی
کیا شکل نہیں ساقیِ کوثر کی دکھانی
دشمن کا ملاتا نہیں گھر خاک میں کوئی
باقی نہ رکھا پنجتنِ پاک میں کوئی

۴۶
اس شان سے وہ فاطمہؑ کا زینت آغوش
شلِ لب سوفار کماندار تھے خاموش
میداں میں جو پہونچا تو نقیبوں کے اڑے ہوش
اعدا کو ہوا جنگ کا انداز فراموش
بڑھنے سے قدم رکنے لگے فوج لعیں کے
مجرے کو علم جھکنے لگے فوج لعیں کے

۴۷
تنہا تھے پر اللہ رے شکوہ شہِ آفاق
غل تھا کہ نثار قلم قدرت خلاق
دشمن بھی ہوئے حسن کے نظارے کے مشتاق
ہوتی ہے یہاں طاقتِ ذہنِ بشری طاق
کس حسن سے تشکیلِ شہ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورقِ نور پہ تصویر کھنچی ہے

۴۸
پیشانیِ روشن ہے کہ مہتابِ فلک ہے
اور ابروئے کج قبلۂ طاعات ملک ہے
قطروں میں پسینے کے ستاروں کی چمک ہے
خم مجرے کو جن کے سرِ نو آج تلک ہے
جنبش صفِ مژگاں کو کوئی کیا سینہ سپر ہے
پھر جائیں تو اک پل میں جہاں زیر و زبر ہے

۴۹
کیا دیدۂ حق بیں سے کفایت ہے ہویدا
ہے نقطۂ مردم دلِ عارف کا سویدا
ہو نرگسِ شہلا بھی جسے دیکھ کے شیدا
پردوں سے عجب قدرتِ پنہاں ہوئی پیدا
گردش یہ کبھی چرخ جفا جو نے نہ دیکھی
آنکھ ایسی کبھی خواب میں آہو نے نہ دیکھی

۵۰
تابندہ ہے خورشید جمالِ شہِ خوش خو
آئینہ کو نظارے کا اس رخ پہ ہے کیا رو
بجلی سی چمک جاتی ہے میداں میں ہر سو
چشم شہِ خاور میں بھرے آتے ہیں آنسو
عارض کبھی دیکھے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینہ ہیں نورِ خدا کے

۵۱
اس لب سے نہ دیں لعل کو نسبت کبھی ذی ہوش
ایسے کبھی دیکھے نہ سنے چشم و لب و گوش
یہ آتشِ یاقوت کو کر دیتے ہیں خاموش
حق کی کبھی جن کو نہ ہوئی یاد فراموش
اوصاف نہ ہوں کیا اس لبِ اعجاز بیاں کے
یہ چوسنے والے ہیں محمدؐ کی زباں کے

۵۲
پرنور گلا شمعِ تجلیٰ سے ہے روشن
اور ہاتھ ہیں شاخِ شجرِ وادیِ ایمن
شعلہ بھی اٹھائے نہ جہاں شرم سے گردن
سینہ ہے وہ آئینہ کہ حیرت میں ہیں دشمن
بوسہ کے لیے لب یہیں احمدؐ نے لگائے تھے
اسرار الٰہی اسی سینہ میں بھرے تھے

۵۳
زخمِ دلِ فرزند جو یاد آتا ہے پیہم
بارِ الم فرقتِ عباسؑ سے ہیں خم
یہ درد ہے سینے میں کہ لے سکتے نہیں دم
پر بخششِ امت پہ کمر باندھے ہیں محکم
سر کٹنے کی پروا نہیں میدانِ وغا میں
کس صبر سے مارا ہے قدم راہِ خدا میں

۵۴
کیا شانِ شجاعت کو رقم کر سکے خامہ
ہے خود کی جا سر پہ محمدؐ کا عمامہ
برسوں جو لکھے ختم نہ ہو مدح کا نامہ
اور بدلے زرہ کے فقط اک کہنہ ہے جامہ
محتاج سپر وہ ہیں جنھیں جان کا ڈر ہے
یاں سامنے تلوار کے سینہ بھی سپر ہے

۵۵

پہنا نہیں چار آئینہ یہ بر میں سمجھ کر
آنکھوں کے تلے پھرتا ہے آئینۂ خنجر
تا پردے میں رہ جائیں شجاعت کے نہ جوہر
ہر اک بن مو شایق پیکاں ہے بدن پر
ان ہاتھوں کو دستانوں کی حاجت کہو کیا ہے
فرزند یداللہ تو خود دست خدا ہے

۵۶

ہے قبضے میں حضرت کے بس اک تیغ دو پیکر
کاٹے ہیں اسی تیغ نے جبریلؑ کے شہپر
سو مردوں کا تمغہ ہے شجاعوں کا ہے جوہر
شمشیر یداللہ پہ دم دیتے ہیں سرور
منظور نہیں اس سے حفاظت تن و سر کی
تیغ اس لئے باندھی کہ نشانی ہے پدر کی

۵۷

جس دم یہ کھنچی دم میں جہاں زیر و زبر ہے
خود سیف خدا فاتح خیبر کا پسر ہے
ہاتھ اس پہ رکھا جب تو سر دست ظفر ہے
شمشیر کا محتاج نہ پابند سپر ہے
ہاتھ اٹھے جو لے تیغ شہ کون و مکاں کا
لیں کام دو انگشت سے تیغ دو زباں کا

۵۸

کیا سرعت توسن کو قلم کر سکے ارقام
کاوے پہ ابھرتے اسے دیکھے سحر و شام
صحرائے وسیع دو جہاں جس کا ہے اک گام
گردش کو فراموش کرے ابلق ایام
اس نیزے سے صرصر کو گذرتے نہیں دیکھا
جوں برق کبھی اس کو ٹھہرتے نہیں دیکھا

۵۹

ہیں بال کے بال ایسے کہ شرمندہ ہو سنبل
اسوار ہے اس کا پسر صاحب دلدل
ہمسر نہ ہو کاکل سے کبھی حور کی کاکل
کہئے جو ملک اس کو نہیں جائے تأمل
ہے دوش محمدؐ کا مکیں خانۂ زیں پر
اس ناز سے رکھتا ہی نہیں پاؤں زمیں پر

۶۰

دو روز سے لب تشنہ ہیں پر راکب رہوار
دریا میں تجھے لے چلوں اے اسپ وفادار
چمکار کے فرماتے ہیں یہ سید ابرار
تو پی لے کہ مانع نہ ترے ہوں گے ستمگار
اعدا کو نہیں ہے کسی پیاسے سے عداوت
گر ہے تو محمدؐ کے نواسے سے عداوت

۶۱

کہتا ہے وہ رہوار بہ صد اشک فشانی
صدقے ترے اے حیدر کرار کے جانی
آقا کے تو لب تر نہ ہوں اور میں پیوں پانی
صورت ہے مجھے حشر میں دلدل کو دکھانی
پیاسا تو ہوں لیکن فرس شاہ امم ہوں
عباسؑ کے گھوڑے سے بھی کیا صبر میں کم ہوں

۶۲

رو دیتے تھے مرکب سے یہ سن کر شہ خوش خو
تانے ہوئے نیزے چلے آتے تھے جفا جو
گھوڑے کی بھی آنکھوں سے ٹپک پڑتے تھے آنسو
ہاں تیر چلیں شہ پہ یہی شور تھا ہر سو
لب خشک تھے آنکھیں شہ مظلوم کی نم تھیں
اک دم کیلئے سیکڑوں تلواریں علم تھیں

۶۳

جلتی تھی زمیں رن کی ہوا شعلہ فشاں تھی
ماہی بھی حرارت سے تہ آب نہاں تھی
مضطر تھے چرند اور پرندوں میں نہ جاں تھی
ہووے گی قیامت میں جو گرمی وہ عیاں تھی
کانٹے تھے تب و تاب سے ماہی کے گلو میں
تبخالے حبابوں کے پڑے تھے لب جو میں

۶۴

اُس گرمی میں بھرتے تھے جو حضرت نفسِ سرد
تھا ضعف سے جوں قمر رخِ سبطِ نبیؐ زرد
ہنستے تھے عداوت سے انھیں دیکھ کے بےدرد
گیسوئے معنبر پہ سر و دوش تھے پُر گرد
پانی جو نہ ملتا تھا شہِ کون و مکاں کو
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو

۶۵

کہتے تھے کبھی دل سے نہ گھبرائیو اے دل
ہونا کوئی دم یادِ الٰہی سے نہ غافل
اب قطعِ مسافت ہوئی نزدیک ہے منزل
لی باگ جو اب کی تو ہوئے خلد میں داخل
سب مر گئے باقی یہی مظلوم رہا ہے
اک مرحلۂ خنجر و حلقوم رہا ہے

۶۶

یہ کہہ کے ہوئے سرورِ دیں عازمِ پیکار
گھبرا کے گئے ڈیوڑھی کو تیغ لئے شہِ ابرار
جو شور ہوا بیبیوں کے رونے کا اک بار
دیکھا کہ چلی آتی ہے فضہ جگر افگار
عریاں ہے سر چاک گریبان کئے ہے
مردے کی طرح ہاتھوں پہ اصغرؑ کو لئے ہے

۶۷

چلاتی تھی پردے سے یہ بانوئے دل افگار
کہیو شہِ والا سے کہ یا سیدِ ابرار
فضہ مرے بچے سے خبردار خبردار
اس لال کو چھاتی سے جدا کیجو نہ زنہار
پانی کو نہ شمرِ ستم ایجاد سے کہنا
حال اس کا کسی صاحبِ اولاد سے کہنا

۶۸

فضہ کو یہ گھبرا کے پکارے شہِ والا
وہ بولی کہ پردے کا کسے ہوش تھا شاہا
نامحرموں میں خیمے سے نکلی یہ کہا کیا
دم توڑتا تھا پیاس سے جھولے میں یہ بچا
میں لے کے جو اس کو نہ کھلے سر نکل آتی
زہراؑ کی بہو پردے سے باہر نکل آتی

۶۹

سن کر یہ سخن رونے لگے شاہِ خوش اوقات
فرزند کو آغوش میں لے کر یہ کہی بات
نزدیک گئے دور سے پھیلائے ہوئے ہات
ماں سے مری جاں تم بھی جدا ہو گئے ہیہات
بانوؑ کے بھی جینے کی مجھے آس نہیں ہے
اب کوئی سکینہؑ کے سوا پاس نہیں ہے

۷۰

فرما کے یہ آئے صفِ اعدا کے برابر
مظلوم ہے معصوم ہے پیاسا ہے یہ دلبر
اک اک سے کہا بچے کو ہاتھوں پہ اٹھا کر
نے دودھ میسّر ہے نہ پانی ہے میسر
راضی ہوں میں تیغوں سے لہو میرا بہا دو
پر تھوڑا سا پانی اسے دریا سے پلا دو

۷۱

بے آبی سے یہ پھول سا کمھلاتا ہے یارو
معصوم پہ کافر بھی ترس کھاتا ہے یارو
گہوارے میں ہر دم اسے غش آتا ہے یارو
بچہ میرا ہاتھوں سے مرے جاتا ہے یارو
پانی کے نہ دینے کا سزاوار تو میں ہوں
تقصیر ہے کیا اس کی گنہگار تو میں ہوں

۷۲

راضی ہوں میں قیمت ہے جو منظور تو زر لو
اک چلو سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لو
تم پانی کے قطرے کے عوض مجھ سے گہر لو
پانی دو اسے اور چمنِ خلد میں گھر لو
احساں کو نہ بھولے گا یہ حیدرؑ کا ہے پوتا
فرزند مرا ساقیِ کوثر کا ہے پوتا

۷۳

بعضوں نے ترس کھا کے کہا دو اسے پانی
کہنے لگے ان سے یہ کئی ظلم کے بانی
آنتوں میں بچے ایک تو شمشیر کا جانی
ہم کو تو ہے سادات کی بنیاد مٹانی
مارو اسے آغوش دل و جان نبیؐ ہیں
بچہ بھی نہ باقی رہے اولاد علیؑ ہیں

۷۴

ہے دھیان کہ ہر شیر کا بچہ ہے یہ بے شیر
قابو میں پھر آتے ہی نہیں ہیں کسی تدبیر
شیر ان کا قطع ہو اگر لیں ہاتھ میں شمشیر
ہے صاف خطا گر نہ کمانوں سے چلیں تیر
فرزند ہے یہ شیر الٰہی کے پسر کا
لیوے گا جواں ہو کے عوض خون پدر کا

۷۵

یہ کہہ کے ہوئے مستعد قتل کماندار
پڑنے لگی معصوم پہ تیروں کی جو بوچھار
صف باندھ کے چلتوں سے ملائے لب سوفار
ہم ہو کے بچاتے تھے اسے سید ابرار
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتے ہو یارو
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتے ہو یارو

۷۶

ناگہہ بن کاہل کی کماں سے جو چلا تیر
دم بند ہوا درد سے حالت ہوئی تغییر
بچے کا گلا چھد گیا اور بازوئے شبیر
منہ کھول کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا بے شیر
زخمی تھا بدن شکل پسر خوں میں بھری تھی
بازو میں تو پیکان تھا گردن میں سری تھی

۷۷

بیٹے کے لہو سے تو بھرے تھے شہ والا
تیر اس کے گلے سے جو شہ دیں نے نکالا
تر خون میں تھا باپ کے وہ ہنسلیوں والا
منہ سے عوض شیر لہو بچے نے ڈالا
شہ رونے لگے چہرے سے چہرے کو ملا کر
وہ سرد ہوا اتر گئی آنکھوں کو پھرا کر

۷۸

لاش اس کی دکھا کر شہ مظلوم پکارے
کہہ دیجو بانوؔ سے کہ پیاسے گئے مارے
قصہ تو بس اب جا علی اصغرؑ بھی سدھارے
ہم ساتھ ہیں اب ان کے یہ ہیں ساتھ ہمارے
تا حشر نہ چونکیں گے نہ اب روئیں گے اصغرؑ
آرام سے پہلو میں مرے سوئیں گے اصغرؑ

۷۹

غش آگئی سر پیٹتی باحالت تغییر
تلوار سے کھودی لحد اصغرؑ بے شیر
ہاں دفن کی فرزند کے کی شاہ نے تدبیر
جس وقت رکھی قبر میں وہ چاند کی تصویر
صابر تھے پہ اشک شہ والا نکل آئے
نزدیک یہ تھا منہ سے کلیجہ نکل آئے

۸۰

فرماتے تھے کیوں کر علی اصغرؑ تجھے پاؤں
ماں تیری جو مانگے تو کہاں ڈھونڈنے جاؤں
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں
اس وقت کلیجے کا کسے حال سناؤں
ہاتھوں سے مرے خاک گرائی نہیں جاتی
صورت تری مٹی میں چھپائی نہیں جاتی

۸۱

خاتون قیامت کی صدا آئی کہ شبیرؑ
اے لال مری گود کا ہے اصغرؑ بے شیر
صدقے تری مظلومی کے میں بیکس و دلگیر
اب بند کرو قبر کو جو خواہش تقدیر
محسنؑ کو اور اصغرؑ کو تو ہاتھوں پہ دھروں گی
یوں حشر میں اللہ سے فریاد کروں گی

۸۲

سن کر یہ بیاں خاک جو اس چاند پہ ڈالی
روتے ہوئے تربت سے اٹھے سرورِ عالی
فرمایا کہ مرجائے گی ماں پالنے والی
خوں بہتا تھا بازو سے یہ تلوار سنبھالی
پڑتی تھی نظر فوج پہ شمشیر کی صورت
روباہوں پہ غصے میں جھپٹے شیر کی صورت

۸۳

تھے لاکھ جواں فوجِ ستمگر میں صف آرا
تلوار جو کھینچی تو ندا آئی قضا را
اور تھا تن تنہا اسد اللہ کا پیارا
بچے کے لئے غیظ میں ہے شیر ہمارا
ہے زورِ علیؑ ہاتھ میں اس سرورِ دیں کے
ہاں روح امیں تھام لے طبقوں کو زمیں کے

۸۴

طاقت تھی علیؑ نے جو مرے ہاتھ سے پائی
سردارِ دو عالم نے زباں اپنی چبائی
سو دست بہ دست انکے وہ حصہ میں ہے آئی
قوت ہے محمدؐ کی بھی رگ رگ میں سمائی
سب زورِ نبوت بھی ولایت بھی ہے اس میں
اور فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت بھی ہے اس میں

۸۵

یاں لشکرِ اعدا میں در آئے شہِ عالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہوگئیں خالی
بر بچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۸۶

ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے اجداد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیل فنا خانۂ تن کردئے برباد
ضرب اسکی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامِ اجل میں

۸۷

اس معرکہ میں تیغ بہادر کو ملا اوج
تھا قلزمِ خوں جوش پہ ڈوبی ہوئی تھی فوج
ہر فرد کو اس صاحبِ جوہر نے کیا زوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفتِ موج
خوں میں تو بدن غرق تھے بیدادگروں کے
کٹتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

۸۸

وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
گہہ فرق پہ گہہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
بجلی تو چھری پھر گئی دشمن کے جگر پر
بس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دوسر پر
جس پر گئی بے دو کیے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

۸۹

کس طرح قلم لکھ سکے اس تیغ کے اوصاف
ملعونوں میں تھا اپنی شجاعت کا جنھیں لاف
مشہور ہے وہ برقِ غضب قاف سے تا قاف
پہلے انھیں سفاکوں پہ ہاتھ اس نے کیا صاف
غل تھا نہیں لڑتا کوئی تشنہ دہن ایسا
تیغ ایسی نہ دیکھی نہ کبھی تیغ زن ایسا

۹۰

کیا رحم تھا مولا کہ میں اس رحم کے قربان
حضرت سے جو کہتی تھی وہ تیغ شہ مرداں
اس غیظ میں بھی روکتے تھے تیغ کو ہر آن
کیوں روکتے جاتے ہو مجھے اے شہ ذیشان
میدانِ ستم لاشوں سے بھر دینے دو مجھ کو
خونِ علی اصغرؑ کا عوض لینے دو مجھ کو

۹۱

مارا ہے ابھی ہاتھوں پہ بچے کو تمہارے
دم لیجے نہ حضرت انھیں بے جان سے مارے
اصغرؑ سے بھی کیا تم زیادہ ہیں یہ پیارے
اک دم میں یہ مقہور فنا ہوتے ہیں سارے
دل کھول کر جوہر مرے دکھلائیے مولا
اب کام رحیمی کا نہ فرمائیے مولا

۹۲

مشہور ہے جنگ اُحد و خیبر و خندق
کھینچا جو مجھے رنگ شجاعوں کے ہوئے فق
لاکھوں تھے ادھر اور تنِ تنہا اسدِ حق
جاں بر نہ ہوا کاٹ سے میری کوئی مطلق
روکے مجھے طاقت ہے یہ اس فوجِ لعیں کی
ہیں کاٹنے والی ہوں پرِ روحِ امیں کی

۹۳

اک دم نہ کبھی مجکو جدا کرتے تھے حیدرؑ
ہوتی تھی ادھر میں تو اُدھر بنتِ پیمبرؐ
بستر پہ بھی رکھتے تھے مجھے اپنے برابر
مخدومۂ عالم سے یہ فرماتے تھے اکثر
یہ تیغ عنایات خدائے دوجہاں ہے
تم فرحتِ دل ہو مری یہ راحتِ جاں ہے

۹۴

مولا مرے جب ہونے لگے عازمِ جنت
فرمایا تھا مجھ سے کہ ہو جب وقتِ مصیبت
تب مجھ کو کیا آپ کو حضرت نے عنایت
کیجو مرے شبیرؑ کی اس روز حفاظت
اعدا کے فنا کرنے کو تیار ہوں مولا
پر حکم سے حضرت کے میں ناچار ہوں مولا

۹۵

نیزے بنِ قاسمؑ نے بھی کھائے مرے ہوتے
ہم شکلِ نبیؐ خوں میں نہائے مرے ہوتے
عباسؑ نے بھی ہاتھ کٹائے مرے ہوتے
تیر آپ کو اعدا نے لگائے مرے ہوتے
جو رنگ نہ گر آج کیا اہلِ جفا کو
کس طرح میں دکھلاؤں گی منھ شیرِ خدا کو

۹۶

اب بھی نہ مجھے روکو تو غارت انھیں کر دوں
اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھر دوں
جھپکے نہ پلک سیکڑوں سر کاٹ کے دھر دوں
سامانِ قیامت کے عیاں ہوں تہِ گردوں
غارت ابھی ہو جائیں یہ سب کوفی و شامی
رہ جائیں وہی باقی جو ہیں دین کے حامی

۹۷

گر عذر یہ اس دم ہے کہ مجروح ہیں بازو
گر چھوڑ دو قبضے کو مرے اے شہِ خوشخو
اعجازِ امامت یہ تو ہے آپ کا قابو
کر دیتی ہوں انبار تن و سر کے میں ہر سو
تیغِ اسد اللہ کی قدرت بھی دکھا دو
بے دینوں کو اعجازِ امامت بھی دکھا دو

۹۸

لڑنے میں جو آجاتا تھا ہنگامِ عبادت
میں گردِ علیؑ پھرتی تھی پروانہ کی صورت
بے خوف فریضے کو ادا کرتے تھے حضرت
آسکتا نہ تھا پاس کوئی اہلِ شقاوت
روکوں گی بھی اور کاٹوں گی ملعونوں کے سر بھی
میں آج ہوں تلوار بھی حضرت کی سپر بھی

۹۹

حضرت نے کہا سن کے یہ اس تیغ کی تقریر
بے تیغ اگر جاؤں تو غارت ہوں یہ بے پیر
بازو تو شکستہ ہے یہ عاجز نہیں شبیرؑ
پر کس سے لڑوں اے اسد اللہ کی شمشیر
اصغرؑ کے نہ بازو کے جراحت کا الم ہے
مارا ہے جنھیں میں نے انھیں کا مجھے غم ہے

۱۰۰

مجھ سے یہ نہ ہووے گا کہ امت کو سزا دوں
اب بھی یہ اگر کہیں تو دوزخ سے بچا دوں
اللہ سزا دے گا میں کیا ان کو سزا دوں
نانا کا مجھے پاس ہے ایذا انھیں کیا دوں
امت کا سفینہ تو ڈبویا نہیں جاتا
فرزندوں کو کھویا انھیں کھویا نہیں جاتا

۱۰۱

ہر معرکے میں دیکھے ہیں جوہر ترے اکثر
سنے ہے کوئی دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہمسر
رتبہ ترا پہنچا تا ہے نائب حیدرؑ
پر تو بھی تو دیکھ آج مرے صبر کے جوہر
وعدے کو لڑکپن کے وفا کرتا ہے شبیرؑ
سجدہ تہِ شمشیر ادا کرتا ہے شبیرؑ

۱۰۲

کہہ کر یہ سخن شاہ نے کی میان میں تلوار
فرمایا بصد درد کہ اے ہمدم و غمخوار
اور رو رو کے بوسے لئے قبضے کے کئی بار
اب ہوتا ہے رخصت پسرِ حیدرِ کرارؑ
جنت کو چلے تشنہ دہن ہم تو جہاں سے
اب مہدی ہادی تجھے کھینچیں گے میاں سے

۱۰۳

فرما کے یہ گھوڑے سے اتر بیٹھے زمیں پر
پڑنے لگیں تلواریں سرِ سرورِ دیں پر
سب ٹوٹ پڑے دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
چھاتی پہ لگیں برچھیاں اور تیر جبیں پر
سجدے کو سرِ پاک جھکا طاعتِ حق میں
خورشید زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

۱۰۴

پھٹتا ہے جگر حال کہوں ذبح کا کیوں کر
وہ سینہ جو تھا رتبہ میں قرآں کے برابر
حلقِ پسرِ فاطمہؑ اور شمر کا خنجر
ہے قہر کی جا پاؤں دھرے اس پہ ستمگر
جس حلق کے بوسے لئے زہراؑ و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

۱۰۵

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکم پیمبر
یاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبؑ مضطر
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کو دکھا کر
دکھلا کے اسے شمر نے کاٹا سرِ انور
شہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

۱۰۶

خاموش انیس اب کہ یہ ہنگام ادب ہے
یہ رونا رلانا تری بخشش کا سبب ہے
اس حلق کا اور تیغ کا احوال غضب ہے
آقا سے طلب کر تجھے جس شے کی طلب ہے
کیا کچھ نہیں حضرت کے تصدق سے ملا ہے
تصنیف کا تیرے گہرِ اشک صلا ہے

رباعی

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا منہ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں مری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

رباعی

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں
بھیگے ہر مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں
دل سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے
خس خانہ میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

مرثیہ

۱

جب رن میں آمد آمدِ سلطانِ دیں ہوئی
آمادہ نبرد سپاہِ لعیں ہوئی
نورِ خدا کے نور سے روشن زمیں ہوئی
روحِ جنابِ فاطمہؑ اندوہگیں ہوئی
تیغیں کھنچیں نیاموں سے خنجر نکل پڑے
شیرِ خدا مزار سے باہر نکل پڑے

۲

بڑھ کر نقیب فوج یہ کہتے تھے دم بہ دم
ابن سعد و یزید کے نمک کی تمہیں قسم
ہاں اے بہادرو نہ ہٹے ایک کا قدم
تیغوں سے سروِ باغِ علیؑ کو کرو قلم
شیرِ خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہے
ہاں غازیو یہ جان لڑانے کا وقت ہے

۳

آپس میں کہتے تھے یہ پیادے جمائے صف
اس کا نہ دھیان کیجو کہ لاکھوں ہیں اس طرف
روکے گا کون ضربت ابنِ شہِ نجف
بجلی جو ذوالفقار تو جانیں ہوئیں تلف
رکتی نہیں وہ تیغ جو پڑ جائے کوہ پر
نازل خدا کا قہر ہوا اس گروہ پر

۴

غصہ حسینؑ کا غضبِ ذوالجلال ہے
خیبر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہے
روباہ دل کے شیر کو ماریں محال ہے
میداں میں اس کے سامنے رستم بھی زال ہے
بدر و احد کا واقعہ عالم کو یاد ہے
خیبر کی ضرب آج تک ہم کو یاد ہے

۵

ناگاہ سوار نیزوں کو دینے لگے تکان
چلوں سے تیر لگ گئے کڑکی ہر اک کماں
چمکیں اٹھی ہوئی صفِ اعدا کی برچھیاں
غل تھا نشانِ دیں کو کرو آج بے نشاں
کچھ نہ پاس یہ کہ امامِ زمانہ ہے
ہاں اے کماں کشو یہ تمہارا نشانہ ہے

۶

یہ غل تھا کہ اتنے میں آئے شہِ امم
سردارِ فوج تمام ہٹانے لگے قدم
طبلِ وغا پہ چوب پڑی کھل گئے علم
رخ پھر گئے صفوں کے کسی میں رہا نہ دم
اللہ رے رعب فوجِ ستم تھرتھرا گئی
چہروں پہ روسیاہوں کے زردی سی چھا گئی

۷

غل تھا زہے حسینؑ زہے شانِ حیدری
تیور سے آشکار ہے رعبِ غضنفری
دیکھی نہ یہ شکوہ نہ ایسی دلاوری
کس کی مجال ہے کہ کرے ان سے ہمسری
قابو میں ایسے شیر کا آنا محال ہے
لڑنا تو کیا ہے آنکھ ملانا محال ہے

۸

کیا حسن ہے کہ دشت میں چھایا ہوا ہے نور
غرفوں سے سر نکالے نہ کیونکر ہر ایک حور
اک آفتاب رخ کی تجلی ہے دور دور
نورِ محمدی کا ہے چاروں طرف ظہور
یہ فیض ہے رخِ خلفِ بوتراب سے
ذرے ملا رہے ہیں نظر آفتاب سے

۹

لوحِ جبینِ پاک ہے لوحِ کتابِ حسن
اللہ کس عروج پہ ہے آفتابِ حسن
ابرو تو فصل حسن کی ہیں اور یہ بابِ حسن
تابِ نظر نہیں ہے زہے آب و تابِ حسن
سجدے کے یہ نشاں ہیں تجلی ظہور ہے
صاف اس نشاں میں یدِ بیضا کا نور ہے

۱۰

آخر حسینؑ بھی ہے اسی شیرِ حق کا شیر
غم میں جوان پسر کے وہ ہے زندگی سے سیر
گردے گا ایک حملے میں زورآوروں کو زیر
دیکھیں تو روکتا ہے اسے کون سا دلیر
وہ بے لڑے شکست کبھی بار دے گیا
کشتوں کو اپنے شیر سا آ آ کے لے گیا

۱۱

فاقے ہیں تین روز کا اور تین دن کی پیاس
ظاہر ہیں گرچہ سب بشریت کا ہے پاس
غیر از ہجوم یاس نہیں کوئی اس کے پاس
یہ رعب ہے جو شیر کی آمد میں ہو ہراس
نزدیک ہے کہ گھوڑوں سے اسوار گر پڑیں
حملہ کرے تو ہاتھ سے ہتھیار گر پڑیں

۱۲

کیا خوش نما ہیں ابروئے شاہنشہ حجاز
تشبیہ سے ہلال کرے آسماں پہ ناز
گویا ہے شاہباز کیے بازوؤں کو باز
پیشِ خدا جھکائے ہوئے ہیں سرِ نیاز
مصروف ہو بہو ہیں خشوع و خضوع میں
محراب کی طرح سے جھکے ہیں رکوع میں

۱۳

چشمہ خدا کے نور کا ہے چشمِ حق پرست
ہے گرد اس لئے صفِ مژگاں کا بند و بست
روزِ ازل سے ہے مئے عشقِ احد سے مست
آئینہ ہائے نور کو ہو پہنچے نہ تا شکست
بکھرے ہیں عین رنج میں چشم و چراغ سے
مردم سیاہ پوش ہیں اکبرؑ کے داغ سے

۱۴

ہر دم ہے جوش جو گلِ رخسار کی بہار
وہ روئے انور اور وہ ریشِ خضاب دار
رونق نہ پائے رنگ جو بوئے چمن ہزار
ظاہر ہیں اس سے معنیٔ والیل والنہار
وقتِ نظر یہ ہوتا ہے ثابت نگاہ کو
آغوش میں لیے ہے شبِ قدر ماہ کو

۱۵

خوشبو سے زلف و خال پہ مشکِ ختن نثار
غنچے دہانِ تنگ پہ صدقے چمن نثار
سرخیٔ لعلِ لب پہ عقیقِ یمن نثار
دانتوں کی آب و تاب پہ دُرِّ عدن نثار
موتی بھرے ہیں منہ میں شہِ بے نظیر کے
قطرے ہیں سب یہ فاطمۂ زہراؑ کے شیر کے

۱۶

ہے رشکِ شمعِ طور تجلی میں وہ گلا
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں سے تھا پلا
منہ اپنا جس پہ احمدِ مختارؐ نے ملا
سو اس گلے پہ خنجرِ شمرِ لعیں چلا
شیرازہ بیاضِ گلو جب کہ کٹ گیا
حیرت ہے کیوں نہ دفترِ عالم الٹ گیا

۱۷

شانوں سے شانِ مرتضوی آشکار ہے
ساعد نہیں ہیں قدرتِ پروردگار ہے
ان بازوؤں پہ زوجِ یداللہ نثار ہے
پنجے میں زورِ دستِ شہِ ذوالفقار ہے
حاجت روا ہیں ساری خدائی کے واسطے
یہ انگلیاں ہیں عقدہ کشائی کے واسطے

۱۸

سینہ صفا میں غیرتِ آئینۂ حلب
قرآں سے کم نہ سمجھیں جسے حق پرست سب
اس میں بھرے ہوئے ہیں گہر ہائے رازِ رب
واں پائے چکمہ دار رکھے شمر ہے غضب
کیوں فاطمہؑ کے دل پہ نہ کوہِ الم گرے
جب ایسے آئینہ پہ یہ سنگِ ستم گرے

۱۹
ہر لحظہ عاصیوں پہ جو رحمت کی ہے نظر
کہتے ہیں آہ کر کے شہنشاہِ بحر و بر
باندھی ہے کس کے مرنے پہ ٹوٹی ہوئی کمر
ہم کو ضعیف کر گئے عباس نام ور
اشقیوں کا ہے یہ پاس جو ہم بولتے نہیں
بے اُن کے بخشوائے کمر کھولتے نہیں

۲۰
قامت ستونِ دیں ہے تو ارکان ہیں قدم
جس خاک پر رکھے شہِ گردوں نشیں قدم
ہٹ جائیں معرکے سے یہ ایسے نہیں قدم
چومے بہ صد نیاز نہ تھا خضر وہیں قدم
کس کوہ میں تھے جو تھے صفات انکے واسطے
بہرِ شجاعت یہ ہیں ثبات ان کے واسطے

۲۱
ہے خود سر کہ گنبدِ عرشِ بریں ہے یہ
روشن ہے روشنی سے کہ قندیل ہیں ہے یہ
کلغی نہ سمجھو شہپرِ روح الامیں ہے یہ
حقا کہ ایک آیتِ فتحِ مبیں ہے یہ
ہے فرق پر رسولؐ کے لکہ سحاب کا
دیکھو قران ہوا زحل و آفتاب کا

۲۲
ہے یوں زرہ میں جسمِ امامِ فلک سریر
حلقوں میں دیکھو جلوۂ اندامِ بے نظیر
ابرِ تنک میں جوں نظر آئے مہِ منیر
سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشنِ کبیر
ہے بے مثال موجِ زرہ اپنے کام میں
لائی نہنگ بحرِ شجاعت کو دام میں

۲۳
گر خود ہے سرآمدِ اسبابِ کارزار
چار آئینہ ہے بحرِ بدن آہنی حصار
جوشن ہے زیورِ تنِ مردانِ سر گذار
گویا ورق پہ نور کے سورے لکھے ہیں چار
پرتو فگن ہے چہرۂ شاہِ زمن کا نور
ہے چار آئینہ سے عیاں پنجتن کا نور

۲۴
ہے تیغ برقِ خرمنِ ہستیِ اہلِ شر
بالائے دوشِ مہرِ نبوت سے ہے سپر
دم لے تو زمیں جو پڑے تیغ کوہ پر
ہے قرصِ چشمِ عشوہ گرِ لیلیِ ظفر
اک جا دھواں ہے فاطمۂ زہرا کی آہ کا
ٹکڑا ہے آفتاب پہ ابرِ سیاہ کا

۲۵
یوں ہاتھ میں لیے ہے کماں فاطمہؑ کا لال
ترکش سے تیر چلتے ہیں یا بیک قضا کی چال
گویا کہ آفتاب کے پنجے میں ہے ہلال
بچنا ہے رنغ روحِ عدو کے لئے محال
دل دوزِ اہلِ کفر دمِ صفدری یہ تھی
حکمِ خدا کی طرح خطا سے بری یہ تھی

۲۶
کس سے بیاں ہو سرعتِ رخشِ فلک خرام
بجلی ہے پھر ہوا سے ہے گو دبار الجام
ہے جس کے آگے وسعتِ کونین ایک گام
زیرِ قدم ہے ہند و حلب مصر و روم شام
اس کو سبک روی میں پرندوں پہ اوج ہے
بجلی ہے گر ہوا یہ تو دریا یہ موج ہے

۲۷
اس شان سے کھڑے تھے امامِ ذوالاحترام
کہتا تھا ابنِ سعد تعجب کا ہے مقام
سردار بے حواس تھے حیران فوجِ شام
تنہا حسینؑ آئے ہیں لشکر ہوا تمام
ایسے مقابلہ کو نکلتا نہیں کوئی
حربے تو سیکڑوں ہیں پہ چلتا نہیں کوئی

۲۸

ہمراہ اور کیا کوئی عباسؑ سا ہے شیر
وحشت ہے کس کی وہ تو ہے خود زندگی سے سیر
اکبر سا کیا جلو میں کوئی اور ہے دلیر
اک تشنہ لب کے قتل میں اے غافلو یہ دیر
دن سے کرو شہیدِ شہِ خوش صفات کو
کیا بیبیوں کو لوٹنے جاؤ گے رات کو

۲۹

ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہؑ کا سر
دھڑکا یہ ہے کہیں نہ سرک جائے مال و زر
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خدا کا گھر
خیمے میں شاہ کا ابھی جیتا ہے اک پسر
گھیریں اسے جو قتل امامِ زمانہ ہو
ایسا نہ ہو کہ لے کے حرم کو روانہ ہو

۳۰

نقشے میں لکھ چکا ہے مکرر امیرِ شام
میری طرف سے فوج کو دیجو یہ حکمِ عام
جس وقت تن سے کاٹ چکے تو سرِ امام
زیور علیؑ کی بیٹیوں کا لوٹ لو تمام
کانوں میں ننھے بچوں کے گوہر نہ چھوڑیو
رانڈوں کے منہ چھپانے کو چادر نہ چھوڑیو

۳۱

دربار میں جو لاؤ گے زینبؑ کو ننگے سر
کوفے میں عید ہو جو لٹے فاطمہؑ کا گھر
اُس دن لٹاؤں گا میں خزانے کا مال و زر
سیدانیاں پھریں مری بستی میں در بدر
ہے دشمنی علیؑ سے عداوت حسینؑ سے
یثرب اُجاڑ ہووے تو سوؤں میں چین سے

۳۲

لالچ دیا جو فوج کو اس روسیاہ نے
زینب کے قید کا جو سُنا ذکر شاہ نے
تنہا سے عزمِ جنگ کیا سب سپاہ نے
کھینچی اک آہ دلبرِ شیرِ الٰہ نے
نزدیک تھا کہ تیغ کمر سے اُگل پڑے
خیمے کو دیکھا بھر کے اور آنسو نکل پڑے

۳۳

سینے میں مضطرب دلِ پُر درد ہو گیا
آلودۂ عرق رُخِ پُر گرد ہو گیا
برچھی لگی جگر پہ بدن سرد ہو گیا
آنکھیں تو سُرخ ہو گئیں منہ زرد ہو گیا
تنہا اِدھر سے بہرِ وغا شاہِ دیں چلے
نیزے ہلا ہلا کے اُدھر سے لعیں چلے

۳۴

کھینچی کمر سے شہ نے جو شمشیرِ شعلہ بار
طائر اُڑے ہوا سے نکلنے لگے شرار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
تھرائی یہ زمیں کہ اٹھا دشت میں غبار
مرفق تلک اُلٹ جو لی آستین کو
گرنے کے ڈر سے چرخ نے تھاما زمین کو

۳۵

پہلے ہوئے دو چار سوارانِ نیزہ باز
یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہِ حجاز
تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
جس طرح سے شکار پہ گرتا ہے شاہباز
اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے وار کی

۳۶

تھے پست ایک دم میں جوانانِ سربلند
سر تک گئی وہ جس کے ہوا دو نیم سمند
ہر ضرب میں تھی تیغِ علیؑ کی برش دو چند
جوں نیشکر جدا ہوئے نیزوں کے بند بند
سر تھا اگر تو نیزۂ بیداد گر نہ تھا
نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سر نہ تھا

۳۷

مغرور نیزہ بازی میں تھا اک عدوئے شاہ
نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
ایا وہ اس غضب سے کہ اللہ کی پناہ
گویا زباں نکالے تھا اک افعی سیاہ
مانند عمرو معرکہ آرائے رزم تھا
گھوڑے سے شاہ دیں کو گرا دوں یہ عزم تھا

۳۸

نیزے کے ہاتھ صورت مرحب نکال کر
آواز دی اجل نے کہ فکر مآل کر
آگے بڑھا کمند کو کاندھے پہ ڈال کر
للکارے شاہ تیغ علیؑ کو سنبھال کر
او خوں گرفتہ شیر سے ہم لڑنے والے ہیں
تیرے یہاں کی فوج کے سب دیکھے بھالے ہیں

۳۹

پھرتی سے اس لعیں نے کیا اک غضب کا وار
شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار
سمجھے یہ سب کہ ہو گیا بھال کے آر پار
دکھلایا زور دست شہنشاہ ذوالفقار
ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا سنبھل گیا

۴۰

نیزہ اٹھا کے اس پہ چلے شاہ بحر و بر
تب اپنا ہاتھ چہرے پہ اس نے کیا سپر
فرمایا دیکھ او ستم آرا مرا ہنر
یاں شانے تک انی نے کیا ہاتھ سے گذر
بےکار دست کفر پرست لعیں ہوا
نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستیں ہوا

۴۱

مولا کماں کشوں پہ چلے پھر پئے ستیز
گرنے لگی چمک کے جو شمشیر شعلہ ریز
دشت نبرد ہو گیا صحرائے رستخیز
گوشوں میں کچھ نہاں ہوئے کچھ کر گئے گریز
جو تھم گیا وہ تیر اجل کا نشانہ تھا
ترکش تھا نہ کماں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا

۴۲

حلقے میں موت کے قدر انداز گھر گئے
جو لیس تھے لڑائی پہ رخ ان کے پھر گئے
چلے بھی کشمکش میں کمانوں سے گر گئے
دریا میں گر کے بہہ گئے وہ جو تر گئے
سارے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی

۴۳

بھاگے جو وہ تو تیغ زنوں سے ہوئے دو چار
چلنے لگیں ادھر سے بھی تیغیں کئی ہزار
در آئے درع پوشوں میں چمکا کے راہوار
تا آسماں بلند ہوا شور گیر و دار
منھ پر سپر امام دو عالم نہ لیتے تھے
اک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے

۴۴

وہ تیغ جس کے سر پہ پڑی تنگ تک گئی
دہشت سے چشم نیر اعظم جھپک گئی
جس وقت ہاتھ اٹھا چمک تا فلک گئی
چمکی کبھی سما پہ کبھی تا سمک گئی
غل تھا صفوں میں زیست سے اب تو تنگ ہیں
روکیں کسے کہ تیغ میں بجلی کے ڈھنگ ہیں

۴۵

آہن میں غرق تھے جو دلیران صف شکن
ضربیں بھی چاک ہوئیں صورت کفن
خود ان کے تھے سروں سے جدا اور سروں سے تن
چار آئینے بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
گر گر کے مرکبوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
آنسو لہو کے چشم زرہ سے نکلتے تھے

۴۶

غل تھا کہ شیرِ حیدرِ کرّار : الاماں
اے نورِ چشمِ احمدِ مختار الاماں
اے سیّدا اے بتولؑ کے دلدار الاماں
پہونچے سزا کو اے شہِ ابرار الاماں
کر رحم اپنی تشنہ دہانی کا واسطہ
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کی جوانی کا واسطہ

۴۷

اکبرؑ کا علیں جنگ میں شہ نے سنا جو نام
اعدا سے تھرتھرا کے یہ کرنے لگے کلام
تھرّا کے بس جگر کو لیا دستِ چپ سے تھام
اکبرؑ کہاں ہیں تم تو انھیں کر چکے تمام
سینے میں غم سے اُنکے جگر چاک چاک ہے
وہ بھی ہیں خاک ان کی جوانی بھی خاک ہے

۴۸

جن کی دُہائی دیتے ہو وہ ہیں لہو میں لال
ہم کو انھیں کے داغ سے ہے زندگی محال
ان کو نہ ماں کی فکر ہے نے باپ کا خیال
وہ ہوتے تو یہ کاہے کو ہوتا ہمارا حال
بیجاں کیا انھیں تمھیں لوگوں نے جان سے
اٹھارویں برس میں سدھارے جہان سے

۴۹

آؤ انھیں کی لاش کی کھاتا ہوں میں قسم
چھد جائے جسم تیروں سے گر سر سے تا قدم
ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزۂ ستم
کیا دخل ہے جو تیغِ دو دم کو کروں علم
تھا غیظ تم پہ مجھ کو سو وہ وقت ٹل گیا
اکبرؑ کا نام سن کے کلیجہ نکل گیا

۵۰

بھولا ہوا تھا جنگ میں اس کا تھا نہ دھیان
ہے ہے وہ لمبی زلفیں وہ رخ وہ شکوہ و شان
یاد آ گیا کہ مر گیا بیٹا مرا جوان
وہ برگِ گل سے ہونٹ وہ سوکھی ہوئی زبان
دکھلا دو پھر مجھے مرے دلبر کی لاش کو
روؤں گلے لگا کے میں اکبرؑ کی لاش کو

۵۱

یہ کہہ کے باگ چھوڑ دی اور روک لی حسام
عیبِ دغا تمھیں میں ہے اے ساکنانِ شام
اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوۂ امام
طاقت پہ حلم سبطِ پیمبرؐ بھی دیکھ لو
دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو

۵۲

سیراب تم ہو اور مجھے دو دن سے پیاس ہے
سر پر حسینؑ سے ہو یہ دور از قیاس ہے
تنہا میں با حواس ہوں تم کو ہراس ہے
پر کیا کروں کہ روح کا اکبرؑ کی پاس ہے
ہے آرزو کہ اس مہِ انور سے جا ملوں
جلدی کرو شہید کہ اکبرؑ سے جا ملوں

۵۳

یہ سن کے شہ پہ ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام
سینے کو تاکنے لگے ناوک فگن تمام
جوں گل لہو میں ڈوب گیا پیرہن تمام
بھاگے ہوئے سوار بھی رستے سے پھر پڑے
یاں تک اٹھائے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے

۵۴

جب خاک پر تڑپنے لگا فاطمہؑ کا لال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
ملتی تھی اس کی چال سے خیر النساءؑ کی چال
آلودہ تھے عذارِ مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہؑ نکل آئیں مزار سے

۵۵

چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر — کیوں بے چراغ کرتے ہو خیرالنساء کا گھر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر — اے ظالمو یہ حیدر و صفدر کا ہے پسر
اٹھتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں — ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

۵۶

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا — گردن اٹھا کے بولے کہ عجب یہ کیا کیا
سر تن پہ ہے مرے ابھی کیوں پھینک دی ردا — آئی صدا کہ اے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا
شبیرؑ ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں — تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

۵۷

مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوب کبریا — آئے ہیں غش میں غش انھیں تھامے ہیں انبیا
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اولیا — اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
اٹھ اٹھ کے جب زمیں پہ شبیرؑ گرتے ہیں — پروانے کی طرح سے حسنؑ گرد پھرتے ہیں

۵۸

ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دل فگار — اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
بھائی سے چھٹتی ہوں مجھے کیوں کر پڑے قرار — ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
اس بے کسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں — نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

۵۹

رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر — اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ کھولے سر
چلاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر — تھیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی آنکھوں سے آنکھیں تر
پردے سے منہ نکال کے میداں کو تکتے تھے — مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

۶۰

راوی رقم یہ کرتا ہے اس سانحے کا حال — نکلا اٹھا کے پردے کو اک طفل خورد سال
منہ بھولا بھولا گوندھے ہوئے گیسوؤں کے بال — ماتھا تو رشک بدر بھویں غیرت ہلال
رخسار روشنی میں فزوں آفتاب سے — کانوں میں بندے ہل رہے تھے اضطراب سے

۶۱

چشم سیاہ نرگس شعلہ پہ طعنہ زن — نازک وہ لب کہ جس سے خجل برگ یاسمن
وہ گورے گورے گال وہ چہرے پہ بھولا پن — گویا کہ درج لعل تھا غنچہ سا وہ دہن
زلفیں اڑیں ہوا سے تو خوشبو مہک گئی — گوہر ہلا جو کان کا بجلی چمک گئی

۶۲

وہ چاند سا گلا وہ مہ نو سی ہنسلیاں — کرتا بدن میں پھولوں پہ شبنم ہو جوں عیاں
وہ پیارے پیارے ہاتھ کہ صدقہ تھی جن پہ ماں — ہیکل گلے میں پہنے ہوئے بہر حفظ جاں
تعویذ بازوؤں پہ کڑے ہاتھ پاؤں میں — دوڑا چچا کو دیکھ کے تیغوں کی چھاؤں میں

۶۳

چلائی ماں یہ پردے کو سرکا کے ایک بار — بیٹا کدھر نکل گئے مادر ہے بے قرار
پھر آ خدا کے واسطے پھر آ ترے نثار — برسا رہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
لو مڑ کے دیکھو خیمے سے باہر نکلتی ہوں — اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں

۶۴
یہ سن کے بھی پھرا نہ جو وہ غیرتِ قمر
بولی پکڑ کے دامنِ پسر ابنِ پسر
دوڑی نکل کے خیمے سے مادر برہنہ سر
بیوہ ہوں اے یتیمِ حسنؑ مجھ پہ رحم کر
مرجاؤں گی رنڈاپے میں مجکو پناہ لے
صدقہ حسنؑ کی روح کا چل گھر کی راہ لے

۶۵
واری میں تیرے پاؤں پہ رکھتی ہوں اپنا سر
کیوں کر لڑوگے پاس نہ تلوار نہ سپر
غصے سے کانپتے ہو نہیں جان کا خطر
کرتے کی آستین چڑھائے چلے کدھر
وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں
دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں

۶۶
تیغیں چلیں حسینؑ پہ اور آہ ہم نہ جائیں
اصغرؑ تو اپنی ننھی سی گردن پہ تیر کھائیں
عمو نے ہم کو پالا ہے کس طرح جی بچائیں
تیغیں چمکتی دیکھ کے مقتل سے ہم گھر آئیں
کیا ڈر ہمیں علیؑ کے پسر کے پسر ہیں ہم
تلوار گر نہیں تو چچا کی سپر ہیں ہم

۶۷
جانے دو ہم کو مرنے کو اب تم تو گھر میں جاؤ
رانڈوں کا بھی خدا ہے غم اولاد کا نہ کھاؤ
دشمن نہ دیکھ لے کوئی چادر سے منہ چھپاؤ
قاسمؑ کا داغ دیکھا ہمارا بھی داغ اٹھاؤ
پھوپھیاں فراقِ سیدِ والا میں روتی ہیں
ساتھ ان کا جا کے دو کہ چچی رانڈ ہوتی ہیں

۶۸
یہ کہہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا
ہاتھوں کو ملتی رہ گئی ماں غم کی مبتلا
جلدی قدم اٹھا کے چچا کی طرف چلا
جا پہونچا قتل گہ میں وہ مشتاق موت کا
زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا

۶۹
گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ طفلِ ماہ رو
گھبرا کے دیکھتا کبھی اعدا کو چار سو
کرتا اٹھا کے منہ سے چچا کا پونچھے لہو
کہتا کبھی چچا سے کہ اے شاہ نیک خو
خیمے سے سر برہنہ پھوپی نکلی آتی ہیں
گھر میں چلو کہ تم کو سکینہؑ بلاتی ہیں

۷۰
زانو پہ ہاتھ مار کے شہ نے کہا کہ ہائے
مارے بھتیجے کوئی تو چچا کس طرح بچائے
یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں گھر سے آئے
قسمت میں تھا حسینؑ تمہارا بھی داغ اٹھائے
بیکس چچا پہ فوجِ ستم کی چڑھائی ہے
ماں سے تمہیں چھڑا کے اجل رن میں لائی ہے

۷۱
ناگاہ ہجومِ فوجِ ستم شاہ پر ہوا
اس وقت بے قرار حسنؑ کا پسر ہوا
تیغیں اٹھائے لشکرِ کیں حملہ ور ہوا
جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا
گہ لڑکھڑا کے شاہ کی گودی میں گرتا تھا
پروانے کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا

۷۲
کہتا تھا ظالموں سے کبھی بہ چشمِ نم
بندے یہ اپنے کانوں کے دیتے ہیں تجھ کو ہم
بیکس پہ یہ ہجوم ستمگر پہ یہ ستم
بہرِ خدا چچا پہ نہ تیغیں کرو علم
دوں گا دعا کریم ہوں ابنِ کریم ہوں
بچپن پہ میرے رحم کرو میں یتیم ہوں

۶۳

اعدا کو ننھے ہاتھوں سے بڑھ کر ہٹاتا تھا
جھکا کے تیغ جب کوئی نزدیک آتا تھا
گرتے سے گاہ زخمِ جگر کو چھپاتا تھا
شہ اس کو تھامتے تھے وہ شہ کو بچاتا تھا
کہتے تھے شاہ تیغ نہ اس پہ علم کرو
وہ کہتا تھا کہ پہلے مرا سر قلم کرو

۶۴

آخر کسی کی تیغ ستم شاہ پر چلی
زہراؑ کی روح کو ہوئی جنت میں بے کلی
چلایا ہاتھ اٹھا کے وہ بچہ کہ یا علیؑ
سر سے نہ اس یتیم کے تیغ قضا ٹلی
تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں
دست صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں

۶۵

تڑپا زمیں پہ گر کے جو وہ طفل خورد سال
اس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہ خوش خصال
چھینٹوں سے خوں کی ہو گیا کرتا تمام لال
صدقے میں تیرے ہاتھوں کے اے مجتبیٰ کے لال
اب ذبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا
جاتے ہو تم تو کون چچا کو بچائے گا

۶۶

آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر
حضرت کے منہ کو تکنے لگا وہ مہِ منیر
بچے کے پیاسے حلق پہ مارا کسی نے تیر
سر پیٹے زخمی ہاتھوں سے شاہ فلک سریر
آنکھیں پھرائیں چاند سا منہ زرد ہو گیا
منہ سے اُگل اُگل کے لہو سرد ہو گیا

۶۷

اک آہ کر کے غش ہوئے سلطان بحر و بر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینہ پر
آیا بڑھ کے خنجر کیں شمر بدگہر
حضرت نے چونک کر کہا پیاسا ہوں رحم کر
پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو
جلاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

۶۸

تن سے جدا ہو جو سرِ سیدِ انام
خاموش اے انیسؔ یہ رونے کا ہے مقام
خیمے سے نکلیں بیبیاں سیدانیاں تمام
تازہ ہے روز حشر تلک ماتم امام
جب تک جہاں ہے شہ کو عزادار روئیں گے
ہم آج ہیں شریک مگر کل نہ ہوئیں گے

سلام

مجرئی قید سے جب عابدؑ بے پر چھوٹے
شام میں شور ہوا آل پیمبرؐ چھوٹے

رن میں فرماتے تھے بھر کر نفسِ سرد حسینؑ
مجھ سے کیا کیا مرے اس دشت میں یاور چھوٹے

بانو فرماتی تھیں ہاتھوں سے اجل کے ہے ہے
نہ تو اکبرؑ ہی بچے اور نہ اصغرؑ چھوٹے

قطعہ

حُر یہ کہتا تھا کروں گا مددِ سبطِ رسولؐ
اس میں فرزند جدا ہو کہ برادر چھوٹے

ایک عالم سے جو چھٹ جاؤں تو پروا نہیں کچھ
پر نہ ہاتھوں سے مرے دامنِ سرور چھوٹے

خاک پر گر کے دمِ نزع یہ اکبر نے کہا
اب یقیں ہے کہ نہ تا حشر یہ بستر چھوٹے

شہ نے زینبؑ سے کہا ماں کے گلے وقتِ وداع
اے بہن تم سے ہم اب تا دمِ محشر چھوٹے
بیبیاں کہتی تھیں کیوں اونٹ پہ در در نہ چڑھیں
سر پہ وارث نہ رہے قید ہوئے گھر چھوٹے

قطعہ

لاشِ اصغرؑ پہ کہا بانوؑ نے اماں صدقے
چھ مہینے نہ مری چھاتی سے دم بھر چھوٹے
آ کے جنگل میں کیا باپ کا پہلو آباد
ماں سے اس عمر میں بیٹا علی اصغرؑ چھوٹے

قطعہ

عورتیں آن کے صغراؑ کو یہ سمجھاتی تھیں
تیرے رونے سے تو ہمسایوں کے گھر چھوٹے
وہ یہ کہتی تھی کہ ماں باپ سے جو چھوٹا ہو
اس سے رونا کہو دن رات کا کیوں کر چھوٹے
شاہ کہتے تھے کٹے حلق مگر ہاتھوں سے
دامنِ صبر نہ زیرِ دمِ خنجر چھوٹے

قطعہ

گر بٹھاتا کوئی مسند پہ تو کہتے سجادؑ
ہوئے چالیس برس بالش و بستر چھوٹے
زیرِ سر ہاتھ دھرے خاک پہ سو رہتا ہوں
اٹھ گیا چین ہے جس روز سے سرور چھوٹے
شاہ کہتے تھے رفیقوں سے چھٹے گو دریا
یہ دعا مانگو پیاسوں سے نہ کوثر چھوٹے
اصغرؑ شہ کے لگا گردن و بازو پہ جو تیر
خوں کے دو زخموں سے فوارے برابر چھوٹے
کان کے درد سے کیا بالی سکینہؑ تڑپی
بدگہر کے نہ مگر ہاتھوں سے گوہر چھوٹے
لاش پہ بیٹے کی شہؑ کہتے تھے افسوس ہم سے
بعد اٹھارہ برس کے علی اکبرؑ چھوٹے
یہ غمِ اکبرؑ و عباسؑ میں کہتے تھے حسینؑ
آج حیدرؑ سے چھٹا آج پیمبرؐ چھوٹے
خلد میں رو کے سکینہ نے کہا سرور سے
قیدِ زنداں سے تو ہم چھوٹے پہ مر کر چھوٹے
آرزو یہ ہے کہ ہنگامۂ محشر میں انیسؔ
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبرؐ چھوٹے

رُباعی

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے
انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مری اشکوں کی روانی سیکھے

تمام شد

تقریظ دلپذیر

بعد حمد خالق یکتا و نعت محبوب دوسرا خاتم الانبیاء و تحیات زاکیات و تسلیمات طیبات برخاصان خدا یعنی ائمہ ہدیٰ اگر بہ نظر غور دیکھو تو نجات کا وسیلہ قوی فقط غم حسین ہے مَنْ بَکٰی عَلَی الْحُسَیْنِ اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ اس پر دلیل ہے اور اگرچہ مصائب اہل بیت علیہم السّلام میں صدہا کتابیں تصنیف ہیں لیکن جو طریقے مرثیہ گوئی کے جناب رحمت انتساب قدوۃ الشعراء افصح الفصحا جناب میر ببر علی صاحب المتخلص بہ انیس اَسْکَنَہُ اللّٰہُ بُحْبُوحَۃِ الْفِرْدَوْسِ نے نکالے وہ خارج از تعریف ہیں حقیقت میں کلام بلاغت نظام اس ممدوح کا ایسا سہل ممتنع ہے جس کے فہم معنی سے مدرکۂ عقول عشرہ معترف قصور ہے حسن قبول تو دیکھیے کہ مشہور نزدیک و دور ہے بیان و رزم نمونۂ سحر بابل ہے تذکرہ مصاحب نشتر رگِ دل ہے ثانی امراء القیس اور سحبان وائل کہیے تو بجا ہے بلکہ بہ لحاظ شاعری اگر خدائے سخن کہیے تو روا ہے لیکن افسوس ہے کہ ایسے ذی کمال کا ۱۲۹۲ھ میں انتقال ہوا۔ ھَدَمَتْ وَاللّٰہِ اَرْکَانُ الْبُکَاءِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْہُ وَاحْشُرْہُ مَعَ مَنْ تَوَلَّاہُ مِنَ الْاَئِمَّۃِ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَاَعْلَی اللّٰہُ دَرَجَاتَہٗ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ

از آنجا کہ ان کے کلام کا اک زمانہ مشتاق تھا اور مدت سے اس پر اتفاق تھا کہ اگر یہ کلام معرض طبع میں آئے تو باعث تسہیل حصول ثواب اور باقیات الصالحات اس ممدوح کا ہو جائے الحمد للہ کہ چار جلدوں میں ان کا کلام فصاحت نظام طبع ہوا اور ان کی صحت میں نہایت اہتمام ہوا اور ہر مرثیہ بفضلہ تعالیٰ بہ حسن و خوبی تمام ہوا۔

تاریخ طبع از نتائج بے عدیل ناظم عدیم التمثیل شیر بیشہ سخن وری مولوی محمد حامد علی خانصاحب حامد شاہ آبادی مصحح مطبع ھٰذا

یزیدِ اکفرِ مردود و اظلم
سرِ سبطِ رسولِ حق قلم کرد
رسول اللہ در مرقد بنالید
ملائک چشم ہائے خویش نم کرد
کہ خاتونِ قیامت زار و گریاں
بہ رفتہ نالہ و فریاد ہم کرد
کہ من بنتِ رسول اللہ ستم
شہیدِ خنجرِ ظلم و ستم کرد
خدا لعنت کند بر قاتلانش
ہماں حالاتِ تفویضِ قلم کرد

بر آلِ مصطفیٰؐ بے حد ستم کرد
زمیں از جوشِ رقت سرنگوں شد
علیِ مرتضیٰؑ بے حد الم کرد
جنابِ شہربانو دیدہ ورخواب
قدم رنجہ ز فردوسِ ارم کرد
چو بانو نام نامیش بہ پرسید
بہ بیں است چہا بر من ستم کرد
ازیں غم مبتلا شد جن و انساں
کہ اشقیاں بے سبب برشے ستم کرد
غرض چوں طبع ایں جلد دوم شد

بہ شمشیرِ جفا و خنجرِ ظلم
فلک در ماتمِ او پشت خم کرد
بہ جنت حور و غلماں کرد ماتم
روایت ہم چنیں راوی رقم کرد
بہ گیسوئے زمینِ کربلا را
چناں ارشادِ آں عالی ہمم کرد
حسینؑ سرورِ دنیا و دیں را
ہمہ مخلوق بے پایاں الم کرد
انیسِ بختہ سنج بے نظیرے
خیالِ سالِ تاریخش دلم کرد

دبیرِ طبعِ حامد بہرِ تاریخ
پئے احوالِ درد و غم رقم کرد

خاتمۃ الطبع

للہ الحمد والمنۃ کہ مرثیہ میر انیس مرحوم کی یہ جلد دوم مطبع فیض منبع تیج کمار (پریس) لکھنؤ میں بہ سرپرستی عالی جناب منشی تیج کمار صاحب بھارگو مالک و مینیجر مطبع ہذا بہ صد حسن و خوبی و ہزاراں خوش اسلوبی بہ ماہ دسمبر ۱۹۶۵ء بہ اہتمام پنڈت مرلی دھر مصرا سپرنٹنڈنٹ بار ہشتم حلیۂ طبع سے محلّی ہوا۔